از افادات

مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

حقوق العباد اور معاملات

مرتب

محمد اسحق ملتانی

مدیر ماہنامہ محاسن اسلام ملتان

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
فون: 4540513-4519240

بسلسلہ حقوق و فرائض - ۱

حقوق العباد اور معاملات

اسلام کا اہم شعبہ حقوق العباد اور خاص طور پر معاملات سے متعلق اسلامی احکام حقوق و فرائض....رزق حلال کی طلب اور مال حرام سے بچاؤ.... مسلمان تاجر کے فرائض معاملات کی اہمیت اور ان کی درستگی سے تنازعات کا حل....امانت.... خیانت.... وعدہ خلافی.... جھوٹ.... چوری اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں ہونے والی کوتاہیوں کی نشاندہی اور ان کی اصلاح کیلئے شریعت کی عام فہم تعلیمات کا مجموعہ جس کا مطالعہ ایک مسلمان کو دینی و دنیاوی اعتبار سے درجہ کمال تک پہنچا سکتا ہے۔

از افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

مرتب

محمد اسحاق ملتانی

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 4540513-4519240

نام کتاب

حقوق العباد اور معاملات

تاریخ اشاعت.......................محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

ناشر.............................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت.......................سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ہم نے اس کتاب کو حرف بحرف پڑھنے کے بعد اس میں درج قرآنی آیات احادیث مبارکہ اور دیگر عربی عبارات کو غور سے پڑھنے اور سمجھنے کے بعد انکی صحت اور رسم الخط کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ کتاب ہماری کوشش کے مطابق ہمہ قسم کی اغلاط سے پاک ہے۔

قاری محمد ابوبکر رحیمی غفرلہ
فاضل جامعہ قاسم العلوم ملتان

مولانا محمد طلحہ غفرلہ
فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

مکتبہ رحمانیہ... اردو بازار... لاہور

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

ادارۃ الانور... نیوٹاؤن کراچی نمبر 5

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

عرض ناشر

زیرِ نظر کتاب ''حقوق العباد اور معاملات'' حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ، کے افادات کا مجموعہ ہے۔ جسے حضرت کے مواعظ وخطبات مجالس وملفوظات اور دیگر تالیفات سے مرتب کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

اسلامی تعلیمات کیا ہیں۔ اس کا مختصر جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ اسلام کی تمام تعلیمات واحکام ''حقوق'' کے گرد گھومتی ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ پھر ان دونوں میں سے ''حقوق العباد'' کا معاملہ نہایت اہم ہے۔ کیونکہ حقوق اللہ میں کوتاہی کرنے پر انسان کا اپنا نقصان ہے اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہر عیب ومحتاجی سے پاک ہے لیکن اس کے برعکس بندوں کے حقوق میں افراط وتفریط سے اہل حقوق کو جو ایذاء ہوتی ہے وہ بالکل ناجائز اور حرام ہے اس لیے حقوق کی اہمیت سے متعلق حضرت کے افادات کو تین جلدوں تقسیم کیا گیا ہے جس کی پہلی جلد آپ کے سامنے ہے دوسری جلد بنام ''خاندانی حقوق وفرائض'' اور تیسری جلد بنام ''معاشرتی حقوق وفرائض'' ہے ان دونوں جلدوں کی اجمالی فہرستیں بھی اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں درج ہیں۔ تاکہ حقوق سے متعلق تمام اہم مضامین پر ایک طائرانہ نظر ہو جائے۔

شروع کتاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث مبارکہ دی گئی ہیں جو

''حقوق العباد اور معاملات'' سے متعلق ہیں۔ گویا یہ احادیث مبارکہ کتاب ہذا کا متن ہیں اور باقی تمام مضامین اس کی عام فہم شرح ہیں۔

حقوق کی اہمیت کے پیش نظر حضرت کے بیانات وفرمودات جو متفرق کتب میں پھیلے ہوئے ہیں انہیں موضوع کے اعتبار سے ۳ جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے گویا ان تین جلدوں میں حقوق سے متعلق تمام اسلامی احکام وآداب اور عصر حاضر میں انکی ادائیگی کی سہل صورتیں اور معاشرہ میں حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں جو جو حق تلفیاں ہورہی ہیں ان کی نشاندہی پر مشتمل یہ تینوں جلدیں فرد سے معاشرہ تک کی اصلاح کا ایک مکمل نصاب ہے جو ہر مسلمان کو اسلامی تعلیمات کا صحیح آئینہ دکھا کر اسے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

عصر حاضر میں حضرت کی شخصیت ماشاءاللہ عوام وخواص میں جو مقبولیت رکھتی ہے وہ عنداللہ قبولیت کی علامت ہے جس کے پیش نظر اللہ رب العزت سے قوی امید ہے کہ حضرت کے افادات کا حقوق سے متعلق یہ مجموعہ شرف قبولیت سے نوازا جائیگا۔

زیر نظر کتاب کے مضامین چونکہ مختلف کتب سے منتخب کیے گئے ہیں اس لئے اسے مستقل تصنیف کی بجائے انتخاب کے نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو مناسب ہوگا۔ بعض جگہ واقعات یا مضامین کا تکرار بھی ہوگا لیکن موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ان شاءاللہ یہ بھی فوائد سے خالی نہ ہوگا۔ تاہم ان مضامین کی ترتیب کے سلسلہ میں جو تشنگی یا نقص ہوا سے بلا تردد مرتب کی طرف منسوب کیا جائے اور صاحب افادات کی شخصیت اس سے مبرأ ہوگی۔ اگر کوئی اہل علم ایسی کسی غلطی کی نشاندہی فرماویں گے تو احقر پر احسان ہوگا۔

اللہ پاک صاحب افادات کا مبارک سایہ ہمارے سروں پر بصحت وعافیت قائم رکھیں۔ اور اس مجموعہ کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے ہم سب کی اصلاح وفلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

طالب دعا

احقر محمد اسحٰق ملتانی

محرم الحرام ۱۴۲۷ھ بمطابق فروری 2006ء

صاحب افادات پر ایک نظر

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے آخری عمر میں بطور خاص اس تمنا کا اظہار فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں یورپ پہنچ کر بتلاؤں کہ حکمت وہ نہیں ہے جسے تم غلط فہمی سے حکمت سمجھ رہے ہو بلکہ حکمت وہ ہے کہ جس سے دنیا و عقبیٰ دونوں کے انکشافات تم پر عیاں ہو سکتے ہیں۔

حضرت کی یہ تمنا تشنہ تکمیل رہی لیکن اللہ اپنے پیاروں کی تمناؤں اور دعاؤں کو رد نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی اس تمنا کو عصر حاضر میں شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ، کی صورت میں پورا فرما دیا کہ آپ کی علمی و عملی کاوشوں کو دنیا بھر کے مشاہیر اہل علم میں سراہا جاتا ہے۔ خصوصاً اقتصادیات کے شعبہ میں آپ اپنی مثال آپ ہیں کہ قرآن وحدیث فقہ و تصوف اور تدین و تقویٰ کی جامعیت کے ساتھ ساتھ قدیم و جدید علوم پر دسترس اور ان کو عصر حاضر کی زبان پر سمجھانے کی خداداد صلاحیت آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئی ہے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب یہ میرے پاس پڑھنے کیلئے آئے تو بمشکل ان کی عمر گیارہ / بارہ برس تھی مگر اسی وقت سے ان پر ولایت کے آثار محسوس ہونے لگے اور رفتہ رفتہ ان کی صلاحیتوں میں ترقی و برکت ہوتی رہی یہ مجھ سے استفادہ کرتے رہے اور میں ان سے استفادہ کرتا رہا۔ مزید فرمایا کہ ایک دن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مجھ سے مجلس خاص میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا ذکر آنے پر کہا کہ تم محمد تقی کو کیا سمجھتے ہو یہ مجھ سے بھی اوپر ہیں اور یہ حقیقت ہے۔

ایک موقع پر حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف معارف السنن کا ایک سیٹ حضرت عثمانی کو بطور انعام عطا فرمایا اور اسکی پہلی جلد پر اپنے قلم سے یہ عبارت نہایت پاکیزہ خط میں تحریر فرمائی کہ...... **اخی فی اللہ الاستاد الزکی والعالم الزکی الشاب التقی محمد تقی** کتبہ محمد یوسف البنوری ۲۶-۳-۹۱ھ

اکابر کی ان توقعات اور نیک دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ ہر صاحب بصیرت آپ کی علمی و اصلاحی کتب سے مستفید ہو کر اپنی دنیا و آخرت کو حسب استطاعت سنوار رہا ہے۔

اللہ پاک حضرت کا مبارک سایہ بصحت و عافیت ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ آمین

اس کتاب کواس طرح پڑھئے!

ا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

نِيَّةُ الْمُؤمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ. مؤمن کی اچھی نیت اسکے اچھے عمل سے بہتر ہے۔

لہٰذا اس کتاب کے مطالعہ سے پہلے ہمیں اپنی نیت کا جائزہ لے لینا چاہئے۔ وہ یہ کہ ہم عمل کی نیت سے پڑھیں۔ بس پھر کیا ہے عمل کی نیت سے ثواب شروع۔

۲۔ یہ کتاب چونکہ حقوق سے متعلق ہے لہٰذا اس کتاب میں درج تمام ہدایات اور اسلامی تعلیمات کو انتہائی سنجیدگی سے پڑھا جائے۔ اور عمل کی نیت میں مزید وسعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ تہیہ کرلیا جائے کہ دوسروں کے ذمہ میرے جو حقوق ہیں وہ ادا کریں یا نہ کریں میں اپنے حقوق کی ادائیگی میں حتی المقدور کوشش کر کے انکی ادائیگی کرتا رہونگا۔ خود کو اپنے تمام متعلقین کا خادم تصور کر کے حقوق العباد اور معاملات سے متعلق اب تک جو کوتاہی ہوئی ہے اس کی تلافی کی فکر کروں گا۔ اور آئندہ ان شاء اللہ اس سلسلے میں خود کو شرعی حدود کا پابند بناؤں گا۔ اگر ہر انسان خود کو مخدوم سمجھنے کی بجائے خادم بنالے تو حقوق کی ادائیگی میں کبھی دشواری نہ ہو۔

۳۔ کتاب پڑھنے کیلئے ایسا وقت مقرر کر لیا جائے جو تمام مصروفیات سے خالی ہو۔ کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ذہن پر کسی اور وجہ سے الجھن سوار ہوتی ہے اور آدمی کتاب کے مضمون سے چبھن محسوس کرتا ہے۔

۴۔ کوشش کی جائے کہ کتاب کو اول تا آخر مکمل پڑھیں۔

۵۔ دوران مطالعہ ایک قلم ساتھ رکھیں اور جن امور میں خود کو عملی اعتبار سے کمزور محسوس کریں ان پر نشان لگالیں اور ان کو بار بار پڑھ کر اپنی اصلاح کیلئے خوب دعائیں مانگیں۔

۶۔ جو بات سمجھ نہ آئے اسے بھی نشان لگالیں اور قریبی کسی معتمد عالم صاحب سے سمجھ لیں۔ کتاب پڑھتے ہوئے تمام مسلمانوں کیلئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقوق کی ادائیگی کی فکر نصیب فرمائیں تا کہ معاشرہ اپنی فطری خوشحالی کی طرف ترقی کر سکے۔

اگر آپ اس کتاب کو اپنے لیے مفید پائیں تو یہ آپ کا دینی واخلاقی فریضہ ہے کہ اپنے دوست احباب کو بھی اسکے مطالعہ کی ترغیب دیں اور اس کتاب میں حقوق اور انکی ادائیگی کے سلسلہ میں جو نئی باتیں آپکے علم میں آئیں انہیں دوسروں تک پہنچائیں۔ اور معاشرہ میں حقوق کی ادائیگی کی فکر کیلئے خود کو بھی اور دوسروں کو بھی متحرک کیجئے۔ اس سلسلہ میں تدابیر کے علاوہ دعاؤں کا خاص اہتمام کیا جائے اس سے خود آپ کو بھی فائدہ ہوگا لہٰذا ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں نہ بھولئے گا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى (النحل: ۹۰)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتا ہے
(تسہیل بیان القرآن)

خیر الناس من ینفع الناس — لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جو (دوسرے) لوگوں کو نفع پہنچائے

کلکم راع وکل راع مسئول عن رعیته

تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر نگہبان سے (قیامت کے دن) اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اجمالی فہرست

اجمالی فہرست

خاندانی حقوق وفرائض جلد۲

معاشرتی حقوق وفرائض جلد۳

فہرست عنوانات

حقوق العباد اور معاملات سے متعلق احادیث مبارکہ

حقوق وفرائض

تجارت دین بھی دنیا بھی

اپنے معاملات صاف رکھیں

جھوٹ اور اسکی مروجہ صورتیں

دوسروں کی چیزوں کا استعمال

حقوق العباد اور معاملات سے متعلق
احادیث مبارکہ

سعادت مندی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

آدمی کی سعادت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو اس کے لئے مقدر فرمایا اس پر راضی رہے اور آدمی کی محرومی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے خیر مانگنا چھوڑ دے، اور یہ بھی آدمی کی محرومی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو اس کے لئے مقدر فرمایا اس سے ناراض ہو۔ (احمد و ترمذی)

مال کی پاکیزگی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! جس شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی اُس سے اُس کی بُرائی جاتی رہی (یعنی زکوٰۃ نہ دینے سے جو اس مال میں نحوست اور گندگی آجاتی ہے وہ نہیں رہی) (طبرانی اوسط وابن خزیمہ صحیح)

زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

کوئی شخص سونے کا رکھنے والا اور چاندی کا رکھنے والا ایسا نہیں جو اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) نہ دیتا ہو مگر اس کا یہ حال ہوگا کہ جب قیامت کا دن ہوگا اس شخص کے (عذاب کے) لیے اس سونے چاندی کی تختیاں بنائی جائیں گی پھر ان تختیوں کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے اس کی کروٹ اور پیشانی اور پشت کو داغ دیا جائے گا۔ جب وہ تختیاں ٹھنڈی ہونے لگیں گی پھر دوبارہ ان کو تپایا جائے گا (اور) یہ اس دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہوگی (یعنی قیامت کے دن میں)۔ (بخاری ومسلم)

گنجا سانپ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو پھر وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے قیامت کے روز وہ مال ایک گنجے سانپ کی شکل بنا دیا جائے گا جس کی دونوں آنکھوں کے اوپر دو نقطے ہوں گے (ایسا سانپ بہت زہریلا ہوتا ہے) اور اس کے گلے میں طوق (یعنی ہنسلی) کی طرح ڈال دیا جائے گا اور اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیری جمع ہوں۔ پھر آپ نے (اس کی تصدیق میں) یہ آیت پڑھی: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ. الآیۃ (آل عمران، آیت ۱۸۰) (اس آیت میں مال کے طوق بنائے جانے کا ذکر ہے۔) (بخاری ونسائی)

زیور کی زکوٰۃ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور میری خالہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوئیں کہ ہم نے سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے ہم سے پوچھا کہ کیا تم ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ ہم نے عرض کیا نہیں،

آپ نے فرمایا کیا تم کو اس سے ڈر نہیں لگتا کہ تم کو اللہ تعالیٰ آگ کے کنگن پہناوے، اس کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ (احمد بسند حسن)

پانچ چیزوں کا حساب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

قیامت کے دن کسی آدمی کے قدم (حساب کے موقع سے) نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ ہو چکے گا اور (ان پانچ میں دو یہ بھی ہیں کہ) اس کے مال کے متعلق بھی (سوال ہوگا) کہ کہاں سے کمایا (یعنی حلال سے یا حرام سے) اور کہاں خرچ کیا؟ الخ (ترمذی)

مال کی آمد و خرچ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

مال خوش نما خوش مزہ چیز ہے جو شخص اس کو حق کے ساتھ (یعنی شرع کے موافق) حاصل کرے اور حق میں (یعنی جائز موقع میں) خرچ کرے تو وہ اچھی مدد دینے والی چیز ہے۔ (بخاری ومسلم)

ضرورت کی چیز

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں صرف اشرفی اور روپیہ ہی کام دے گا۔

دنیا اور اس کی ذلت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کن کٹے مرے ہوئے بکری کے بچے پر گذر ہوا آپ نے فرمایا تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ یہ (مردہ بچہ) اس کو ایک درہم کے بدلے مل جاوے؟ لوگوں نے عرض کیا (درہم تو بڑی چیز ہے) ہم تو اس کو بھی پسند نہیں کرتے کہ وہ ہم کو کسی ادنیٰ چیز کے بدلے بھی مل جاوے آپ نے فرمایا قسم اللہ کی دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جس قدر یہ تمہارے نزدیک۔ (مسلم)

مچھر کے پر سے بھی کم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی پینے کو نہ دیتا۔ (احمد و ترمذی و ابن ماجہ)

بربادی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

اگر دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جاویں وہ بھی بکریوں کو اتنا تباہ نہ کریں جتنا انسان کے دین کو مال اور بڑائی کی محبت تباہ کرتی ہے۔ (ترمذی و دارمی)

پردیسیوں کی طرح رہو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں شانے پکڑے پھر فرمایا دنیا میں اس طرح رہ جیسے گویا تو پردیسی ہے (جس کا قیام پردیس میں عارضی ہوتا ہے اس لیے اس سے دل نہیں لگاتا) یا (بلکہ ایسی طرح رہ جیسے گویا تو) راستہ میں چلا جا رہا ہے (جس کا بالکل ہی قیام نہیں) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب شام کا وقت آئے تو صبح کے وقت کا انتظار مت کر اور جب صبح کا وقت آئے، تو شام کے وقت کا انتظار مت کر۔ (بخاری)

رزق سے محرومی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

بے شک آدمی محروم ہو جاتا ہے رزق سے گناہ کے سبب جس کو وہ اختیار کرتا ہے۔

(عین جزاء الاعمال از مسند احمد غالباً)

مسلمانوں کی بے وقعتی کا سبب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! قریب زمانہ آ رہا ہے کہ کفار کی

تمام جماعتیں تمہارے مقابلہ میں ایک دوسرے کو بلائیں گی جیسے کھانے والے اپنے خوان کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ ایک کہنے والے نے عرض کیا اور ہم اس روز (کیا) شمار میں کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ تم اس روز بہت ہو گے لیکن تم کوڑہ (اور ناکارہ) ہو گے جیسے رَو میں کوڑا آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا۔ ایک کہنے والے نے عرض کیا کہ یہ کمزوری کیا چیز ہے (یعنی اس کا سبب کیا ہے؟) آپ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔ (ابوداؤد و بیہقی)

قرض چھوڑ کر مرنا

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم نے اِرشاد فَرمایا!

کبائر (بڑے گناہوں) کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص مر جائے اور اس پر دَین (یعنی کسی کا حق مالی) ہو اور اس کے ادا کرنے کے لیے کچھ نہ چھوڑ جاوے۔ (اھ مختصراً احمد و ابوداؤد)

بغیر اجازت مال لینا

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم نے اِرشاد فَرمایا!

سنو! ظلم مت کرنا۔ سنو! کسی کا مال حلال نہیں بدوں اس کی خوش دلی کے۔ (بیہقی و دارمی)

زمین غصب کرنا

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم نے اِرشاد فَرمایا!

جو شخص (کسی کی) زمین سے بدوں حق کے ذرا سی بھی لے لے (احمد کی ایک حدیث میں ایک بالشت آیا ہے) اسکو قیامت کے روز ساتوں زمین میں دھنسا دیا جاوے گا۔ (بخاری)

رشوت

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم نے اِرشاد فَرمایا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے پر (ابوداؤد و ابن ماجہ و ترمذی) اور ثوبان کی روایت میں یہ بھی زیادہ ہے اور (لعنت فرمائی

ہے) اس شخص پر جو ان دونوں کے بیچ میں معاملہ ٹھہرانے والا ہو۔ (احمد و بیہقی)

منافقانہ خصلتیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

چار خصلتیں ہیں جس میں وہ چاروں ہیں وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ایک خصلت ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی جب تک اس کو چھوڑ نہ دے گا (وہ خصلتیں یہ ہیں) جب اس کو امانت دی جائے خواہ مال ہو یا کوئی بات ہو، وہ خیانت کرے اور جب بات کہے جھوٹ بولے، اور جب عہد کرے اس کو توڑ ڈالے اور جب کسی سے جھگڑے تو گالیاں دینے لگے۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب وعدہ کرے خلاف کرے۔

کسی کی آبرو کا دفاع

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

جو شخص اپنے کسی بھائی کی آبرو کا دفاع کرے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے جہنم کی آگ کو ہٹا دیں گے۔ (ترمذی البر والصلہ باب ۲۰)

نرمی کا معاملہ کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

اللہ تعالیٰ نرمی کا معاملہ کرنے والے ہیں' اور نرمی کے معاملے کو پسند فرماتے ہیں' اور نرم خوئی پر وہ اجر عطا فرماتے ہیں جو تندی اور سختی پر نہیں دیتے (بلکہ) کسی اور چیز پر نہیں دیتے۔ (صحیح مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

جو شخص کسی بیوہ یا کسی مسکین کے لئے کوشش کرے وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے' اور (راوی کہتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ

اس شخص کی طرح ہے جو مسلسل بغیر کسی وقفے کے نماز میں کھڑا ہو اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو کبھی روزہ نہ چھوڑتا ہو۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جھگڑا چھوڑ دینا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

میں اس شخص کو جنت کے کناروں پر گھر دلوانے کی ضمانت دیتا ہوں جو جھگڑا چھوڑ دے خواہ وہ حق پر ہو۔ (سنن ابوداؤد)

افلاس سے تحفظ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

جو شخص دنیا میں میانہ روی کا طریقہ اختیار کرتا ہے وہ کبھی مُفلس نہیں ہوتا۔ (مسند احمد بن حنبلؒ)

دولت مندی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

جو آدمی میانہ روی اختیار کرتا ہے خدا اس کو غنی کر دیتا ہے اور جو فضول خرچی کرتا ہے خدا اس کو مفلس بنا دیتا ہے اور جو فروتنی کرتا ہے۔ خدا اس کے درجہ کو بلند کرتا ہے اور جو غرور کرتا ہے خدا اس کو پست کر دیتا ہے۔ (رواہ البزارؒ)

اچھی تجارت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

خرچوں میں میانہ روی اختیار کرنا بعض قسم کی تجارتوں سے اچھا ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی)

معاشی استحکام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

مال و دولت کے بیجا اڑانے سے کنارہ کرو اور میانہ روی اختیار کرو۔ کیونکہ جس قوم نے میانہ روی اختیار کی وہ کبھی مفلس نہیں ہوئی۔ (رواہ الدیلمی)

نجات کا راستہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

مسلمانو! سچائی اختیار کرو۔ اگر چہ اس کے اختیار کرنے میں ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ کیونکہ درحقیقت نجات اسی میں ہے اور جھوٹ سے ہمیشہ پرہیز کرو۔ اگر چہ اس میں نجات ہو۔ کیونکہ درحقیقت اسی میں ہلاکت ہے۔ (رواہ ہناد)

وعدہ قرض ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

وعدہ ایک طرح کا قرض ہے۔ کمبختی ہے اس کی جو وعدہ کرے پھر اس وعدہ کے خلاف کرے۔ (رواہ ابن عساکر)

زیادتی برداشت کر جانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

مسلمانو! اگر کوئی گالی کھا کر۔ یا مار کھا کر چپ ہو جائے اور صبر کرے خدا اس کی عزت بڑھاتا ہے۔ پس اے مسلمانو! معاف کرو معاف کرو۔ خدا تمہاری خطا معاف کریگا۔ (رواہ ابن النجار)

قناعت بے انتہاء دولت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

قناعت ایک ایسی دولت ہے جو کبھی تمام نہیں ہوتی۔ (رواہ القضاعی)

بہتر روزی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

تھوڑی سی روزی جو کافی ہو اس روزی سے بہتر ہے جو بہت ہو اور خدا کی یاد سے غافل کردے۔ (رواہ ابو یعلی فی مسندہ)

اچھا مسلمان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

سب سے اچھا مسلمان وہ ہے جو قناعت والا ہو اور سب سے بُرا مسلمان وہ ہے جو لالچی ہو۔

لوگوں سے بے نیاز رہو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

مسلمانو! جہاں تک ہو سکے لوگوں سے بے نیاز رہا کرو۔ (رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر)

اپنے آپ کو ذلیل نہ کرو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

کسی مسلمان کو لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ نفس کے ذلیل کرنے سے کیا مراد ہے آپ نے فرمایا کہ اس سے اپنے آپ کو ایسی محنت میں ڈالنا مراد ہے جسکے تحمل کرنے کی طاقت نہ ہو۔ (رواہ ابن ماجہ)

معاملات میں نرمی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

مسلمان معاملہ میں اس قدر نرم ہوتا ہے کہ تم اس کو بیوقوف خیال کرو گے۔ (البیہقی)

حلال وحرام کی پابندی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

مسلمانو! خدا کی کتاب کی پیروی کرو اور جو چیز اسمیں حلال ہے حلال جانو اور جو چیز اس میں حرام ہے اسکو حرام جانو۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

مسلمان کے مسلمان پر حقوق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ اگر وہ بیمار ہو تو اس کی مزاج پرسی کرے۔ اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازہ پر جائے اگر وہ دعوت کرے تو اس کی دعوت کو قبول کرے۔ اگر وہ ملے تو اس کو سلام کرے اگر اس کو چھینک آئے تو الحمدللہ کہے اور ہمیشہ اس کا خیرخواہ رہے۔ چاہے وہ موجود ہو۔ چاہے غائب ہو۔ (سنن الترمذی)

زمین غصب کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

جو آدمی کسی کی زمین میں سے ایک بالشت ٹکڑا بھی ظلم سے غصب کرلے گا وہ خدا کے سامنے اس حالت میں جائے گا کہ خدا اس پر غضب ناک ہوگا۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

صدق مقالی وانصاف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

میری امت اسی وقت تک سرسبز رہے گی جب تک کہ یہ تین خصلتیں اس میں باقی رہیں گی۔ ایک تو یہ کہ جب وہ بات کریں تو سچ بولیں۔ دوسرے یہ کہ جب وہ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کریں تو انصاف کو ہاتھ سے نہ دیں۔ تیسرے یہ کہ جب ان سے رحم کی درخواست کی جائے تو وہ کمزوروں پر رحم کریں۔ (الخطیب فی المتفق والمفترق)

کسی کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

مسلمانوں میں سے کسی کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھو۔ کیونکہ جو اس قوم میں چھوٹا بھی ہے وہ خدا کے نزدیک بڑا ہے۔ (رواہ الدیلمی فی المسند)

دوسرا فریضہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''حلال رزق کی تلاش فرائض کی ادائیگی کے بعد دوسرا فریضہ ہے۔'' (طبرانی وبیہقی)

حلال رزق کی تلاش

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''حلال رزق کی تلاش ہر مسلمان پر واجب ہے۔'' (طبرانی)

رزق کی تلاش میں اعتدال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

3

''اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور طلب (رزق) میں اعتدال سے کام لو، کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ اپنا (مقدر شدہ) رزق پورا پورا وصول نہ کر لے اور اگر کبھی رزق کے حصول میں دیر ہو جائے تو بھی اللہ سے ڈرو، کوشش میں اعتدال سے کام لو، جو رزق حلال ہوا سے لے لو اور جو حرام ہوا سے چھوڑ دو۔'' (ابن ماجہ)

حرام رزق کی نحوست

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''بعض مرتبہ ایک آدمی طویل سفر کر کے آتا ہے، بال پریشان چہرہ غبار آلود، آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے پروردگار! پکار رہا ہے، حالانکہ اس کا کھانا بھی حرام، اس کا پینا بھی حرام، اس کا لباس بھی حرام اور اس کی پرورش بھی حرام غذا سے ہوئی، اس کی دعا بھلا کیسے قبول ہو؟''۔ (مسلم و ترمذی)

حرام کے کپڑے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''جس شخص نے دس درہم میں کوئی کپڑا خریدا اور ان دس درہم میں سے کوئی ایک درہم بھی حرام کا تھا، جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرے گا۔'' (احمد)

قبولیتِ دعا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''اے سعد! اپنے کھانے میں حلال کا اہتمام کرو، تمہاری دعائیں قبول ہونے لگیں گی، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، ایک بندہ اپنے پیٹ میں کوئی حرام لقمہ ڈالتا ہے، تو اللہ تعالیٰ چالیس روز تک اس کا نیک عمل قبول نہیں کرتا اور جس بندے کا گوشت حرام اُگا ہو، آگ اس کی زیادہ مستحق ہوتی ہے۔'' (طبرانی)

اللہ کی رضا کا حصول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

حلال روزی کا تلاش کرنا خدا کے راستے میں بہادروں کے ساتھ جنگ کرنے کے

مانند ہے اور جو شخص حلال روزی کے لئے محنت کرتا اور رات کو تھک کر سو جاتا ہے خدا اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ (رواہ البیہقی فی الشعب)

نرم خو تاجر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''اللہ اس شخص پر رحم کرے جو نرم خو ہو، بیچتے وقت بھی، خریدتے وقت بھی اور اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے وقت بھی۔'' (بخاری، مشکوٰۃ)

قسمیں کھانے سے بچو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''بیع کے وقت زیادہ قسمیں کھانے سے بچو، اس لیے کہ اس سے (شروع میں) تجارت کچھ چمکتی ہے، لیکن پھرتباہی آتی ہے۔'' (مسلم، مشکوٰۃ)

ملاوٹ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''جو شخص ہمارے ساتھ ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں اور دھوکہ فریب کرنے والے جہنم میں ہوں گے۔ (طبرانی وغیرہ)

بیچی ہوئی چیز واپس کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''جو شخص کسی مسلمان (کے کہنے پر اس) کے ہاتھ بیچی ہوئی کوئی چیز واپس کر لے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزشوں کو معاف فرما دے گا۔'' (ابوداؤد، ابن ماجہ)

رزق کہاں ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

رزق کے دس حصوں میں سے نو حصے تجارت میں ہیں اور ایک حصہ مویشیوں کے کام میں ہے۔ (رواہ سعید بن منصور فی السنن)

سود کے پھیلاؤ کا زمانہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا !

''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آجائے گا کہ کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے گا جس نے سود نہ کھایا ہو اور اگر سود نہ کھایا ہوگا تو اس کا غبار اسے ضرور پہنچا ہوگا۔'' (احمد، ابوداؤد وغیرہ، مشکوٰۃ)

سود کا ایک درہم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا !

''اگر کوئی شخص جان بوجھ کر سود کا ایک درہم کھالے تو یہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سنگین گناہ ہے۔'' (احمد، دارقطنی، مشکوٰۃ)

سود خور کو عذاب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا !

''میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ دو آدمی میرے پاس آئے، اور مجھ کو ایک مقدس سرزمین کی طرف لے چلے، یہاں تک کہ ہم ایک خون کی نہر پر پہنچے، اس کے درمیان میں ایک شخص کھڑا تھا، اور دیکھا کہ نہر کے کنارے کی طرف آتا ہے، اور جب نکلنا چاہتا ہے تو کنارے والا شخص اس کے منہ پر ایک پتھر اس زور سے مارتا ہے کہ وہ پھر اسی جگہ جا پہنچتا ہے، پھر جب کبھی نکلنا چاہتا ہے، اسی طرح اس کے منہ پر پتھر مار مار کر اس کو اپنی پہلی جگہ لوٹا دیتا ہے، میں نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جس کو میں نے نہر میں دیکھا؟ تو میرے ساتھی نے کہا یہ سود کھانے والا ہے۔'' (بخاری)

ہنرمند مومن

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا !

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہنرمند مؤمن کو پسند کرتا ہے۔'' (طبرانی، بیہقی)

آزادی کی زندگی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا !

''گناہ کم کرو، موت آسان ہو جائے گی اور قرض کم لو، آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکو گے۔'' (بیہقی)

قرض کی ادائیگی کی نیت

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا!

''جو شخص لوگوں کا مال اس نیت سے کہ اسے ادا کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادائیگی کا انتظام فرما دیتا ہے اور جو شخص لوگوں کا مال ضائع کرنے کے واسطے لے تو اللہ تعالیٰ خود اس شخص کو ضائع کر دے گا۔'' (بخاری و ابن ماجہ وغیرہ)

جنت میں داخلہ کی رکاوٹ

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا!

''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر کوئی شخص اللہ کے راستے میں (جہاد کرتے ہوئے) قتل ہو جائے، پھر زندہ ہو، پھر قتل ہو جائے، پھر زندہ ہو پھر قتل ہو جائے اور اس کے ذمہ کسی کا قرض باقی ہو تو جب تک اس کے قرض کی ادائیگی نہ ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' (نسائی)

ایک آدمی کی مغفرت کا سبب

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا!

''ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا، اور اس نے اپنے نوکر سے کہہ رکھا تھا کہ اگر تم کسی ایسے شخص کے پاس (قرض وصول کرنے کے لیے) پہنچو جو تنگدست ہو تو اس سے درگزر کر دیا کرو، شاید اللہ تعالیٰ (اس عمل کے صلہ میں) ہمارے گناہوں سے درگزر کرے، چنانچہ وہ شخص مرنے کے بعد اللہ سے ملا تو اللہ نے اس کی مغفرت کر دی۔'' (بخاری و مسلم)

(از ایک ہزار احادیث)

حقوق وفرائض

مسلمان کے حقوق کی نشاندہی اوران کی ادائیگی کی ترغیب

اسلام میں انسانی حقوق کی فطری رعایت

رزق حلال کی فضیلت اوررزق حرام سے اجتناب کی ترغیب

حقوق و فرائض

حضرت شیخ الہند کا تنخواہ میں کمی کا مطالبہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ماضی قریب کی ان شخصیتوں میں سے تھے جنکی مثالیں ہر دور میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں، ان کا اردو ترجمہ قرآن و تفسیر مشہور و معروف ہے، اس کے علاوہ آزادی ہند کے سلسلے میں ان کی تحریک ریشمی رومال، اور تحریک خلافت میں ان کی سرگرم خدمات ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں، وہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم تھے، اور پھر تعلیم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں عمر بھر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، یہاں تک کہ ''شیخ الحدیث'' کے منصب پر فائز ہوئے، اور ماضی قریب کے بیشمار مشاہیر نے ان کی شاگردی کا اعزاز حاصل کیا۔

جب وہ دارالعلوم دیوبند میں ''شیخ الحدیث'' کے طور پر تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے تو دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے محسوس کیا کہ ان کی تنخواہ ان کے منصب، ان کے علم و فضل اور انکی خدمات کے لحاظ سے بہت کم، بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے، ان کا کوئی اور ذریعہ آمدنی بھی نہیں ہے، اور ضروریات بڑھتی جارہی ہیں، چنانچہ مجلس شوریٰ نے باتفاق رائے فیصلہ کیا کہ مولاناؒ کی تنخواہ میں اضافہ کیا جائے، اور اس مضمون کا ایک حکم نامہ مجلس شوریٰ کی طرف سے جاری کردیا گیا۔

جو صاحب مولانا کے پاس مجلس شوریٰ کے فیصلے کی خبر لیکر گئے، انہیں یقیناً یہ امید ہوگی کہ مولانا یہ خبر سن کر خوش ہونگے، لیکن معاملہ برعکس ہوا، مولانا یہ خبر سنکر پریشان ہوگئے اور فوراً مجلس شوریٰ کے ارکان کے نام ایک درخواست لکھی جس کا مضمون یہ تھا کہ:

''میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ دارالعلوم کی طرف سے میری تنخواہ میں اضافہ کیا

جارہا ہے، یہ اطلاع میرے لئے سخت تشویش کا موجب ہے، اس لئے کہ میری عمر کی زیادتی اور دوسری مصروفیات کی وجہ سے اب دارالعلوم میں میرے ذمے پڑھانے کے گھنٹے کم رکھے گئے ہیں جبکہ اس سے پہلے میرے ذمے زیادہ گھنٹے ہوا کرتے تھے۔ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ مجلس شوریٰ میری تنخواہ کم کرنے پر غور کرتی، چہ جائیکہ میری تنخواہ میں اضافے پر سوچا جائے۔ لہٰذا میری درخواست ہے کہ میری تنخواہ بڑھانے کا فیصلہ واپس لیا جائے اور اوقات کے لحاظ سے تنخواہ کم کرنے پر غور کیا جائے''۔

آج ہم جس ماحول میں جی رہے ہیں، اس میں اگر کوئی ملازم اس مضمون کی درخواست اپنی انتظامیہ کے نام تحریر کرے تو اغلب گمان یہی ہوگا کہ اس درخواست کے ذریعہ ملازم نے اپنی انتظامیہ پر بھرپور طنز کیا ہے وہ اپنی تنخواہ میں اضافے کی مقدار سے نہ صرف یہ کہ مطمئن نہیں ہے، بلکہ اسے انتظامیہ پر یہ سنگین اعتراض ہے کہ اس نے یہ معمولی اضافہ کرکے اسکی توہین کی ہے، لہٰذا اس نے جلے کٹے لہجے میں یہ طنز آمیز خط تحریر کیا ہے۔

لیکن حضرت شیخ الہندؒ نے جو درخواست لکھی تھی اس میں دُور دُور طنز کا کوئی شائبہ نہیں تھا، اور واقعۃً یہ سمجھتے تھے کہ تنخواہ میں جو اضافہ ہوگا، شاید وہ ان کے کام کے لحاظ سے دیانۃً درست نہ ہو۔ اس لئے کہ اس ماحول میں ایسے حضرات کی اچھی خاصی تعداد تھی جو اپنے تدریسی اوقات کے ایک ایک منٹ کا حساب رکھتے تھے کہ یہ ان کا بِکا ہوا وقت ہے، جو کسی اور کام میں استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت حکیم الامت کے مدرسہ کا حال

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر) میں جو مدرسہ قائم کیا تھا، اس میں ہر استاد کا معمول تھا کہ اگر اسے مدرسے کے اوقات میں اپنا کوئی ضروری ذاتی کام پیش آجاتا، یا ملازمت کے اوقات میں ان کے پاس کوئی ذاتی مہمان ملنے کے لئے آجاتا تو وہ گھڑی دیکھ کر اپنے پاس نوٹ کرلیا کرتے تھے، کہ اتنا وقت اپنے ذاتی کام میں صرف ہوا، اور مہینے کے ختم پر ان اوقات کا مجموعہ بنا کر انتظامیہ کو از خود درخواست پیش کرتے تھے کہ اس ماہ ہماری تنخواہ سے اتنے روپے کاٹ لئے جائیں، کیونکہ اتنا وقت ہم نے دوسرے کام میں خرچ کیا ہے۔

یہ ہے اس فرض شناس معاشرے کی ایک ہلکی سی تصویر جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔
آج ہمارے معاشرے میں ہر طرف "حقوق" حاصل کرنے کی صدائیں گونج رہی ہیں، اسی مقصد کے تحت بیشمار ادارے، انجمنیں اور جماعتیں قائم ہیں، اور ہر شخص اپنے حقوق کے نام پر زیادہ سے زیادہ مفادات حاصل کرنے کی فکر میں منہمک ہے، لیکن اس پہلو کی طرف توجہ بہت کم لوگوں کو ہوتی ہے کہ حقوق (Rights) ہمیشہ فرائض (Obligations) سے وابستہ ہوتے ہیں، بلکہ درحقیقت انہی سے پیدا ہوتے ہیں، اور جو شخص اپنے فرائض کماحقہٗ ادا نہ کرے، اسکے لئے اپنے متعلقہ حقوق کے مطالبے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اسلام اور اس کا مزاج

اسلامی تعلیمات کا مزاج یہ ہے کہ وہ نہ صرف ہر فرد کو اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف متوجہ کرتی ہیں بلکہ دل میں اصل فکر ہی یہ پیدا کرتی ہیں کہ کہیں مجھ سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی؟ اس لئے کہ ہوسکتا ہے میں اپنی ترکیبوں سے اس کوتاہی کو دنیا میں چھپالوں، اور اسکے دنیوی نتائج سے محفوظ ہو جاؤں، لیکن ظاہر ہے کہ کوئی کوتاہی، خواہ وہ کتنی معمولی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتا۔ جب یہ فکر کسی شخص میں پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا اصل مسئلہ حقوق کے حصول کے بجائے فرائض کی ادائیگی بن جاتا ہے، پھر وہ اپنے جائز حقوق بھی پھونک پھونک کر وصول کرتا ہے کہ کہیں وصول شدہ حق کا وزن ادا کردہ فریضے سے زیادہ نہ ہو جائے، یہی فکر تھی جس نے شیخ الہندؒ کو وہ درخواست دینے پر مجبور کیا۔

اپنی ذمہ داریوں کی فکر

اگر یہ فکر معاشرے میں عام ہو جائے تو سب کے حقوق خود بخود ادا ہونے شروع ہو جائیں۔ اور حق تلفیوں کی شرح گھٹتی چلی جائے، اس لئے کہ ایک شخص کا فریضہ دوسرے کا حق ہے، اور جب پہلا شخص اپنا فریضہ ادا کریگا تو دوسرے کا حق خود بخود ادا ہو جائیگا، شوہر اپنے فرائض ادا کرے تو بیوی کے حقوق ادا ہونگے، بیوی اپنے فرائض ادا کرے تو شوہر کے حقوق ادا ہونگے، افسر اپنے فرائض بجالائے تو ماتحت کو اسکے حقوق ملیں گے، اور ماتحت اپنے فرائض

بجالائے تو افسر کو اس کے حقوق ملیں گے۔ غرض دو طرفہ تعلقات کی خوشگواری کا اصل راز یہی ہے کہ ہر فریق اپنی ذمہ داری محسوس کر کے اس سے ٹھیک ٹھیک عہدہ برآ ہو، تو دونوں میں سے کسی کو حق تلفی کی کوئی جائز شکایت پیدا نہیں ہوسکتی۔

لیکن یہ فکر معاشرے میں اس وقت تک عام نہیں ہوسکتی جب تک اس میں فکر آخرت کی آبیاری نہ کی جائے، آج ہم عقیدۂ آخرت پر ایمان رکھنے کا زبان سے خواہ کتنا اعلان کرتے ہوں، لیکن ہماری عملی زندگی میں اس عقیدے کا کوئی پرتو عموماً نظر نہیں آتا۔ ہماری ساری دوڑ دھوپ کا محور یہ ہے کہ روپے پیسے اور مال و اسباب کی گنتی میں اضافہ کس طرح ہو؟ یہی بات زندگی کا اصل مقصد بن چکی ہے، اور یہی ہماری ساری معاشی سرگرمیوں کا آخری مطمح نظر ہے۔

ہماری حالت

چنانچہ اگر ہم کہیں ملازمت کر رہے ہیں تو ہماری سوچ کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ اپنی تنخواہ اور اپنے گریڈ میں اضافہ کس طرح کیا جائے؟ اور ملازم کو حاصل ہونے والی دوسری سہولتیں زیادہ سے زیادہ کس طرح حاصل کی جاسکتی ہیں؟ اس کے لئے کہ ہم انفرادی درخواستوں سے لیکر اجتماعی سوداکاری تک، اور چاپلوسی سے لیکر دھونس دھاندلی تک، ہر حربہ استعمال کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن ہم میں یہ فکر رکھنے والے بہت کم ہیں (گو بحمد للہ نایاب نہیں) کہ جو کچھ مل رہا ہے وہ ہماری کارکردگی کے لحاظ سے حلال بھی ہے کہ نہیں؟ جب اپنے لئے کچھ وصول کرنے کا وقت آئے تو ہمیں یہ حدیث نبوی خوب یاد ہوتی ہے کہ "مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو" لیکن یہ دیکھنے کی ضرورت ہم میں سے بہت کم لوگ محسوس کرتے ہیں، کہ پسینہ واقعی نکلا بھی ہے کہ نہیں؟

حقوق کے معاملہ میں حساس اور فرائض میں بے فکری

اس صورت حال کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے حقوق کے معاملے میں بہت حساس ہیں، لیکن فرائض کے معاملے میں حساس نہیں، اور جب کسی بھی فریق کو اپنے فرائض کی فکر نہ ہو تو اسکا لازمی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ سب کے حقوق پامال ہوتے ہیں، معاشرے میں جھگڑوں،

تنازعات اور مطالبوں کی چیخ پکار کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا، لوگوں کی زبانیں کھل جاتی ہیں، اور کان بند ہو جاتے ہیں، اور جب ضمیر کو موت کی نیند سلانے کے بعد کوئی کسی کی نہیں سنتا تو لوگ آخری چارۂ کار اسی کو سمجھتے ہیں کہ جس کے جو چیز ہاتھ لگ جائے، لے بھاگے، چنانچہ نوبت چھینا جھپٹی اور لوٹ کھسوٹ تک پہنچ کر رہتی ہے۔

اپنے گردوپیش میں نظر دوڑا کر دیکھیں تو یہی منظر دکھائی دیتا ہے اس سے پریشان ہر شخص ہے، لیکن افراتفری کے اس عالم میں یہ سوچنے سمجھنے کی فرصت بہت کم لوگوں کو ہے کہ یہ صورت حال اس وقت تک تبدیل نہیں ہوگی جب تک ہم میں سے ہر شخص فرائض کے احساس کو مقدم نہ رکھے، یا کم از کم فرائض کو اتنی اہمیت تو دے جتنی اپنے حقوق کو دیتا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ

اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی ہمارے لئے بہترین رہنمائی فراہم کرتا ہے، بشرطیکہ ہم اس پر عمل کے لئے تیار ہوں، ارشاد ہے:

''اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، اور اپنے بھائی کے لئے بھی اس بات کو بُرا سمجھو جسے اپنے لئے بُرا سمجھتے ہو''

اس حدیث مبارک نے ہمیں یہ سنہرا اصول بتایا ہے کہ جب بھی کسی دوسرے شخص سے کوئی معاملہ کرنے کی نوبت آئے تو پہلے اپنے آپ کو اس دوسرے شخص کی جگہ کھڑا کر کے دیکھو کہ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو کس قسم کے معاملے کی توقع کرتا؟ کونسی بات میرے لئے ناگواری کا موجب ہوتی؟ اور کس بات سے مجھے اطمینان ہوتا؟ بس اب دوسرے شخص کے ساتھ وہی برتاؤ کرو جو اس وقت تمہارے لئے موجب اطمینان ہو سکتا تھا اور ہر اس بات سے پرہیز کرو جو تمہیں ناگوار ہو سکتی تھی۔

اگر ایک افسر اپنے ماتحت کے ساتھ اپنا رویہ متعین کرتے وقت یہ معیار اپنا لے کہ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو کس قسم کے رویے کو انصاف کے مطابق سمجھتا؟ تو اس کے ماتحت کو کبھی اس سے کوئی جائز شکایت پیدا نہیں ہو سکتی، اس طرح اگر ماتحت اپنے کام کی نوعیت اور مقدار متعین کرتے وقت اس بات کو فیصلہ کن قرار دے کہ اگر میں اپنے افسر کی جگہ ہوتا تو میں انصاف کے

ساتھ کتنے اور کیسے کام کی توقع کرتا؟ تو افسر کو اپنے ماتحت سے کوئی جائز شکایت نہیں ہوسکتی۔

یہ اصول صرف ماتحت اور افسر ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ دنیا کے ہر تعلق میں اتنا ہی مفید اور کارآمد ہے باپ بیٹے، بہن بھائی، میاں بیوی، ساس بہو، دوست احباب، عزیز رشتہ دار، تاجر اور خریدار، حکومت اور عوام، غرض ہر قسم کے باہمی رشتوں میں خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ ہم نے زندگی گذارنے کے لئے دُہرے معیار اپنائے ہوئے ہیں۔ اپنے لئے ہم کسی اور معیار کی توقع رکھتے ہیں، اور اسی کی بنیاد پر دوسروں سے مطالبے کرتے ہیں، اور دوسروں کے لئے ہم نے کوئی اور معیار بنا رکھا ہے، اور ان کے ساتھ معاملہ اسی معیار کے مطابق کرتے ہیں، اگر ہمارے لینے اور دینے کے پیمانے الگ الگ نہ ہوں، بلکہ دونوں صورتوں میں ہماری سوچ ایک جیسی ہو تو حق تلفیوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اصلاح کی صورت

لہٰذا ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ دلوں میں فرائض کا احساس کس طرح پیدا کیا جائے؟ یہ درست ہے کہ کوئی ایک شخص تن تنہا معاشرے کے مزاج کو ایک دم نہیں بدل سکتا، لیکن وہ خود اپنے مزاج کو ضرور تبدیل کرسکتا ہے، اور اپنے حلقۂ اثر میں اس مزاج کو فروغ دینے کی ممکنہ تدابیر بھی اختیار کرسکتا ہے، کم از کم اپنی اولاد اور اپنے گھر والوں میں فرض شناسی کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش بھی کرسکتا ہے۔

اور اگر وہ ایسا کرے تو کم از کم ایک گھرانے کو بھٹکنے سے بچا کر سیدھے راستے پر لانے کا کارنامہ اس کے نامہ اعمال کو جگمگانے کے لئے کافی ہوسکتا ہے، پھر تجربہ یہ ہے کہ نیک نیتی سے انجام دیا ہوا یہ کارنامہ دوسروں پر بھی اپنے اثرات لازماً چھوڑتا ہے، اور اگر یہ سلسلہ جاری رہے تو اسی طرح رفتہ رفتہ فرد سے گھرانہ، گھرانے سے خاندان، خاندان سے برادری اور برادری سے پوری قوم تعمیر و ترقی کی راہ پر لگ جاتی ہے، قومیں ہمیشہ اسی طرح بنی ہیں، اور آج بھی ان کے بننے کا یہی طریقہ ہے:

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ کچھ ملتے گئے، اور کارواں بنتا گیا

(از ذکر و فکر)

مسلمان پر مسلمان کے حقوق

مسلمان کی عزت اور اسکے حقوق

صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے:

عن ابی ہریرةؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: " المسلم أخو المسلم لا یظلمه ولا یخذله ولا یحقّره، التقویٰ ھٰھنا، ویشیر الی صدره ثلاث مرار. بحسب امرءٍ من الشران یحقر آخاه المسلم، کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه".

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس پر واجب ہے کہ وہ اس پر کوئی ظلم وزیادتی نہ کرے، اور اسے (جب مدد کی ضرورت ہوتو) بے یارومددگار نہ چھوڑے، نہ اسے حقیر جانے اور نہ اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے، پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہوتا ہے، (یعنی ہوسکتا ہے کہ تم کسی شخص کو اسکے ظاہری حال سے معمولی آدمی سمجھو، لیکن اپنے دل کے تقویٰ کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک محترم ہو، اس لئے کبھی مسلمان کو حقیر نہ سمجھو) آدمی کے بُرا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اسکے ساتھ حقارت سے پیش آئے، مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کیلئے قابل احترام ہے، اس کا خون بھی، اس کا مال بھی، اور اسکی آبرو بھی۔

اس حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ نے ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیکر اس کے کچھ معاشرتی حقوق بیان فرمائے ہیں، پہلا حق ان میں سے سب سے پہلا حق یہ ہے کہ اس پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے، اس میں ہر قسم کا ظلم داخل ہے خواہ جسمانی ہو یا مالی، زبانی ہو یا نفسیاتی، یعنی جس طرح کسی مسلمان کو ناحق جسمانی اذیت پہنچانا یا مالی نقصان میں

مبتلا کرنا حرام ہے، اسی طرح اسے زبان سے برا کہنا یا بھرے مجمع میں کسی اور طرح شرمندہ و رسوا کرنا بھی ناجائز ہے اور یہ کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔

دوسرا حق سرکار دو عالم ﷺ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب کسی مسلمان کو مدد کی ضرورت ہو تو دوسرے مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق اسکی مدد کرے، اور اسے بے یار و مددگار نہ چھوڑے بشرطیکہ وہ حق پر ہو اور مظلوم ہو، گویا جس طرح اپنے دوسرے بھائی پر ظلم کرنا حرام ہے، اسی طرح یہ بات بھی کسی مسلمان کے شایان شان نہیں کہ وہ ظلم ہوتا ہوا دیکھے، اور مدد کی قدرت کے باوجود مظلوم کی مدد نہ کرے، چنانچہ ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

" ما من مسلم يخذل امرأ مسلما في موضع ينتهک فيه حرمته وينتقص فيه من عرضه الا خذله الله في موضع يحب فيه نصرته"
(جمع الفوائد ۲: ۵۵، بحوالہ ابوداؤد)

جو کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کسی ایسی جگہ بے یار و مددگار چھوڑ دے جہاں اسکی بے حرمتی ہو رہی ہو، اور اسکی آبرو پر حملہ کیا جا رہا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو ایسی جگہ بے یار و مددگار چھوڑ دے گا جہاں وہ اپنے لئے مدد چاہتا ہو۔

تیسرا حق آنحضرت ﷺ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے کو نہ حقیر سمجھے اور نہ اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے، کسی شخص کو غربت، ناداری یا کمزوری کی وجہ سے حقیر سمجھنا تو انتہائی گھٹیا حرکت ہے ہی، لیکن یہاں آنحضرت ﷺ نے جس چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ یہ کہ اگر کسی شخص کو دینی اعتبار سے معمولی حالت میں دیکھ رہے ہو اس شخص کو حقیر سمجھنا اس وقت بھی جائز نہیں، اور اسکی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی کہ "تقویٰ" دل میں ہوتا ہے، لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی ظاہری حالت کی وجہ سے معمولی نظر آتا ہو، لیکن اس کا دل تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو، بلکہ دوسری احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی گناہگار شخص کو بھی حقیر سمجھنا جائز نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق عطا فرمائے، اور وہ اپنے گناہوں سے نجات پا کر تم سے کہیں آگے نکل جائے، گناہ

کے کاموں کو برا اور حقیر سمجھنا برحق ہے، لیکن انکی وجہ سے کسی مسلمان کو حقیر سمجھنا خود بہت بڑا گناہ ہے، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر انسان میں کچھ اور برائی نہ ہو تو یہی برائی کچھ کم نہیں کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو حقیر سمجھے۔

ایک اصولی ہدایت

آخر میں آپ ﷺ نے ایک اصولی ہدایت یہ عطا فرما دی کہ مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کیلئے قابل احترام ہے، اسکی جان بھی، اس کا مال بھی، اور اسکی آبرو بھی، اور ایک دوسری حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک مسلمان کی حرمت کعبہ معظّمہ کی حرمت سے بھی بڑھ کر ہے، لہٰذا جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی جان، مال یا آبرو پر حملہ کرتا ہے تو اسکا گناہ اس شخص سے بھی زیادہ ہے جو (معاذ اللہ) کعبہ معظّمہ کو ڈھانے کیلئے کعبے پر چڑھائی کر رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھائیوں کی طرح رہنے اور ایک دوسرے کے حقوق پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (از نشری تقریریں)

انسانی حقوق اور اسلام

آپ کے اوصاف اور کمالات

سیرت طیبہ ایک ایسا موضوع ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے صرف ایک پہلو کو بھی بیان کرنا چاہے تو پوری رات بھی اس کے لئے کافی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود با جود میں اللہ جل جلالہ نے تمام بشری کمالات، جتنے متصور ہو سکتے تھے وہ سارے کے سارے جمع فرمائے۔ یہ جو کسی نے کہا تھا کہ

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ کوئی مبالغے کی بات نہیں تھی۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس انسانیت کے لئے اللہ جل جلالہ کی تخلیق کا ایک ایسا شاہکار بن کر تشریف لائے تھے کہ جس پر کسی بھی حیثیت سے کسی بھی نقطہ نظر سے غور کیجئے تو وہ کمال ہی کمال کا پیکر ہے۔ اس لئے آپ کی سیرت طیبہ کے کس پہلو کو آدمی بیان کرے کس کو چھوڑے انسان کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

اور غالب مرحوم نے کہا تھا

غالب ثنائے خواجہ بہ یزاں گذاشتیم کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

آج کی دنیا کا پروپیگنڈا

انسان کے تو بس ہی میں نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کا حق ادا کر سکے۔ ہمارے یہ ناپاک منہ، یہ گندی زبانیں اس لائق نہیں تھیں کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے کی بھی اجازت دی جا سکتی لیکن یہ اللہ جل جلالہ کا کرم ہے کہ اس نے نہ صرف اجازت دی بلکہ اس سے رہنمائی اور استفادے کا بھی موقع عطا فرمایا۔ اس لئے موضوعات تو سیرت کے بے شمار ہیں لیکن میرے مخدوم اور محترم حضرت مولانا زاہد

الراشدی صاحب' اللہ تعالیٰ ان کے فیوض کو جاری وساری فرمائے انہوں نے حکم دیا کہ سیرت طیبہ کے اس پہلو پر گفتگو کی جائے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم انسانی حقوق کے لئے کیا رہنمائی اور ہدایت لے کر تشریف لائے اور جیسا کہ انہوں نے ابھی فرمایا کہ اس موضوع کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں اس پروپیگنڈہ کا بازار گرم ہے کہ اسلام کو عملی طور پر نافذ کرنے سے ہیومن رائٹس (HumanRights) مجروح ہوں گے انسانی حقوق مجروح ہوں گے اور یہ پبلسٹی کی جارہی ہے کہ گویا ہیومن رائٹس کا تصور پہلی بار مغرب کے ایوانوں سے بلند ہوا اور سب سے پہلے انسان کو حقوق دینے والے یہ اہل مغرب ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات میں انسانی حقوق کا معاذ اللہ کوئی تصور موجود نہیں یہ موضوع جب انہوں نے گفتگو کے لئے عطا فرمایا تو ان کے تعمیل حکم میں اسی موضوع پر آج اپنی گفتگو کو محصور کرنے کی کوشش کروں گا لیکن موضوع ذرا تھوڑا سا علمی نوعیت کا ہے اور ایسا موضوع ہے کہ اس میں ذرا زیادہ توجہ اور زیادہ حاضر دماغی کی ضرورت ہے اس لئے آپ حضرات سے درخواست ہے کہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اور اس کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے براہ کرم توجہ کے ساتھ سماعت فرمائیں شاید اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے دل میں اس سلسلے میں کوئی صحیح بات ڈال دے۔

انسانی حقوق کا تصور

سوال یہ پیدا ہوتا ہے جس کا جواب دینا منظور ہے کہ آیا اسلام میں انسانی حقوق کا کوئی جامع تصور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں ہے یا نہیں؟ یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ اس دور کا عجیب وغریب رجحان ہے کہ انسانی حقوق کا ایک تصور پہلے اپنی عقل' اپنی فکر' اپنی سوچ کی روشنی میں خود متعین کر لیا کہ یہ انسانی حقوق ہیں یہ ہیومن رائٹس ہیں اور ان کا تحفظ ضروری ہے اور اپنی طرف سے خود ساختہ جو سانچہ انسانی حقوق کا ذہن میں بنایا اس کو ایک معیار حق قرار دے کر ہر چیز کو اس معیار پر پرکھنے اور جانچنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ پہلے سے خود متعین کر لیا کہ فلاں چیز انسانی حق ہے اور فلاں چیز

4 انسانی حق نہیں ہے اور یہ متعین کرنے کے بعد اب دیکھا جاتا ہے کہ آیا اسلام یہ حق دیتا ہے یا نہیں؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حق دیا یا نہیں دیا؟ اگر دیا تو گویا ہم کسی درجہ میں اس کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔ اگر نہیں دیا تو ہم ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں لیکن ان مفکرین اور دانشوروں سے اور ان فکر وعمل کے سورماؤں سے میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ یہ آپ نے جو اپنے ذہن سے انسانی حقوق کے تصورات مرتب کئے یہ آخر کس بنیاد پر کئے؟ یہ کس اساس پر کئے؟ یہ جو آپ نے یہ تصور کیا کہ انسانی حقوق کا ایک پہلو یہ ہے ہر انسان کو یہ حق ضرور ملنا چاہئے یہ آخر کس بنیاد پر آپ نے کہا کہ ملنا چاہئے؟

انسانی حقوق بدلتے آئے ہیں

انسانیت کی تاریخ پر نظر دوڑا کر دیکھئے تو ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک انسان کے ذہن میں انسانی حقوق کے تصورات بدلتے چلے آئے ہیں کسی دور میں انسان کے لئے ایک حق لازمی سمجھا جاتا تھا دوسرے دور میں اس حق کو بے کار قرار دے دیا گیا ایک خطے میں ایک حق قرار دیا گیا دوسری جگہ اس حق کو ناحق قرار دے دیا گیا۔ تاریخ انسانیت پر نظر دوڑا کر دیکھئے تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ جس زمانے میں بھی انسانی فکر نے حقوق کے جو سانچے تیار کئے ان کا پروپیگنڈا ان کی پبلسٹی اس زور و شور کے ساتھ کی گئی کہ اس کے خلاف بولنے کو جرم قرار دے دیا گیا۔

حضور نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت دنیا میں تشریف لائے اس وقت انسانی حقوق کا ایک تصور تھا اور وہ تصور ساری دنیا کے اندر پھیلا ہوا تھا اور اسی تصور کو معیار حق قرار دیا جاتا تھا ضروری قرار دیا جاتا تھا کہ یہ حق لازمی ہے۔ میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں کہ اس زمانے میں انسانی حقوق ہی کے حوالے سے یہ تصور تھا کہ جو شخص کسی کا غلام بن گیا تو غلام بننے کے بعد صرف جان و مال اور جسم ہی اس کا مملوک نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ انسانی حقوق اور انسانی مفادات کے ہر تصور سے وہ عاری ہو جاتا تھا آقا کا یہ بنیادی حق تھا کہ چاہے وہ اپنے غلام کے گردن میں طوق ڈالے اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں پہنائے یہ ایک تصور تھا جنہوں نے اس کو جسٹی فائی (Justify) کرنے کے لئے اور اس کو مبنی بر

انصاف قرار دینے کیلئے فلسفے پیش کئے تھے ان کا پورا لٹریچر آپ کو مل جائے گا آپ کہیں گے کہ یہ دور کی بات ہے چودہ سو سال پہلے کی بات ہے۔ لیکن ابھی سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی بات لے لیجئے جب جرمنی اور اٹلی میں فاشزم نے اور نازی ازم نے سر اٹھایا تھا آج فاشزم اور نازی ازم کا نام گالی بن چکا اور دنیا بھر میں بدنام ہو چکا لیکن آپ ان کے فلسفے کو اٹھا کر دیکھئے جس بنیاد پر انہوں نے فاشزم کا تصور پیش کیا تھا اور نازی ازم کا تصور پیش کیا تھا اس فلسفے کو خالص عقل کی بنیاد پر اگر آپ رد کرنا چاہیں تو آسان نہیں ہوگا انہوں نے یہ تصور پیش کیا تھا کہ جو طاقتور ہے اس کا ہی یہ بنیادی حق ہے کہ وہ کمزور پر حکومت کرے اور یہ طاقتور کے بنیادی حقوق میں شمار ہوتا ہے اور کمزور کے ذمہ واجب ہے کہ وہ طاقت کے آگے سر جھکائے یہ تصور ابھی سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی بات ہے تو انسانی افکار کی تاریخ میں انسانی حقوق کے تصورات یکساں نہیں رہے بدلتے رہے۔ کسی دور میں کسی ایک چیز کو حق قرار دیا گیا اور کسی دور میں کسی دوسری چیز کو حق قرار دیا گیا اور جس میں دور جس قسم کے حقوق کے سیٹ کو یہ کہا گیا کہ یہ انسانی حقوق کا حصہ ہے اس کے خلاف بات کرنا زبان کھولنا ایک جرم قرار پایا تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آج جن ہیومن رائٹس کے بارے میں یہ کہا جا رہا ہے کہ ان ہیومن رائٹس کا تحفظ ضروری ہے یہ کل کو تبدیل نہیں ہوں گے کل کو ان کے درمیان انقلاب نہیں آئے گا اور کون سی بنیاد ہے جو اس بات کو درست قرار دے سکے؟

صحیح انسانی حقوق کا تعین

حضور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی حقوق کے بارے میں سب سے بڑا کنٹری بیوشن (Contrifution) یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی حقوق کے تعین کی صحیح بنیاد فراہم فرمائی۔ وہ اساس فراہم فرمائی جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ کون سے ہیومن رائٹس قابل تحفظ ہیں اور کون سے ہیومن رائٹس قابل تحفظ نہیں۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور آپ کی ہدایت کو اساس تسلیم نہ کیا جائے تو پھر اس دنیا میں کسی کے پاس کوئی بنیاد نہیں ہے جس کی بنیاد پر وہ کہہ سکے کہ فلاں انسانی حقوق لازماً قابل تحفظ ہیں۔

انسانی عقل محدود ہے

حقیقت یہ ہے کہ یہ مجمل نعرے کہ صاحب! ہیومن رائٹس ہونے چاہئیں آزادی اظہار رائے ہونی چاہئے تحریر وتقریر کی آزادی ہونی چاہئے ان کی ایسی کوئی بنیاد جس پر ساری دنیا متفق ہوسکے یہ کسی کے پاس نہیں ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔ کیوں؟ اس واسطے کہ جو کوئی بھی یہ بنیادیں طے کرے گا وہ اپنی سوچ اور اپنی عقل کی بنیاد پر کرے گا اور کبھی دو انسانوں کی عقل یکساں نہیں ہوتیں، دو گروپوں کی عقلیں یکساں نہیں ہوتیں، دو زمانوں کی عقلیں یکساں نہیں ہوتیں، لہذا ان کے درمیان اختلاف رہا ہے رہے گا اور اس اختلاف کو ختم کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انسانی عقل اپنی ایک لمیٹیشن (Limitionation) رکھتی ہے اس کی حدود ہیں اس سے آگے وہ تجاوز نہیں کر پاتی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پوری انسانیت کے لئے سب سے بڑا احسان عظیم یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام معاملات کو طے کرنے کی جو بنیاد فراہم کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ذات جس نے اس پوری کائنات کو پیدا کیا وہ ذات جس نے انسانوں کو پیدا کیا اسی سے پوچھو کہ کون سے انسانی حقوق قابل تحفظ ہیں اور کون سے انسانی حقوق قابل تحفظ نہیں؟ وہی بتا سکتا ہے اس کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔

اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں

جو لوگ کہتے ہیں کہ پہلے ہمیں یہ بتاؤ کہ اسلام ہمیں کیا حقوق دیتا ہے پھر ہم اسلام کو مانیں گے۔ میں نے کہا اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں۔ اگر پہلے اپنے ذہن میں طے کرلیا کہ یہ حقوق جہاں ملیں گے وہاں جائیں گے اور اس کے بعد پھر یہ حقوق چونکہ اسلام میں مل رہے ہیں اس واسطے میں جا رہا ہوں تو یاد رکھو اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں۔ اسلام کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے یہ اپنی عاجزی درماندگی اور شکستگی پیش کرو کہ ان مسائل کو حل کرنے میں ہماری عقل عاجز ہے اور ہماری سوچ عاجز ہے ہمیں وہ بنیاد چاہئے جس کی بنیاد پر ہم مسائل کو حل کریں۔ جب آدمی اس نقطہ نظر سے اسلام کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر اسلام ہدایت و رہنمائی پیش کرتا ہے۔ **ھدی للمتقین**۔ یہ ہدایت متقین کے لئے ہے۔ متقین کے کیا

معنی؟ متقین کے معنی یہ ہیں کہ جس کے دل میں طلب ہو یہ ہو کہ ہم اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں درماندگی کا اعتراف کرتے ہیں پھر اپنے مالک اور خالق کے سامنے رجوع کرتے ہیں کہ آپ ہمیں بتائیے کہ ہمارے لئے کیا راستہ ہے؟

لہٰذا یہ جو آج کی دنیا کے اندر ایک فیشن بن گیا کہ صاحب پہلے یہ بتاؤ کہ ہیومن رائٹس کیا ملیں گے تب اسلام میں داخل ہوں گے تو یہ طریقہ اسلام میں داخل ہونے کا نہیں ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس امت کو اسلام کا پیغام دیا دعوت دی تو آپ نے جتنے غیر مسلموں کو دعوت دی کسی جگہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسلام میں آ جاؤ تمہیں فلاں فلاں حقوق مل جائیں گے بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم کو اللہ جل جلالہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ "قولو الاالٰہ الا اللہ تفلحون" اے لوگو"لاالٰہ الا اللہ" کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے لہٰذا مادی منافع مادی مصلحتوں اور مادی خواہشات کی خاطر اگر کوئی اسلام میں آنا چاہتا ہے تو وہ درحقیقت اخلاص کے ساتھ صحیح راستہ تلاش نہیں کر رہا ہے لہٰذا پہلے وہ اپنی عاجزی کا اعتراف کرے کہ ہماری عقلیں ان مسائل کو حل کرنے سے عاجز ہیں۔

عقل کا دائرہ کار

یاد رکھئے کہ یہ موضوع بڑا طویل ہے کہ عقل انسانی بے کار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں عقل عطا فرمائی یہ بڑی کارآمد چیز ہے مگر یہ اس حد تک کارآمد ہے جب تک اس کو اس کی حدود میں استعمال کیا جائے اور حدود سے باہر آ کر اس کو استعمال کرو گے تو وہ غلط جواب دینا شروع کر دے گی۔ اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک اور ذریعہ علم عطا فرمایا ہے اس کا نام وحی الٰہی ہے، جہاں عقل جواب دے جاتی ہے اور کارآمد نہیں رہتی وحی الٰہی اسی جگہ پر آ کر رہنمائی کرتی ہے۔

حواس کا دائرہ کار

دیکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں آنکھ دی، کان دیئے یہ زبان دی آنکھ سے دیکھ کر ہم بہت سی چیزیں معلوم کرتے ہیں کان سے سن کر بہت ساری چیزیں معلوم کرتے ہیں زبان سے چکھ کر بہت ساری چیزیں معلوم کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا اپنا ایک فنکشن رکھا ہے ہر ایک کا

اپنا عمل ہے اس حد تک وہ کام دیتا ہے' اس سے باہر نہیں دیتا۔ آنکھ دیکھ سکتی ہے سن نہیں سکتی' کوئی شخص یہ چاہے کہ میں آنکھ سے سنوں تو وہ احمق ہے کان سن سکتا ہے دیکھ نہیں سکتا۔ کوئی شخص یہ چاہے کہ کان سے میں دیکھنے کا کام لوں تو وہ بے وقوف ہے اس واسطے کہ یہ اس کام کے لئے نہیں بنایا گیا اور ایک حد ایسی آتی ہے جہاں نہ آنکھ کام دیتی ہے نہ کان کام دیتا ہے نہ زبان کام دیتی ہے۔ اس موقع کے لئے اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی وہاں عقل انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔

تنہا عقل کافی نہیں

دیکھئے یہ کرسی ہمارے سامنے رکھی ہے آنکھ سے دیکھ کر معلوم کیا کہ اس کے ہینڈل زرد رنگ کے ہیں۔ ہاتھ سے چھو کر معلوم کیا کہ یہ چکنے ہیں۔ لیکن تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیا خود بخود وجود میں آ گئی یا کسی نے اس کو بنایا؟ تو وہ بنانے والا میرے آنکھوں کے سامنے نہیں ہے۔ اس واسطے میری آنکھ بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی میرا ہاتھ بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ اس موقع کے لئے اللہ تعالیٰ نے تیسری چیز عطا فرمائی جس کا نام عقل ہے۔ عقل سے میں نے سوچا کہ یہ جو ہینڈل ہے یہ بڑے قاعدے کا بنا ہوا ہے یہ خود سے وجود میں نہیں آ سکتا کسی بنانے والے نے اس کو بنایا ہے۔ یہاں عقل نے میری رہنمائی کی ہے لیکن ایک چوتھا سوال آگے چل کر پیدا ہوتا ہے کہ اس کرسی کو کس کام میں استعمال کرنا چاہئے' کس میں نہیں کرنا چاہئے؟ کہاں اس کو استعمال کرنے سے فائدہ ہوگا کہاں نقصان ہوگا؟ اس سوال کو حل کرنے کے لئے عقل بھی ناکام ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک چوتھی چیز عطا فرمائی اور اس کا نام وحی الٰہی ۔ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے وہ خیر اور شر کا فیصلہ کرتی ہے وہ نفع اور نقصان کا فیصلہ کرتی ہے جو بتاتی ہے کہ اس چیز میں خیر ہے اس میں شر ہے اس میں نفع ہے اس میں نقصان ہے۔ وحی آتی ہی اس مقام پر ہے جہاں انسان کی عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آ جائے اور وہ اپنی عقل میں نہ آئے سمجھ میں نہ آئے تو اس کی وجہ سے اس کو رد کرنا کہ صاحب میری تو عقل میں نہیں آ رہا لہٰذا میں اس کو رد کرتا ہوں تو یہ رد حقیقت اس عقل کی اور وحی الٰہی کی حقیقت ہی سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ اگر سمجھ میں آتا تو وحی

آنے کی ضرورت کیا تھی؟ وحی تو آئی ہی اس لئے کہ تم اپنی تنہا عقل کے ذریعہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے تھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے تمہاری مدد فرمائی اگر عقل سے خود بخود فیصلہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ایک حکم نازل کر دیتے بس کہ ہم نے تمہیں عقل دی ہے عقل کے مطابق جو چیز اچھی لگے وہ کرو اور جو بری لگے اس سے بچ جاؤ۔ نہ کسی کتاب کی ضرورت نہ کسی رسول کی ضرورت نہ کسی پیغمبر کی ضرورت نہ کسی مذہب اور دین کی ضرورت۔ لیکن جب اللہ نے اس عقل دینے کے باوجود اس پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ رسول بھیجے کتابیں اتاریں وحی بھیجی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تنہا عقل انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں تھی۔ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہمیں چونکہ اس کا فلسفہ سمجھ میں نہیں آیا لہذا ہم نہیں مانتے تو وہ در حقیقت دین کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ حقیقت سے جاہل ہیں سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا۔

اور یہیں سے ایک اور بات کا جواب مل جاتا ہے جو آج کل بڑی کثرت سے لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے چاند پر جانے کا کوئی طریقہ نہیں بتایا خلا کو فتح کرنے کا کوئی فارمولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتایا یہ سب قومیں اس قسم کے فارمولے حاصل کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گئیں اور ہم قرآن بغل میں رکھنے کے باوجود پیچھے رہ گئے تو قرآن اور سنت نے ہمیں یہ فارمولے کیوں نہیں بتلائے؟

جواب اس کا یہی ہے کہ اس لئے نہیں بتایا کہ وہ چیز عقل کے دائرے کی تھی اپنی عقل سے اور اپنے تجربے اور اپنی محنت سے جتنا آگے بڑھو گے اس کے اندر تمہیں انکشافات ہوتے چلے جائیں گے وہ تمہارے عقل کے دائرے کی چیز تھی عقل اس کا ادراک کر سکتی تھی اس واسطے اس کے لئے نبی بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی اس کے لئے رسول بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی اس کے لئے کتاب نازل کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن کتاب اور رسول کی ضرورت وہاں تھی جہاں تمہاری عقل عاجز تھی جیسے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل والے آدمی کی عقل عاجز تھی کہ بنیادی حقوق اور آزادی و تحریر وتقریر کے اوپر کیا پابندیاں ہونی چاہئیں کیا نہیں ہونی چاہئیں اس معاملے میں انسان کی عقل عاجز تھی اس کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

حقوق کا تحفظ کس طرح ہو؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ فلاں حق انسان کا ایسا ہے جس کا تحفظ ضروری ہے اور فلاں

حق ہے جس کے تحفظ کی ضرورت نہیں ہے اس لئے پہلے یہ سمجھ لو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی حقوق کے سلسلے میں سب سے بڑا کنٹری بیوشن یہ ہے کہ انسانی حقوق کے تعین کی بنیاد فراہم فرمائی کہ کونسا انسانی حق پابندی کے قابل ہے اور کونسا نہیں۔ یہ بات اگر سمجھ میں آ جائے تو اب دیکھئے کہ محمد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سے حقوق انسان کو عطا فرمائے۔ کن حقوق کو ریکگنائز (Recognize) کیا' کن حقوق کا تعین فرمایا اور پھر اس کے اوپر عمل کر کے دکھایا' آج کی دنیا میں ریکگنائز کرنے والے تو بہت اور اس کے اعلان کرنے والے بہت' اس کے نعرے لگانے والے بہت لیکن ان نعروں پر اور ان حقوق کے اوپر جب عمل کرنے کا سوال آ جائے تو وہی اعلان کرنے والے جو یہ کہتے ہیں کہ انسانی حقوق قابل تحفظ ہیں جب ان کا اپنا معاملہ آ جاتا ہے اپنے مفاد سے ٹکراؤ پیدا ہو جاتا ہے تو دیکھئے پھر انسانی حقوق کس طرح پامال ہوتے ہیں۔

آج کی دنیا کا حال

انسانی حقوق کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اکثریت کی حکومت ہونی چاہئے۔ جمہوریت' سیکولر' ڈیموکریسی' آج امریکہ کی ایک کتاب دنیا بھر میں بہت مشہور ہو رہی ہے۔ ''دی اینڈ آف ہسٹری اینڈ دی لاسٹ مین'' (The end of History and the last man) آج کل کے سارے پڑھے لکھے لوگوں میں مقبول ہو رہی ہے' اس کا سارا فلسفہ یہ ہے کہ انسان کی ہسٹری کا خاتمہ جمہوریت کے اوپر ہو گیا اور اب انسانیت کے عروج اور فلاح کے لئے کوئی نیا نظریہ وجود میں نہیں آئے گا۔ یعنی ختم نبوت پر ہم اور آپ یقین رکھتے ہیں اب یہ ''ختم نظریات'' ہو گیا یہ کہ ڈیموکریسی کے بعد کوئی نظریہ انسانی فلاح کا وجود میں آنے والا نہیں ہے۔

ایک طرف تو یہ نعرہ ہے کہ اکثریت جو بات کہہ دے وہ حق ہے' اس کو قبول کرو اس کی بات مانو لیکن وہی اکثریت اگر الجزائر میں کامیاب ہو جاتی ہے اور انتخابات میں اکثریت حاصل کر لیتی ہے تو اس کے بعد جمہوریت باقی نہیں رہتی پھر اس کا وجود جمہوریت کے لئے خطرہ بن جاتا ہے تو نعرے لگا لینا اور بات ہے لیکن اس کے اوپر عمل کر کے دکھانا مشکل ہے۔

یہ نعرے لگا لینا بہت اچھی بات ہے کہ سب انسانوں کو ان کے حقوق ملنے چاہئیں ان کو

آزادی اظہار رائے ہونی چاہئے لوگوں کو حق خودارادی ملنا چاہئے اور یہ سب کچھ صحیح لیکن دوسری طرف لوگوں کا حق خودارادی پامال کر کے ان کو جبر وتشدد کی چکی میں پیسا جارہا ہے ان کے بارے میں آواز اٹھاتے ہوئے زبان تھراتی ہے اور وہی جمہوریت اور آزادی کے منادی کرنے والے ان کے خلاف کاروائیاں کرتے ہیں تو بات صرف یہ نہیں ہے کہ زبان سے کہہ دیا جائے کہ انسانی حقوق کیا ہیں؟ بات یہ ہے کہ جو بات زبان سے کہو اس کو کر کے دکھاؤ اور یہ کام کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آپ نے جو حق دیا اس پر عمل کر کے دکھایا۔

وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی

غزوہ بدر کا موقع ہے اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد کے ساتھ سفر کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ جارہے ہیں راستے میں ابوجہل کے لشکر سے ٹکراؤ ہو جاتا ہے اور ابوجہل کا لشکر کہتا ہے کہ ہم تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے نہیں دیں گے اس لئے کہ تم جاؤ گے تو ہمارے خلاف ان کے لشکر میں شامل ہو کر جنگ کرو گے یہ بیچارے پریشان ہوتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے جانا تھا اور انہوں نے روک لیا آخر کار انہوں نے کہا اس شرط پر تمہیں چھوڑیں گے کہ ہم سے وعدہ کرو کہ جاؤ گے اور جانے کے بعد ان کے لشکر میں شامل نہیں ہو گے ہم سے جنگ نہیں کرو گے اگر یہ وعدہ کرتے ہو تو ہم تمہیں چھوڑتے ہیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والدؓ نے وعدہ کر لیا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف زیارت کریں گے ان کے لشکر میں شامل ہو کر آپ سے لڑیں گے نہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کو چھوڑ دیا اب یہ دونوں حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے جب کفار کے ساتھ جنگ کا وقت آیا اور کیسی جنگ ایک ہزار مکہ مکرمہ کے مسلح سورما اور اس کے مقابلے میں ۳۱۳ نہتے، جن کے پاس ۸ تلواریں، دو گھوڑے ستر اونٹ، ۸ تلواروں کے سوا تین سو تیرہ آدمیوں کے پاس اور تلوار بھی نہیں تھی کسی نے لاٹھی اٹھائی ہوئی ہے کسی نے پتھر اٹھایا ہوا ہے اس موقع پر ایک ایک آدمی کی قیمت تھی ایک ایک انسان کی قیمت تھی۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ یہ نئے آدمی آئے ہیں آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں اور ان سے زبردستی معاہدہ کرایا گیا ہے یہ وعدہ زبردستی لیا گیا کہ تم جنگ میں شامل نہیں

ہو گئے تو اس واسطے ان کو اجازت دیجئے کہ جہاد میں شامل ہو جائیں اور جہاد بھی کونسا؟ یوم الفرقان جس کے اندر شامل ہونے والا ہر فرد بدری بن گیا جس کے بارے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا کہ اللہ تعالی نے اہل بدر کے سارے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمائے ہیں اتنا بڑا غزوہ ہو رہا ہے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ چاہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو جائیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہ ہے کہ نہیں جو ابوجہل کے لشکر سے وعدہ کر کے آئے ہو کہ جنگ نہیں کرو گے تو مومن کا کام وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہے لہذا تم اس جنگ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں شامل ہونے سے روک دیا یہ ہے کہ جب وقت پڑے اس وقت انسان اصول کو نبھائے یہ نہیں کہ زبان سے تو کہہ دیا کہ ہم انسانی حقوق کے علمبردار ہیں اور ہیروشیما اور ناگاساکی پر بے گناہ بچوں کو بے گناہ عورتوں کو تہہ و بالا کر دیا کہ ان کی نسلیں تک معذور پیدا ہو رہی ہیں اور جب اپنا وقت پڑ جائے تو اس میں کوئی اخلاق کوئی کردار دیکھنے والا نہ ہو۔ (الاصابۃ ج ۱ ص ۳۱۶)

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق بتائے بھی اور عمل کر کے بھی دکھایا۔ کیا حقوق بتائے؟ اب سنئے:

اسلام میں جان کا تحفظ

انسانی حقوق میں سے سب سے پہلا حق انسان کا جان کا حق ہے۔ ہر انسان کی جان کا تحفظ انسان کا بنیادی حق ہے کہ کوئی اس کی جان پر دست درازی نہ کرے۔ **لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق** کسی بھی جان کے اوپر دست درازی نہیں کی جا سکتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیدیا اور کیا حکم دیدیا کہ جنگ میں جا رہے ہو کفار سے مقابلہ ہے۔ دشمن سے مقابلہ ہے اس حال میں بھی تمہیں کسی بچے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں کسی عورت پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں بوڑھے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں۔ عین جہاد کے موقع پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ یہ پابندی ایسی نہیں ہے کہ صرف زبانی جمع خرچ ہو جیسا کہ میں نے ابھی بتایا کہ صاحب زبانی طور پر تو کہہ دیا اور تہس نہس کر دیا سارے بچوں کو بھی اور عورتوں کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ کرام نے اس پر عمل کر کے دکھایا ان کا ہاتھ کسی

بوڑھے پر کسی عورت پر کسی بچے پر نہیں اٹھا' یہ ہے جان کا تحفظ۔

اسلام میں مال کا تحفظ

مال کا تحفظ انسان کا دوسرا بنیادی حق ہے۔ **لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل**۔ باطل کے ساتھ ناحق طریقے سے کسی کا مال نہ کھاؤ۔ اس پر عمل کر کے کیسے دکھایا؟ یہ نہیں ہے کہ تاویل کر کے توجیہ کر کے مال کھا گئے کہ جب تک اپنے مفادات وابستہ تھے اس وقت تک بڑی دیانت تھی بڑی امانت تھی لیکن جب معاملہ جنگ کا آ گیا دشمنی ہو گئی تو اب یہ ہے کہ صاحب تمہارے اکاؤنٹس منجمد کر دیئے جائیں گے تمہارے اکاؤنٹس فریز کر دیئے جائیں گے جب مقابلہ ہو گیا تو اس وقت میں حقوق انسانی غائب ہو گئے۔ اب مال کا تحفظ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مثال پیش کی وہ عرض کرتا ہوں۔ غزوہ خیبر ہے یہودیوں کے ساتھ لڑائی ہو رہی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ خیبر کے اوپر حملہ آور ہیں اور قلعہ خیبر کے گرد محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج خیبر کے قلعہ کے اردگرد پڑی ہوئی ہے۔ خیبر کے اندر ایک بے چارہ چھوٹا سا چرواہا اجرت پر بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ خیبر سے باہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر پڑا ہوا ہے جا کر دیکھوں تو سہی۔ آپ کا نام تو بہت سنا ہے "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہتے ہیں اور کیسے آدمی ہیں؟ بکریاں لے کر خیبر کے قلعے سے نکلا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں مسلمانوں کے لشکر میں داخل ہوا۔ کسی سے پوچھا کہ بھائی محمد کہاں ہیں؟ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں نے بتایا کہ فلاں خیمے کے اندر ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے یقین نہیں آیا کہ اس خیمے کے اندر یہ کھجور کا معمولی سا خیمہ جھونپڑی' اس میں اتنا بڑا سردار' اتنا بڑا نبی وہ اس خیمے کے اندر ہے؟ لیکن جب لوگوں نے بار بار کہا تو اس میں چلا گیا۔ اب جب داخل ہوا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے' جا کر کہا کہ یا رسول اللہ! آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں۔ آپ کا پیغام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصراً بتایا توحید کے عقیدے کی وضاحت فرمائی۔ کہنے لگا اگر میں آپ کے اس پیغام کو قبول کر لوں تو میرا کیا مقام ہو گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تمہیں سینے سے لگائیں گے تم ہمارے

بھائی ہو جاؤ گے اور جو حقوق دوسروں کو حاصل ہیں وہ تمہیں بھی حاصل ہوں گے۔ کہنے لگا آپ مجھ سے ایسی بات کرتے ہیں مذاق کرتے ہیں ایک کالا بھجنگ چرواہا سیاہ فام' میرے بدن سے بدبو اٹھ رہی ہے۔ اس حالت کے اندر آپ مجھے سینے سے لگائیں گے اور یہاں تو مجھے دھتکارا جاتا ہے' میرے ساتھ اہانت آمیز برتاؤ کیا جاتا ہے تو آپ یہ جو مجھے سینے سے لگائیں گے تو کس وجہ سے لگائیں گے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ کی مخلوق اللہ کی نگاہ میں سب برابر ہیں اس واسطے ہم تمہیں سینے سے لگائیں گے کہا کہ اگر میں آپ کی بات مان لوں مسلمان ہو جاؤں تو میرا انجام کیا ہوگا۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اسی جنگ کے اندر مر گئے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالٰی تمہارے اس چہرے کی سیاہی کو تابانی سے بدل دے گا اور تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے بدل دیگا میں گواہی دیتا ہوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا اس اللہ کے بندے کے دل پر اثر ہوا کہ اگر آپ یہ فرماتے ہیں تو اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ' عرض کیا میں مسلمان ہو گیا اب جو حکم دیں گے وہ کرنے کو تیار ہوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا حکم اس کو یہ نہیں دیا کہ نماز پڑھو یہ نہیں دیا کہ روزہ رکھو پہلا حکم یہ دیا کہ جو بکریاں تم چرانے کے لئے لے کر آئے ہو یہ تمہارے پاس امانت ہیں پہلے ان بکریوں کو واپس دے کر آؤ اور اس کے بعد آ کر پوچھنا کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ بکریاں کس کی' یہودیوں کی' جن کے اوپر حملہ آور ہیں' جن کے ساتھ جنگ چھڑی ہوئی ہے جن کا مال غنیمت چھینا جا رہا ہے لیکن فرمایا کہ یہ مال غنیمت جنگ کی حالت میں چھیننا تو جائز تھا لیکن تم لے کر آئے ہو ایک معاہدہ کے تحت اور اس معاہدے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے مال کا تحفظ کیا جائے اس معاہدے کا تحفظ کیا جائے یہ ان کا حق ہے۔ لہٰذا ان کو پہنچا کر آؤ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ بکریاں تو ان دشمنوں کی ہیں جو آپ کے خون کے پیاسے ہوئے ہیں اور پھر آپ واپس لوٹاتے ہیں فرمایا کہ ہاں پہلے ان کو واپس لوٹاؤ چنانچہ بکریاں واپس لوٹائی گئیں۔

کوئی مثال پیش کرے گا کہ عین میدان جنگ میں عین حالت جنگ کے اندر انسانی مال کے تحفظ کا حق ادا کیا جا رہا ہو؟ جب بکریاں واپس کر دیں تو آ کر پوچھا کہ اب کیا

کروں؟ فرمایا کہ نہ تو نماز کا وقت ہے کہ تمہیں نماز پڑھواؤں نہ رمضان کا مہینہ ہے کہ روزے رکھواؤں نہ تمہارے پاس مال ہے کہ زکوۃ دلواؤں۔ ایک ہی عبادت اس وقت ہو رہی ہے جو کہ تلوار کی چھاؤں کے نیچے ادا کی جاتی ہے وہ ہے جہاد۔ اس میں شامل ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اس میں شامل ہو گیا۔ اس کا اسود راعی نام آتا ہے۔ جب جہاد ختم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد دیکھنے جایا کرتے تھے کہ کون زخمی ہوا کون شہید ہوا' تو دیکھا کہ ایک جگہ صحابہ کرام کا مجمع لگا ہوا ہے۔ آپس میں صحابہ پوچھ رہے ہیں کہ یہ کون آدمی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا معاملہ ہے تو صحابہ کرام نے بتلایا کہ یہ ایسے شخص کی لاش ملی ہے کہ جس کو ہم میں سے کوئی نہیں پہچانتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب پہنچ کر دیکھا اور فرمایا تم نہیں پہچانتے۔ میں پہچانتا ہوں اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو جنت الفردوس کے اندر کوثر و تسنیم سے غسل دیا ہے اور اس کے چہرے کی سیاہی کو تابانی سے بدل دیا ہے۔ اس کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرما دیا ہے۔

بہر حال یہ بات کہ مال کا تحفظ ہو محض کہہ دینے کی بات نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا۔ کافر کے مال کا تحفظ دشمن کے مال کا تحفظ جو معاہدے کے تحت ہو یہ مال کا تحفظ ہے۔

اسلام میں آبرو کا تحفظ

تیسرا انسان کا بنیادی حق یہ ہے کہ اس کی آبرو محفوظ ہو۔ آبرو کی تحفظ کا نعرہ لگانے والے بہت ہیں لیکن یہ پہلی بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ انسان کی آبرو کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ پیٹھ پیچھے اس کی برائی نہ کی جائے غیبت نہ کی جائے۔ آج بنیادی حقوق کا نعرہ لگانے والے بہت لیکن کوئی اس بات کا اہتمام کرے کہ کسی کا پیٹھ کے پیچھے ذکر برائی سے نہ کیا جائے۔ غیبت کرنا بھی حرام' غیبت سننا بھی حرام اور فرمایا کہ کسی انسان کا دل نہ توڑا جائے۔ یہ انسان کے لئے گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ افقہ الصحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف فرما رہے ہیں۔ طواف کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیت اللہ تو کتنا مقدس ہے کتنا معظم ہے پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے

عبداللہ! یہ کعبۃ اللہ بڑا مقدس بڑا مکرم ہے لیکن اس کائنات میں ایک چیز ایسی ہے کہ اس کا تقدس اس کعبۃ اللہ سے بھی زیادہ ہے اور وہ چیز کیا؟ ایک مسلمان کی جان مال اور آبرو کہ اس کا تقدس کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی جان پر مال پر آبرو پر ناحق حملہ آور ہوتا ہے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ کعبہ کے ڈھا دینے سے بھی زیادہ بڑا جرم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حق دیا۔

اسلام میں معاش کا تحفظ

جو انسان کے بنیادی حقوق ہیں وہ ہیں جان مال اور آبرو ان کا تحفظ ضرور ہے۔ پھر انسان کو دنیا میں جینے کے لئے معاش کی ضرورت ہے روزگار کی ضرورت ہے اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کسی انسان کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر دوسروں کے لئے معاش کے دروازے بند کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بیان فرمایا۔ ایک طرف تو یہ فرمایا جس کو کہتے ہیں فریڈم آف کنٹریکٹ (Freedom of Contract) معاہدے کی آزادی جو چاہے معاہدہ کرو لیکن فرمایا کہ ہر وہ معاہدہ جس کے نتیجے میں معاشرے کے اوپر خرابی واقع ہوتی ہو ہر وہ معاہدہ جس کے نتیجے میں دوسرے آدمی پر رزق کا دروازہ بند ہوتا ہو وہ حرام ہے۔ فرمایا لا یبیع حاضر لباد کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ ایک آدمی دیہات سے مال لے کر آیا مثلاً زرعی پیداوار ترکاریاں لے کر شہر میں فروخت کرنے کے لئے آیا تو کوئی شہری اس کا آڑھتی نہ بنے' اس کا وکیل نہ بنے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں کیا حرج ہے اگر دو آدمیوں کے درمیان آپس میں معاہدہ ہوتا ہے کہ میں تمہارا مال فروخت کروں گا تمہارے سے اجرت لوں گا تو اس میں کیا حرج ہے؟ لیکن نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جو شہری ہے وہ مال لے کر بیٹھ جائے گا تو احتکار کرے گا اور بازار کے اوپر اپنی اجارہ داری قائم کرے گا۔ اس اجارہ داری قائم کرنے کے نتیجے میں دوسرے لوگوں پر معیشت کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اس واسطے فرمایا لا یبیع حاضر لباد۔ تو کسب معاش کا حق ہر انسان کا ہے کہ کوئی بھی شخص اپنی دولت کے

بل بوتے پر دوسرے کے لئے معیشت کے دروازے بند نہ کرے۔ یہ نہیں کہ سود کھا کھا کر' قمار کھیل کھیل کر' گیمبلنگ کر کے' سٹہ کھیل کھیل کر آدمی نے اپنے لئے دولت کے انبار جمع کر لئے اور دولت کے انباروں کے ذریعے سے وہ پورے بازار کے اوپر قابض ہو گیا کوئی دوسرا آدمی اگر کسب معاش کے لئے داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے دروازے بند ہیں یہ نہیں بلکہ کسب معاش کا تحفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کا بنیادی حق قرار دیا اور فرمایا۔

دعوا الناس یرزق اللہ بعضھم ببعض

لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق عطا فرمائیں گے۔ یہ کسب معاش کا تحفظ ہے جتنے حقوق عرض کر رہا ہوں یہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائے اور متعین فرمانے کے ساتھ ساتھ ان پر عمل بھی کر کے دکھایا۔

اسلام اور عقیدے کا تحفظ

عقیدے اور دیانت کے اختیار کرنے کا تحفظ کہ اگر کوئی شخص کوئی عقیدہ اختیار کئے ہوئے ہے تو اس کے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے کہ کوئی زبردستی جا کر مجبور کر کے اسے دوسرا دین اختیار کرنے پر مجبور کرے **لا اکراہ فی الدین** دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ دین کے اندر کوئی جبر نہیں۔ اگر ایک عیسائی ہے تو عیسائی رہے' ایک یہودی ہے تو یہودی رہے قانوناً اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔ اس کو تبلیغ کی جائے گی دعوت دی جائے گی اس کو حقیقت حال سمجھانے کی کوشش کی جائے گی لیکن اس کے اوپر یہ پابندی نہیں ہے کہ زبردستی اس کو اسلام میں داخل کیا جائے ہاں البتہ اگر ایک مرتبہ اسلام میں داخل ہو گیا اور اسلام میں داخل ہو کر اسلام کے محاسن اس کے سامنے آ گئے تو اب اس کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے وہ اس دین کو برملا چھوڑ کر ارتداد کا راستہ اختیار کرے۔ اس واسطے کہ اگر وہ ارتداد کا راستہ اختیار کرے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ معاشرے میں فساد پھیلائے گا اور فساد کا علاج آپریشن ہوتا ہے لہذا اس فساد کا آپریشن کر دیا جائے گا اور معاشرے میں اس کو فساد پھیلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

بہرحال کسی کی عقل میں بات آئے یا نہ آئے کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے میں پہلے کہہ

چکا ہوں کہ ان معاملات کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیاد فراہم فرمائی ہے حق وہ ہے جسے اللہ مانے' حق وہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانیں اس سے باہر حق نہیں ہے۔ اس لئے ہر شخص عقیدے کو اختیار کرنے میں شروع میں آزاد ہے ورنہ اگر مرتد ہونا جرم نہ ہوتا تو اسلام کے دشمن اسلام کو بازیچہ اطفال بنا کر دکھلاتے۔ کتنے لوگ تماشا دکھانے کے لئے اسلام میں داخل ہوتے اور نکلتے' قرآن کریم میں ہے لوگ یہ کہتے ہیں صبح کو اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ تو یہ تماشا بنا دیا گیا ہوتا۔ اس واسطے دارالاسلام میں داخل رہتے ہوئے ارتداد کی گنجائش نہیں دی جائے گی۔ اگر واقعتاً دیانت داری سے تمہارا کوئی عقیدہ ہے تو پھر دارالاسلام سے باہر جاؤ باہر جا کر جو چاہو کرو لیکن دارالاسلام میں رہتے ہوئے فساد پھیلانے کی اجازت نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل

بہر حال' یہ موضوع تو بڑا طویل ہے لیکن پانچ مثالیں میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کی ہیں (۱) جان کا تحفظ' (۲) مال کا تحفظ (۳) آبرو کا تحفظ (۴) عقیدے کا تحفظ (۵) کسب معاش کا تحفظ۔ یہ انسان کی پانچ بنیادی ضروریات ہیں۔ یہ پانچ مثالیں میں نے پیش کیں لیکن ان پانچ مثالوں میں جو بنیادی بات غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ کہنے والے تو اس کے بہت ہیں لیکن اس کے اوپر عمل کر کے دکھانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلام ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کا واقعہ ہے کہ بیت المقدس میں غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا اس لئے کہ ان کے جان و مال و آبرو کا تحفظ کیا جائے ایک موقع پر بیت المقدس سے فوج بلا کر کسی اور محاذ پر بھیجنے کی ضرورت پیش آئی۔ زبردست ضرورت داعی تھی۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بھائی بیت المقدس میں جو کافر رہتے ہیں ہم نے ان کے تحفظ کی ذمہ داری لی ہے۔ اگر فوج کو یہاں سے ہٹالیں گے تو ان کا تحفظ کون کرے گا؟ ہم نے ان سے اس کام کے لئے جزیہ لیا ہے لیکن ضرورت بھی شدید ہے۔ چنانچہ انہوں نے سارے غیر مسلموں کو بلا کر کہا کہ بھائی ہم نے تمہاری حفاظت کی ذمہ داری لی تھی۔ اس کی خاطر تم سے یہ ٹیکس بھی وصول کیا تھا اب ہمیں فوج کی ضرورت پیش آ گئی ہے جس کی وجہ سے ہم تمہارا تحفظ کما حقہ

نہیں کر سکتے اور فوج کو یہاں نہیں رکھ سکتے لہذا فوج کو ہم دوسری جگہ ضرورت کی خاطر بھیج رہے ہیں تو جو ٹیکس تم سے لیا گیا تھا وہ سارا تم کو واپس کیا جاتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عمل

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن پر کہنے والے ظالموں نے کیسے کیسے بہتانوں کی بارش کی ہے ان کا واقعہ ابوداؤد میں موجود ہے کہ روم کے ساتھ لڑائی کے دوران جنگ بندی کا معاہدہ ہو گیا جنگ بندی ہو گئی ایک خاص تاریخ تک یہ طے ہو گیا کہ جنگ بندی رہے گی کوئی آپس میں ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرے گا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے دانش مند بزرگ تھے انہوں نے یہ سوچا کہ جس تاریخ کو معاہدہ ختم ہو رہا ہے اس تاریخ کو فوجیں لے جا کر سرحد کے پاس ڈال دیں کہ ادھر آفتاب غروب ہو گا اور تاریخ بدلے گی ادھر حملہ کر دیں گے کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ دشمن کو یہ خیال ہو گا کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہو گی کہیں دور سے چلیں گے تو وقت لگے گا اس واسطے انہوں نے سوچا کہ پہلے فوج لے جا کر سرحد پر ڈال دیں۔ چنانچہ سرحد پر فوج لے جا کر ڈال دی اور ادھر اس تاریخ کا آفتاب غروب ہوا جو جنگ بندی کی تاریخ تھی اور ادھر انہوں نے حملہ کر دیا' روم کے اوپر یلغار کر دی اور وہ بے خبر اور غافل تھے اس واسطے بہت تیزی کے ساتھ فتح کرتے چلے گئے۔ زمین کی زمین خطے کے خطے فتح ہو رہے ہیں۔ جاتے جاتے جب آگے بڑھ رہے ہیں تو پیچھے سے دیکھا گھوڑے پر ایک شخص سوار دور سے سرپٹ دوڑا چلا آ رہا ہے اور آواز لگا رہا ہے۔ قفوا عباد الله! عباد الله! اللہ کے بندو رکو' اللہ کے بندو رکو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رک گئے۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ قریب تشریف لائے فرمایا وفاء لا غدر مومن کا شیوہ وفاداری ہے غداری نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تو کوئی غداری نہیں کی۔ جنگ بندی کی مدت ختم ہونے کے بعد حملہ کیا تو حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ان کانوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔

من كان بينه و بين قوم عهد فلايحلنه ولايشد نه حتى يمضى املہ او ينبذعليهم على سواء (ترمذی)

جب کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہوتو اس معاہدے کے اندر کوئی ذرا سا بھی تغیر نہ کرے نہ کھولے نہ باندھے' یہاں تک کہ اس کی مدت نہ گزر جائے اور یا ان کے سامنے کھل کر بیان نہ کر دے کہ آج سے ہم تمہارے معاہدے کے پابند نہیں ہیں اور آپ نے معاہدہ کے دوران سر پر فوجیں لا کر ڈال دیں اور شاید اندر بھی تھوڑا گھس گئے ہوں تو اس واسطے آپ نے یہ معاہدے کی خلاف ورزی کی اور یہ جو آپ نے علاقہ فتح کیا ہے یہ اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے۔ اب اندازہ لگایئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح کے نشے میں جا رہے ہیں علاقے کے علاقے فتح ہو رہے ہیں لیکن جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا ساری فوج کے لئے حکم جاری کر دیا کہ ساری فوج واپس لوٹ جائے اور یہ مفتوحہ علاقہ خالی کر دیا جائے۔ چنانچہ پورا مفتوحہ علاقہ خالی کر دیا۔ دنیا کی تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی کہ کسی فاتح نے اپنے مفتوحہ علاقے کو اس وجہ سے خالی کیا ہو کہ اس میں معاہدے کی پابندی کے اندر ذرا سی اوچھ رہ گئی تھی لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے انہوں نے یہ کر کے دکھایا۔

بات تو جتنی بھی طویل کی جائے ختم نہیں ہو سکتی لیکن خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کی بنیادیں فراہم کی ہیں کہ کون انسانی حقوق کا تعین کرے گا کون نہیں کرے گا۔ دوسری بات یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حقوق بیان فرمائے ان پر عمل کر کے دکھایا۔ حقوق ہی وہ متعین کئے گئے جن پر عمل کیا جائے۔

آج کل کے ہیومن رائٹس

آج کہنے کے لئے ہیومن رائٹس کے بڑے شاندار چارٹر چھاپ کر دنیا بھر میں تقسیم کر دیئے گئے کہ یہ ہیومن رائٹس چارٹر ہیں لیکن یہ ہیومن رائٹس چارٹر کے بنانے والے اپنے مفادات کی خاطر مسافر بردار طیارہ جس میں بے گناہ افراد سفر کر رہے ہیں اس کو گرا دیں اس میں ان کو کوئی باک نہیں ہوتا اور مظلوموں کے اوپر مزید ظلم وستم کے شکنجے کسے جائیں اس میں کوئی باک نہیں ہوتا۔ ہیومن رائٹس اسی جگہ پر مجروح ہوتے نظر آتے ہیں جہاں اپنے

مفادات کے اوپر کوئی زد پڑتی ہو اور جہاں اپنے مفادات کے خلاف ہو تو وہاں ہیومن رائٹس کا کوئی تصور نہیں آتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہیومن رائٹس کے قائل نہیں ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس حقیقت کو صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ جو باطل پروپیگنڈہ ہے اس کی حقیقت پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ یاد رکھئے کہ بعض لوگ اس پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر مغلوب ہو کر یہ معذرت خواہانہ انداز میں ہاتھ جوڑ کر یہ کہتے ہیں کہ نہیں صاحب! ہمارے ہاں تو یہ بات نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تو اسلام نے فلاں حق دیا ہے اور اس کام کے لئے قرآن کو سنت کو توڑ مروڑ کر کسی نہ کسی طرح ان کی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں یاد رکھئے **ولن ترضی عنک الیھود ولاالنصٰری حتی تتبع ملتھم . قل ان ھدی اللہ ھوالھدی** (یہ یہود اور نصاریٰ آپ سے ہرگز اس وقت تک خوش نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کے دین کی اتباع نہیں کریں گے) لہذا جب تک اس پر نہیں آؤ گے کہ کتنا ہی کوئی اعتراض کرے لیکن ہدایت تو وہی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمائی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے لہذا کبھی ان نعروں سے مرعوب اور مغلوب نہ ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

(وعظ انسانی حقوق اور اسلام از اصلاحی خطبات ج ۴)

رزق حلال کی طلب

(عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة)(کنز العمال جلد ۴ حدیث نمبر ۹۲۳۱

رزق حلال کی طلب اہم فریضہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رزق حلال کو طلب کرنا دین کے اولین فرائض کے بعد دوسرے درجے کا فریضہ ہے۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے محدثین نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن علماء اُمت نے اس حدیث کو معنی کے اعتبار سے قبول کیا ہے اور اس بات پر ساری اُمت کے علماء کا اتفاق ہے کہ معنی کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عظیم اصول بیان فرمایا ہے، وہ یہ کہ رزق حلال کو طلب کرنا دین کے اولین فرائض کے بعد دوسرے درجے کا فریضہ ہے۔ یعنی دین کے اولین فرائض تو وہ ہیں جو ارکان اسلام کہلاتے ہیں اور جن کے بارے میں ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ چیزیں دین میں فرض ہیں۔ مثلاً نماز پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، روزہ رکھنا، حج کرنا وغیرہ۔ یہ سب دین کے اولین فرائض ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان دینی فرائض کے بعد دوسرے درجے کا فریضہ "رزق حلال کو طلب کرنا اور رزق حلال کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا" ہے۔ یہ ایک مختصر سا ارشاد اور مختصر سی تعلیم ہے، لیکن اس حدیث میں بڑے عظیم علوم بیان فرمائے گئے ہیں۔ اگر آدمی اس حدیث میں غور کرے تو دین کی فہم عطا کرنے کے لئے اس میں بڑا سامان ہے۔

رزق حلال کی طلب دین کا حصہ ہے

اس حدیث سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ہم اور آپ رزق حلال کی طلب میں جو کچھ

کارروائی کرتے ہیں' چاہے وہ تجارت ہو' چاہے وہ کاشت کاری ہو' چاہے وہ ملازمت ہو' چاہے وہ مزدوری ہو' یہ سب کام دین سے خارج نہیں ہیں بلکہ یہ سب بھی دین کا حصہ ہیں اور نہ صرف یہ کہ یہ کام جائز اور مباح ہیں بلکہ ان کو فریضہ قرار دیا گیا ہے اور نماز' روزے کے فرائض کے بعد اس کو بھی دوسرے درجے کا فریضہ قرار دیا گیا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کام نہ کرے اور رزق حلال کی طلب نہ کرے بلکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر گھر میں بیٹھ جائے تو وہ محض فریضہ کے ترک کرنے کا گناہ گار ہوگا' اس لئے کہ اس نے ایک فرض اور واجب کام کو چھوڑ رکھا ہے کیونکہ شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ انسان سست ہو کر اور بیکار ہو کر نہ بیٹھ جائے اور کسی دوسرے کا دست نگر نہ بنے' اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ اور ان چیزوں سے بچنے کا راستہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما دیا کہ آدمی اپنی وسعت اور کوشش کے مطابق رزق حلال طلب کرتا رہے تاکہ کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہ آئے کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق ہمارے اوپر واجب فرمائے ہیں' اسی طرح کچھ حقوق ہمارے اوپر ہمارے نفس سے متعلق اور ہماری ذات سے متعلق اور ہمارے گھر والوں سے متعلق بھی واجب فرمائے ہیں' اور رزق حلال کی طلب کے بغیر یہ حقوق ادا نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان حقوق کی ادائیگی کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی رزق حلال طلب کرے۔

اسلام میں ''رہبانیت'' نہیں

اس حدیث کے ذریعہ اسلام نے ''رہبانیت'' کی جڑ کاٹ دی۔ عیسائی مذہب میں رہبانیت کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا راستہ اور طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے دنیاوی کاروبار کو چھوڑے اور اپنے نفس اور ذات کے مطالبوں کو ختم کرے اور جنگل میں جا کر بیٹھ جائے اور وہاں پر اللہ اللہ کیا کرے۔ بس اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے اندر نفسانی تقاضے رکھے' بھوک اس کو لگتی ہے' پیاس اس کو لگتی ہے' جسم ڈھانپنے کے لئے اس کو کپڑے کی بھی ضرورت

ہے۔ سر چھپانے کے لئے اس کو مکان کی بھی ضرورت ہے۔ یہ سارے تقاضے ہم نے اس کے اندر پیدا کئے۔ اب ہمارا مطالبہ اس انسان سے یہ ہے کہ وہ ان تقاضوں کو بھی پورا کرے اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے حقوق بھی ادا کرے' تب وہ انسان کامل بنے گا۔ اور اگر وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا تو ایسا انسان چاہے کتنا ہی ذکر و شغل میں مشغول ہو لیکن ایسا شخص ہمارے یہاں قبولیت کا اور قرب کا مقام حاصل نہیں کر سکتا۔

حضور ﷺ اور رزق حلال کے طریقے

دیکھئے! جتنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں تشریف لائے' ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے کسب حلال کا کام ضرور کرایا اور حلال رزق کے حصول کے لئے ہر نبی نے جدوجہد کی' کوئی نبی مزدوری کرتے تھے' کوئی نبی بڑھئی کا کام کرتے تھے' کوئی نبی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے پہاڑوں پر اجرت پر بکریاں چرائیں۔ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یاد ہے کہ میں اجیاد کے پہاڑ پر لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ بہر حال' بکریاں آپ نے چرائی' مزدوری آپ نے کی' تجارت آپ نے کی' چنانچہ تجارت کے سلسلے میں آپ نے شام کے دو سفر کئے' جس میں آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا سامان تجارت لے کر شام تشریف لے گئے۔ زراعت آپ نے کی۔ مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلے پر مقام جُرف تھا' وہاں پر آپ نے زراعت کا کام کیا۔ لہٰذا کسب حلال کے جتنے طریقے ان سب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اور آپ کی سنت موجود ہے۔ اگر کوئی شخص ملازمت کر رہا ہے تو یہ نیت کر لے کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں یہ ملازمت کر رہا ہوں۔ اگر کوئی شخص تجارت کر رہا ہے تو وہ یہ نیت کر لے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں تجارت کر رہا ہوں اور اگر کوئی زراعت کر رہا ہو تو وہ یہ نیت کر لے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں زراعت کر رہا ہوں تو اس صورت میں یہ سب کام دین کا حصہ بن جائیں گے۔

مؤمن کی دنیا بھی دین ہے

اس حدیث نے ایک غلط فہمی یہ دور کر دی ہے کہ دین اور چیز کا نام ہے اور دنیا کسی الگ

چیز کا نام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان غور سے دیکھے تو ایک مؤمن کی دنیا بھی دین ہے، جس کام کو وہ دنیا کا کام سمجھ رہا ہے، یعنی رزق حاصل کرنے کی فکر اور کوشش، یہ بھی درحقیقت دین ہی کا حصہ ہے، بشرطیکہ اس کو صحیح طریقے سے کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی اتباع میں کرے۔ بہر حال ایک بات تو اس سے یہ معلوم ہوئی کہ رزق حلال کی طلب بھی دین کا حصہ ہے۔ اگر یہ بات ایک مرتبہ ذہن میں بیٹھ جائے تو پھر بے شمار گمراہیوں کا راستہ بند ہو جائے۔

بعض صوفیاء کرامؒ کا توکل کر کے بیٹھ جانا

بعض صوفیاء کرام کی طرف یہ منسوب ہے اور ان سے یہ طرز عمل منقول ہے کہ انہوں نے کوئی پیشہ اختیار نہیں کیا اور رزق کی طلب میں کوئی کام نہیں کیا بلکہ توکل کی زندگی اس طرح گزار دی کہ بس اپنی جگہ پر بیٹھے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ غیب سے بھیج دیا اور اس پر شکر کیا اور قناعت کر لی، اگر نہیں بھیجا تو صبر کر لیا، بعض صوفیاء کرام سے یہ طرز عمل منقول ہے۔ اس بارے میں یہ سمجھ لیں کہ صوفیاء کرام سے اس قسم کا جو طرز عمل منقول ہے۔ وہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ صوفیاء کرام ایسے تھے جن پر غلبہ حال کی کیفیت طاری ہوئی اور وہ استغراق کے عالم میں تھے اور اپنے عام ہوش و حواس کے عالم میں نہیں تھے، اور جب انسان اپنے ہوش و حواس میں نہ ہو تو وہ احکام شریعت کا مکلف نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے اگر ان صوفیاء کرامؒ نے یہ طرز عمل اختیار کیا تو یہ ان کا اپنا مخصوص معاملہ تھا، تمام اُمت کے لئے وہ عام حکم نہیں تھا۔

یا پھر ان صوفیاء کرام کا توکل اتنا زبردست اور کامل تھا کہ وہ اس بات پر راضی تھے کہ اگر ہم پر مہینوں فاقہ بھی گزرتا ہے تو ہمیں کوئی فکر نہیں، ہم نہ تو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں گے، نہ کسی کے سامنے شکوہ کریں گے۔ یہ صوفیاء بڑے مضبوط اعصاب کے مالک تھے، بڑے اعلیٰ درجے کے مقامات پر فائز تھے، انہوں نے اسی پر اکتفا کیا کہ ہم اپنے ذکر و شغل میں مشغول رہیں گے اور اس کے نتیجے میں فاقے کی نوبت آتی ہے تو کوئی بات نہیں اور ان کے ساتھ دوسروں کے حقوق وابستہ نہیں تھے، نہ بیوی بچے تھے کہ ان کو کھانا کھلانا ہو، لہٰذا یہ ان صوفیاء کرام کے مخصوص حالات تھے، اور ان کا خاص طرز عمل تھا جو عام لوگوں کے لئے اور ہم جیسے کمزوروں

کے لئے قابل تقلید نہیں ہے۔ ہمارے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کا جو راستہ بتایا وہ یہ ہے کہ رزق حلال کی طلب دوسرے دینی فرائض کے بعد دوسرے درجے کا فریضہ ہے۔

طلب ''حلال'' کی ہو

دوسری بات یہ ہے کہ رزق طلب کرنا فریضہ اس وقت ہے جب طلب حلال کی ہو' روٹی' کپڑا اور پیسہ بذات خود مقصود نہیں ہے' یہ نیت نہ ہو کہ بس پیسہ حاصل کرنا ہے' چاہے جس طرح بھی حاصل ہو' چاہے جائز طریقے سے حاصل ہو یا ناجائز طریقے سے حاصل ہو' حلال طریقے سے حاصل ہو یا حرام طریقے سے حاصل ہو۔ اس صورت میں یہ طلب' طلب حلال نہ ہوئی' جس کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور جس کو فریضہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ مؤمن کا یہ عمل اس وقت دین بنتا ہے جب وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق اس کو حاصل کرے۔ اب اگر اس نے حلال و حرام کی تمیز ہٹا دی اور جائز و ناجائز کا سوال ذہن سے مٹا دیا تو پھر ایک مسلمان میں اور کافر میں رزق حاصل کرنے کے اعتبار سے کوئی فرق نہ رہا۔ بات تو جبھی بنے گی جب وہ رزق تو ضرور طلب کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود کے اندر کرے۔ اس کو ایک ایک پیسے کے بارے میں فکر لاحق ہو کہ یہ پیسہ حلال طریقے سے آ رہا ہے یا حرام طریقے سے آ رہا ہے' یہ پیسہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق آ رہا ہے یا اس کے خلاف آ رہا ہے' اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف آ رہا ہے تو اس کو جہنم کا انگارہ سمجھ کر چھوڑ دے۔ کتنی بڑی سے بڑی دولت ہو' لیکن اگر وہ حرام طریقے سے آ رہی ہے تو اس کو لات مار دے اور کسی قیمت پر بھی اس حرام کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے پر راضی نہ ہو۔

محنت کی ہر کمائی حلال نہیں ہوتی

بعض لوگوں نے وہ ذریعہ معاش اختیار کر رکھا ہے جو حرام ہے اور شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی' مثلاً سود کا ذریعہ معاش اختیار کیا ہوا ہے' اب اگر ان سے کہا جائے کہ یہ تو ناجائز اور حرام ہے' اس طریقے سے پیسے نہیں کمانے چاہئیں' تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہم تو اپنی محنت کا کھا رہے ہیں' اپنی محنت لگا رہے ہیں' اپنا وقت صرف کر رہے ہیں' اب اگر وہ کام

حرام اور نا جائز ہے تو ہمارا اس سے کیا تعلق؟

خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر محنت جائز نہیں ہوتی' بلکہ وہ محنت جائز ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو' اگر اس طریقے کے خلاف انسان ہزار محنت کر لے لیکن اس کے ذریعہ جو پیسے کمائے گا وہ پیسے حلال کے نہیں ہوں گے بلکہ حرام ہوں گے۔ اب کہنے کو تو ایک "طوائف" بھی محنت کرتی ہے وہ بھی کہہ سکتی ہے کہ میں اپنی محنت کے ذریعہ پیسے کما رہی ہوں' لہٰذا میری آمدنی حلال ہونی چاہئے۔ اسی طرح آمدنی کے جو ذرائع حرام ہیں ان کو یہ کہہ کر حلال کرنے کی کوشش کرنا کہ یہ ہماری محنت کی آمدنی ہے۔ شرعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہ روزگار حلال ہے یا حرام؟

لہٰذا جب روزگار کا کوئی ذریعہ سامنے آئے تو پہلے یہ دیکھو کہ وہ طریقہ جائز ہے یا نہیں ؟ شریعت نے اس کو حلال قرار دیا یا حرام؟ اگر شریعت نے حرام قرار دیا ہے تو پھر اس ذریعہ آمدنی سے خواہ کتنے ہی دنیاوی فائدے حاصل ہو رہے ہوں' انسان اس کو چھوڑ دے' اور اس ذریعہ کو اختیار کرے جو اللہ کو راضی کرنے والا ہو' چاہے اس میں آمدنی اور منافع کم ہو۔

بینک کا ملازم کیا کرے؟

چنانچہ بہت سے لوگ بینک کی ملازمت کے اندر مبتلا ہیں اور بینک کے اندر بہت سارا کاروبار سود پر ہوتا ہے۔ اب جو شخص وہاں ملازم ہے اگر وہ سود کے کاروبار میں ان کے ساتھ معاون بن رہا ہے تو یہ ملازمت نا جائز اور حرام ہے۔ چنانچہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بینک کی ایسی ملازمت میں مبتلا ہو اور بعد میں اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیں اور اس کو بینک کی ملازمت چھوڑنے کی فکر ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ کوئی جائز ذریعہ آمدنی تلاش کرے اور جب دوسرا ذریعہ آمدنی مل جائے تو اس کو چھوڑ دے۔ لیکن جائز ذریعہ آمدنی اس طرح تلاش کرے جس طرح ایک بے روزگار آدمی تلاش کرتا ہے' یہ نہ ہو کہ بے فکری کے ساتھ بینک کی نا جائز ملازمت میں لگا ہوا ہے اور ذہن میں یہ بٹھا رکھا ہے کہ جب دوسری ملازمت مل جائے گی تو اس کو چھوڑ دوں گا بلکہ اس طرح تلاش کرے جس طرح ایک

بے روزگار آدمی تلاش کرتا ہے' اور جب دوسری ملازمت مل جائے تو موجودہ ملازمت کو ترک کردے اور اس کو اختیار کرلے' چاہے اس میں آمدنی کم ہو۔

حلال روزی میں برکت

اللہ تعالیٰ نے حلال روزی کے اندر جو برکت رکھی ہے وہ حرام کے اندر نہیں رکھی۔ حرام کی بہت بڑی رقم سے وہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا جو حلال کی تھوڑی سی رقم میں حاصل ہو جاتا ہے۔ حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وضو کے بعد یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللھم اغفرلی ذنبی ووسع لی فی داری وبارک لی فی رزقی

(ترمذی' کتاب الدعوات' باب دعاء یقال فی اللیل۔ حدیث نمبر ۳۴۹۶)

اے اللہ' میرے گناہ کی مغفرت فرما اور میرے گھر میں وسعت فرما اور میرے رزق میں برکت عطا فرما۔ آجکل لوگ برکت کی قدر و قیمت کو نہیں جانتے بلکہ روپے پیسے کی گنتی کو جانتے ہیں' یہ دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں کہ ہمارا بینک بیلنس بہت زیادہ ہو گیا' روپے کی گنتی زیادہ ہو گئی' لیکن اس روپے سے کیا فائدہ حاصل ہوا' ان روپوں سے کتنی راحت ملی' کتنا سکون حاصل ہوا؟ اس کا حساب نہیں کرتے۔ لاکھوں کا بینک بیلنس ہے' لیکن سکون میسر نہیں' راحت میسر نہیں۔ بتایئے! وہ لاکھوں کا بینک بیلنس کس کام کا؟ اور اگر پیسے تو تھوڑے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے راحت اور سکون عطا فرمایا ہوا ہے تو درحقیقت ''برکت'' ہے اور یہ ''برکت'' وہ چیز ہے جو بازار سے خرید کر نہیں لائی جا سکتی' لاکھوں اور کروڑوں خرچ کر کے بھی حاصل نہیں کی جا سکتی' بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی دین اور اس کی عطا ہے' اللہ تعالیٰ جس کو عطا فرما دیں اسی کو یہ برکت نصیب ہوتی ہے' دوسرے کو نصیب نہیں ہوتی اور یہ برکت حلال رزق میں ہوتی ہے' حرام مال کے اندر یہ برکت نہیں ہوتی' چاہے وہ حرام مال کتنا زیادہ حاصل ہو جائے' اس لئے انسان جو کما رہا ہے وہ اس کی فکر کرے کہ یہ لقمہ جو میرے اور بیوی بچوں کے حلق میں جا رہا ہے' اور یہ پیسہ جو میرے پاس آ رہا ہے' یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے یا نہیں؟ شریعت کے احکام کے مطابق ہے یا نہیں؟ ہر انسان اپنے اندر یہ فکر پیدا کرے۔

تنخواہ کا یہ حصہ حرام ہوگیا

پھر بعض حرام مال وہ ہیں جن کا علم سب کو ہے' مثلاً سب جانتے ہیں کہ سود حرام ہے' رشوت لینا حرام ہے وغیرہ لیکن ہماری زندگی میں ان کے علاوہ بھی بہت سی آمدنیاں اس طرح داخل ہوگئی ہیں کہ ہمیں ان کے بارے میں یہ احساس بھی نہیں کہ یہ آمدنیاں حرام ہیں' مثلاً آپ نے کسی جگہ پر جائز اور شریعت کے مطابق ملازمت اختیار کر رکھی ہے' لیکن ملازمت کا جو وقت طے ہو چکا ہے اس وقت میں آپ کمی کر رہے ہیں اور پورا وقت نہیں دے رہے ہیں بلکہ ڈنڈی مار رہے ہیں' جیسے ایک شخص کی آٹھ گھنٹے ڈیوٹی ہے مگر وہ ان میں سے ایک گھنٹہ چوری چھپے دوسرے کاموں میں ضائع کر دیتا ہے' اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مہینے کے ختم پر جو تنخواہ ملے گی اس کا آٹھواں حصہ حرام ہوگیا۔ وہ آٹھواں حصہ رزق حلال نہ رہا بلکہ وہ رزق حرام ہوگیا' لیکن ہمیں اس کا احساس ہی نہیں کہ یہ حرام مال ہماری آمدنی میں شامل ہو رہا ہے۔

یہ بے برکتی کیوں نہ ہو

آج ہم لوگ جو بے برکتی کی وجہ سے پریشان ہیں اور ہر شخص رونا رو رہا ہے' جو لکھ پتی ہے وہ بھی رو رہا ہے اور جو کروڑ پتی ہے وہ بھی رو رہا ہے کہ صاحب خرچہ پورا نہیں ہوتا اور مسائل حل نہیں ہوتے' درحقیقت یہ بے برکتی اس لئے ہے کہ حلال وحرام کی تمیز اور اس کی فکر اٹھ گئی ہے۔ بس چند مخصوص چیزوں کے بارے میں تو یہ ذہن میں بٹھا لیا ہے کہ یہ حرام ہیں' ان سے تو کسی نہ کسی طریقے سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں' لیکن مختلف ذرائع سے جو یہ حرام پیسے ہماری آمدنیوں میں داخل ہو رہے ہیں ان کی فکر نہیں۔

حلال وحرام کی فکر پیدا کریں

لہٰذا ہر کام کرتے وقت یہ دیکھو کہ جو کام میں کر رہا ہوں یہ حق ہے یا ناحق ہے۔ اگر انسان اس فکر کے ساتھ زندگی گزارے کہ ناحق کوئی پیسہ اس کے مال کے اندر شامل نہ ہو تو یقین رکھئے پھر اگر ساری عمر نوافل نہ پڑھیں اور ذکر و تسبیح نہ کی لیکن اپنے آپ کو حرام سے بچا کر قبر تک لے گیا تو انشاءاللہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ اور اگر حلال وحرام کی فکر تو نہیں کی

مگر تہجد کی نماز بھی پڑھ رہا ہے' اشراق کی نماز بھی پڑھ رہا ہے' ذکر و تسبیح بھی کر رہا ہے تو یہ نوافل اور یہ ذکر انسان کو حرام مال کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہر مسلمان کی حفاظت فرمائے۔ آمین

یہاں تو آدمی بنائے جاتے ہیں

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ خانقاہوں میں ذکر و شغل سیکھنے کے لئے جاتے ہیں اگر ذکر و شغل سیکھنا ہے تو بہت ساری خانقاہیں کھلی ہیں وہاں چلا جائے' لیکن ہمارے یہاں تو آدمی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور شریعت کے جو احکام ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی فکر پیدا کی جاتی ہے۔ چنانچہ ریلوے اسٹیشن پر اگر کوئی ڈاڑھی والا آدمی اپنا سامان وزن کرانے کے لئے بکنگ آفس پہنچتا تو وہ دفتر والے اس کو دیکھتے ہی پہچان لیتے کہ اس کا تعلق تھانہ بھون سے ہے' لہٰذا اس سے خود پوچھ لیتے کہ آپ تھانہ بھون جا رہے ہیں؟

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اپنے تعلق رکھنے والوں میں سے کسی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے معمولات چھوٹ گئے ہیں تو مجھے زیادہ دکھ اور شکایت نہیں ہوتی لیکن اگر کسی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے حلال و حرام کو ایک کر رکھا ہے اور اس کو معاملات کے اندر حلال و حرام کی فکر نہیں ہے تو مجھے اس شخص سے نفرت ہو جاتی ہے۔

ایک خلیفہ کا سبق آموز واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بڑے خلیفہ تھے جن کو آپ نے باقاعدہ خلافت عطا فرمائی تھی۔ ایک مرتبہ وہ ایک سفر سے تشریف لائے تو ان کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا' حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام دعا ہوئی' خیریت معلوم کی۔ حضرت والا نے پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ فلاں جگہ سے آ رہا ہوں۔ حضرت نے پوچھا کہ ریل گاڑی سے آ رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ حضرت نے پوچھا کہ یہ بچہ جو تمہارے ساتھ ہے' اس کا ٹکٹ پورا لیا تھا یا آدھا لیا

تھا؟ اب آپ اندازہ لگائیں کہ خانقاہ کے اندر پیر صاحب اپنے مرید سے یہ سوال کر رہے ہیں کہ بچے کا ٹکٹ پورا لیا تھا یا آدھا لیا تھا؟ جبکہ دوسری خانقاہوں میں یہ سوال کرنے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ دوسری خانقاہوں میں تو یہ سوال ہوتا ہے کہ معمولات پورے کئے تھے یا نہیں؟ تہجد کی نماز پڑھی تھی یا نہیں؟ اشراق کی نماز پڑھی تھی یا نہیں؟ لیکن یہاں یہ سوال ہو رہا ہے کہ یہ بچہ جو آپ کے ساتھ ہے اس کا ٹکٹ آدھا لیا تھا یا پورا لیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت آدھا لیا تھا۔ حضرت نے پھر سوال کیا کہ اس بچے کی عمر کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت! یہ بچہ ویسے تو تیرہ سال کا ہے لیکن دیکھنے میں بارہ سال کا لگتا ہے اس لئے آدھا ٹکٹ لیا تھا۔ یہ جواب سن کر حضرت والا کو سخت رنج ہوا اور ان سے خلافت واپس لے لی اور فرمایا کہ مجھ سے غلطی ہوئی، تم اس لائق نہیں ہو کہ تمہیں خلافت دی جائے اور تمہیں مجاز بنایا جائے، اس لئے کہ تمہیں حلال وحرام کی فکر نہیں، جب بچے کی عمر بارہ سال سے زیادہ ہوگئی، چاہے ایک دن ہی زیادہ کیوں نہ ہوئی ہو تو اس وقت تم پر واجب تھا کہ تم بچے کا پورا ٹکٹ لیتے۔ تم نے آدھا ٹکٹ لے کر جو پیسے بچائے وہ حرام کے پیسے بچائے اور جس کو حرام سے بچنے کی فکر نہ ہو وہ خلیفہ بننے کا اہل نہیں۔ چنانچہ خلافت واپس لے لی۔

اگر کوئی شخص حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے آکر کہتا کہ حضرت معمولات ترک ہو گئے۔ تو حضرت والا فرماتے کہ معمولات ترک ہو گئے تو استغفار کرو اور دوبارہ شروع کر دو اور ہمت سے کام لو اور اس بات کا دوبارہ عزم کرو کہ آئندہ ترک نہیں کریں گے اور معمولات ترک کرنے کی بناء پر کبھی خلافت واپس نہیں لی لیکن حلال وحرام کی فکر نہ کرنے پر خلافت واپس لے لی، اس لئے جب حلال وحرام کی فکر نہ ہو تو وہ انسان نہیں۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **طلب الحلال فریضة بعد الفریضة** حلال کی طلب دوسرے فرائض کے بعد یہ بھی فرض ہے۔

حرام مال حلال مال کو بھی تباہ کر دیتا ہے

لہٰذا ہم میں سے ہر شخص اپنا جائزہ لے کہ جو پیسے اس کے پاس آرہے ہیں اور جو کام وہ کر رہا ہے ان میں کہیں حرام مال کی آمیزش تو نہیں ہے۔ حرام مال کی آمیزش کی چند مثالیں

میں نے آپ کے سامنے سمجھانے کے لئے پیش کر دیں ورنہ نہ جانے کتنے کام ایسے ہیں جن کے ذریعہ نادانستہ طور پر اور غیر شعوری طور پر ہمارے حلال مال میں حرام مال کی آمیزش ہو جاتی ہے اور بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جب کبھی کسی حلال مال کے ساتھ حرام مال لگ جاتا ہے تو وہ حرام حلال کو بھی تباہ کر کے چھوڑتا ہے' یعنی اس حرام مال کے شامل ہونے کے نتیجے میں حلال مال کی برکت' اس کا سکون اور راحت تباہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہر شخص اس کی فکر کرے اور ہر شخص اپنے ایک ایک عمل کا جائزہ لے اور اپنی آمدنی کا جائزہ لے کہ ہمارے حلال مال میں کہیں کوئی حرام مال تو شامل نہیں ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس فکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

رزق کی طلب مقصود زندگی نہیں

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس حدیث نے جہاں ایک طرف رزق حلال کی اہمیت بتائی کہ رزق حلال کی طلب دین سے خارج کوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے' وہاں اس حدیث نے ہمیں رزق حلال کی طلب کا درجہ بھی بتا دیا کہ اس کا کتنا درجہ اور کتنی اہمیت ہے۔ آج کی دنیا نے معاش کو' معیشت کو اور روپے پیسے کمانے کو اپنی زندگی کا مقصد اصلی قرار دے رکھا ہے' آج ہماری ساری دوڑ دھوپ اسی کے گرد گھوم رہی ہے کہ پیسہ کس طرح حاصل ہو' کس طرح پیسوں میں اضافہ کیا جائے اور کس طرح اپنی معیشت کو ترقی دی جائے' اور اسی کو ہم نے اپنی زندگی کی آخری منزل قرار دے رکھا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بتا دیا کہ رزق حلال کی طلب فریضہ تو ہے لیکن دوسرے فرائض دینیہ کے بعد اس کا درجہ آتا ہے' یہ انسان کی زندگی کا مقصد اصلی نہیں ہے بلکہ یہ ایک ضرورت ہے اور اس ضرورت کے تحت انسان کو نہ صرف یہ کہ رزق حلال کے طلب کی اجازت دی گئی ہے بلکہ اس کی ترغیب اور تاکید کی گئی ہے کہ تم رزق حلال طلب کرو' لیکن یہ رزق حلال کی طلب تمہارا مقصد زندگی نہیں ہے بلکہ مقصد زندگی کچھ اور ہے اور وہ اللہ جل جلالہ کے ساتھ تعلق قائم کرنا' اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کرنا ہے۔ یہ انسان کا اصل مقصد زندگی ہے اور معیشت کا درجہ اس کے بعد آتا ہے۔

رزق کی طلب میں فرائض کا ترک جائز نہیں

لہٰذا جس جگہ پر معیشت میں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کے درمیان ٹکراؤ ہو جائے، وہاں پر اللہ تعالیٰ کے عائد کئے ہوئے فرائض کو ترجیح ہوگی۔ بعض لوگ افراط کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں، جب انہوں نے یہ سنا کہ طلب حلال بھی دین کا ایک حصہ ہے تو اس کو اتنا آگے بڑھایا کہ اس طلب حلال کے نتیجے میں اگر نمازیں ضائع ہو رہی ہیں تو ان کو اس کی پرواہ نہیں، روزے چھوٹ رہے ہیں تو ان کو اس کی پرواہ نہیں، حلال وحرام ایک ہو رہا ہے تو ان کو اس کی پرواہ نہیں۔ اگر ان سے کہا جائے کہ نماز پڑھو تو جواب دیتے ہیں کہ یہ کام جو ہم کر رہے ہیں یہ بھی تو دین کا ایک حصہ ہے، ہمارے دین میں دین و دنیا کی کوئی تفریق نہیں، لہٰذا جو کام ہم کر رہے ہیں یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے۔

ایک لوہار کا قصہ

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے ولی اللہ، فقیہ اور محدث اور صوفی تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے درجات عطا فرمائے تھے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ جواب میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا اکرام فرمایا اور بہت کچھ نوازشیں فرمائیں، لیکن میرے گھر کے سامنے ایک لوہار رہتا تھا، اس لوہار کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام بخشا وہ ہمیں نصیب نہ ہو سکا۔ جب اس شخص کی آنکھ کھلی تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ پتہ کرنا چاہئے کہ وہ کون لوہار تھا اور وہ کیا عمل کرتا تھا کہ اس کا درجہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آگے بڑھ گیا۔ چنانچہ وہ شخص حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے محلے میں گیا اور معلومات کیں تو پتہ چلا کہ واقعۃً ان کے گھر کے سامنے ایک لوہار رہتا تھا اور اس کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ اس کے گھر جا کر اس کی بیوی سے پوچھا کہ تمہارا شوہر کیا کام کرتا تھا؟ اس نے بتایا کہ وہ تو لوہار تھا اور سارا دن لوہا کوٹتا رہتا تھا۔ اس شخص نے کہا کہ اس کا کوئی خاص عمل اور خاص نیکی بتاؤ

جو وہ کیا کرتا تھا' اس لئے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ اس کا مقام ہم سے بھی آگے بڑھ گیا۔

تہجد نہ پڑھنے کی حسرت

اس کی بیوی نے کہا کہ وہ سارا دن تو لوہا کوٹتا رہتا تھا' لیکن ایک بات اس کے اندر یہ تھی کہ چونکہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہمارے گھر کے سامنے رہتے تھے' رات کو جس وقت وہ تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے گھر کی چھت پر اس طرح کھڑے ہو جاتے جس طرح کوئی لکڑی کھڑی ہوتی ہے اور کوئی حرکت نہیں کرتے تھے۔ جب میرا شوہر ان کو دیکھتا تو یہ کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فراغت عطا فرمائی ہوئی ہے یہ ساری رات کیسی عبادت کرتے ہیں' ان کو دیکھ کر رشک آتا ہے' اگر ہمیں بھی اپنے مشغلے سے فراغت نصیب ہوتی تو ہمیں بھی اسی طرح تہجد پڑھنے کی توفیق ہو جاتی۔ چنانچہ وہ حسرت کیا کرتا تھا کہ میں چونکہ دن بھر لوہا کوٹتا ہوں پھر رات کو تھک کر سو جاتا ہوں' اس لئے اس طرح تہجد پڑھنے کی نوبت نہیں آتی۔

نماز کے وقت کام بند

دوسری بات اس کے اندر یہ تھی کہ جب وہ لوہا کوٹ رہا ہوتا تھا اور اس وقت اس کے کان میں آذان کی آواز "اللہ اکبر" آجاتی تو اگر اس وقت اس نے اپنا ہتھوڑا سر سے اونچا ہاتھ میں اٹھایا ہوا ہوتا تو اس وقت یہ گوارہ نہ کرتا تھا کہ اس ہتھوڑے سے ایک مرتبہ اور لوہے پر مار دے' بلکہ اس ہتھوڑے کو پیچھے کی طرف پھینک دیتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ اب آذان کی آواز سننے کے بعد اس ہتھوڑے سے ضرب لگانا میرے لئے درست نہیں' پھر نماز کے لئے مسجد کی طرف چلا جاتا تھا۔ جس شخص نے یہ خواب دیکھا تھا اس نے یہ باتیں سن کر کہا کہ بس یہی وجہ ہے جس نے ان کا مرتبہ اتنا بلند کر دیا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس پر رشک آرہا ہے۔

ٹکراؤ کے وقت یہ فریضہ چھوڑ دو

آپ نے دیکھا کہ وہ لوہار جو لوہا کوٹنے کا کام کر رہا تھا' یہ بھی کسب حلال کا فریضہ تھا اور جب آذان کی آواز آئی تو وہ اولین فریضے کی پکار تھی' جس وقت دونوں میں ٹکراؤ ہوا تو اس نے اللہ والے اور اولین فریضے کو ترجیح دی اور دوسرے فریضے کو چھوڑ دیا' اس کی وجہ سے

اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرما دیا۔ لہٰذا جہاں ٹکراؤ ہو جائے وہاں اولین فریضے کو اختیار کر لو اور کسب حلال کے فریضے کو چھوڑ دو۔

ایک جامع دعا

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔ **اللھم لا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا غایۃ رغبتنا** (ترمذی، دعوات، حدیث نمبر ۳۵۶۹)

اے اللہ! ہمارا سب سے بڑا غم دنیا کو نہ بنایئے کہ ہمارے دماغ پر سب سے بڑا غم دنیا کا مسلط ہو کہ پیسے کہاں سے آئیں، بنگلہ کیسے بن جائے اور کار کیسے حاصل ہو جائے اور اے اللہ! ہمارے سارے علم کا مبلغ دنیا کو نہ بنایئے کہ جو کچھ علم ہے وہ بس دنیا کا علم ہے اور اے اللہ! نہ ہماری رغبت کی انتہا دنیا کو بنایئے کہ جو کچھ دل میں رغبت پیدا ہو وہ دنیا ہی کی ہو اور آخرت کی رغبت پیدا نہ ہو۔

بہر حال، اس حدیث نے تیسرا سبق یہ دے دیا کہ کسب حلال کا درجہ دوسرے فرائض دینیہ کے بعد ہے۔ یہ دنیا ضرورت کی چیز تو ہے لیکن مقصد بنانے کی چیز نہیں ہے۔ یہ دنیا انہماک کی چیز نہیں ہے کہ دن رات آدمی اسی دنیا کی فکر میں منہمک رہے اور اس کے علاوہ کوئی اور فکر اور دھیان انسان کے دماغ پر نہ رہے۔

خلاصہ تین سبق

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث سے تین سبق معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ طلب حلال بھی دین کا ایک حصہ ہے، دوسرا یہ کہ انسان طلب حلال کی کرے اور حرام سے بچنے کی فکر کرے۔ اور تیسرا یہ کہ انسان اس معیشت کی سرگرمی کو صحیح مقام پر رکھے اور اس کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بنائے۔ اس لئے کہ اولین فرائض دینیہ کے بعد یہ دوسرے درجے کا فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل و کرم سے اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(وعظ رزق حلال طلب کریں از اصلاحی خطبات ج ۱۰)

حرام مال سے بچاؤ

سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوابها الی الحکام لتا کلو ا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون.**

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے مت کھاؤ' اور ان (کے جھوٹے مقدمے) کو حکام کے پاس اس غرض سے مت لے جاؤ کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ گناہ کے طریقے پر کھا جاؤ' جبکہ تم کو اپنے جھوٹ اور ظلم کا علم بھی ہو۔ قرآن کریم کی اس آیت میں حرام طریقوں سے مال حاصل کرنے اور استعمال کرنے کی ممانعت بڑے جامع انداز میں بیان کی گئی ہے۔ یوں تو ہر قوم اور ہر مذہب وملت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مال حاصل کرنے کے کچھ طریقے پسندیدہ اور جائز ہیں اور کچھ ناپسندیدہ اور ممنوع' مثلاً چوری' ڈاکہ' دھوکہ' فریب کو ساری ہی دنیا برا سمجھتی ہے۔ لیکن ان ذرائع کے جائز یا ناجائز ہونے کا کوئی ایسا معیار نہ کسی قوم کے پاس ہے اور نہ ہوسکتا ہے جو پوری دنیا کے لئے معقول اور قابل قبول ہو' اس کا صحیح اور معقول معیار صرف وہی ہوسکتا ہے جو رب العالمین کی طرف سے بذریعہ وحی بھیجا گیا ہو' کیونکہ خالق کائنات ہی اپنے بندوں کی حقیقی مصلحتوں سے باخبر ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا جو قانون بنایا ہے وہ صراحۃً وحی الٰہی سے ماخوذ یا مستفاد ہے اس قانون میں ہر قدم پر اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی بھی انسان اپنی جدوجہد کے مطابق ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے اور کوئی انسان دوسروں کے حقوق غصب کرکے یا دوسروں کو نقصان پہنچا کر سرمایہ کو محدود افراد میں مقید نہ کردے بلکہ جو بھی ملکیت کسی کو حاصل ہو وہ قانون الٰہی کے مطابق ہو۔ آیت مذکورہ ان تمام ناجائز صورتوں کو شامل ہے اس میں سود' قمار' رشوت خوری' ملاوٹ'

دھوکہ، فریب، جھوٹے مقدمات غرض ان تمام ناجائز ذرائع آمدنی کو شامل ہے جنہیں اللہ تعالٰی نے ناجائز قرار دیا ہے، ارشاد ہے (ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل) یعنی نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے پر۔

اس میں ایک بات تو یہ قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے ''اموالکم'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے اصلی معنی یہ ہیں کہ ''نہ کھاؤ اپنے مال'' اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم جو کسی دوسرے کے مال میں ناجائز تصرف کرتے ہو تو یہ غور کرو کہ دوسرے شخص کو بھی اپنے مال سے ایسی ہی محبت ہوگی جیسی تمہیں اپنے مال سے محبت ہے۔ اگر وہ تمہارے مال میں ایسا ناجائز تصرف کرتا تو تمہیں جو دکھ پہنچتا ایسا ہی دکھ دوسرے کو بھی پہنچے گا۔ اس بات کا احساس اس وقت بھی اسی طرح کرو جیسے کہ وہ تمہارا مال ہے۔ اس کے علاوہ آیت کے ان الفاظ میں اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ جب ایک شخص دوسرے کے مال میں ناجائز تصرف کرتا ہے اور یہ رسم چل پڑی ہے تو اس کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کے مال میں ایسا ہی ناجائز تصرف کرتے ہیں۔ اس حیثیت سے کسی شخص کے مال میں ناجائز تصرف درحقیقت اپنے مال میں ناجائز تصرف کے لئے راستہ ہموار کرنا ہے۔ غور کیجئے کہ جب اشیاء ضرورت میں ملاوٹ کی رسم چل جائے تو ہوتا یہ ہے کہ ایک شخص گھی میں تیل یا چربی ملا کر زائد پیسے حاصل کرتا ہے لیکن جب اس کو دودھ خریدنے کی ضرورت پڑتی ہے تو دودھ والا اس میں پانی ملا کر دیتا ہے، مسالے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس میں ملاوٹ ملتی ہے، دوا لینے جاتا ہے تو وہاں کھوٹ ملتا ہے، اس طرح جتنے زائد پیسے اس نے ایک جگہ ملاوٹ کر کے حاصل کئے، دوسرے افراد دسیوں جگہ ملاوٹ کر کے اس کی جیب سے نکال لیتے ہیں۔ یہ بے چارہ اپنی جگہ پیسوں کی زیادتی شمار کر کے خوش ہوتا ہے، مگر انجام نہیں دیکھتا کہ اس کے پاس کیا رہا؟ اور حقیقت میں جو کوئی شخص دوسرے کا مال غلط طریقے سے حاصل کرتا ہے، درحقیقت وہ خود اپنے مال کے ناجائز تصرف کا دروازہ کھولتا ہے۔

یوں تو یہ ناجائز ذرائع آمدنی ہر وقت اور ہر زمانے میں ناجائز ہیں، لیکن کسی مقدس زمانے میں یا مقدس مقام پر ان کا ارتکاب کیا جائے تو ان کی قباحت اور بڑھ جاتی ہے خاص

طور سے رمضان کے مبارک مہینے میں کیونکہ اس مہینے میں ایک مسلمان اللہ کے حکم کی خاطر ناجائز اور مباح چیزوں (مثلاً کھانے پینے) کو چھوڑ دیتا ہے تو یہ بات بڑی شرم کی ہے کہ جو چیزیں ہمیشہ سے حرام تھیں انہیں ترک نہ کرے' لہٰذا اس مبارک مہینے میں اکلِ حلال کا زیادہ اہتمام لازمی ہے۔ حرام سے بچنے اور حلال کے حاصل کرنے کے لئے قرآن وسنت میں مختلف عنوانات سے تاکیدیں کی گئی ہیں' ایک آیت میں اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان کے اعمال واخلاق میں بہت بڑا دخل حلال کھانے کو ہے' اگر اس کا کھانا پینا حلال نہیں تو اس سے اچھے اخلاق واعمال کی توقع مشکل ہے۔ ارشاد ہے: **یایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً انی بما تعملون بصیر**۔ اے گروہ انبیاء! حلال اور پاک چیزیں کھاؤ' اور نیک عمل کرو' میں تمہارے اعمال کی حقیقت سے باخبر ہوں۔

اس آیت میں حلال کھانے کے ساتھ عمل صالح کا حکم فرما کر اشارہ کر دیا ہے کہ اعمال صالحہ کا صدور اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ انسان کا کھانا پینا حلال ہو' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ حرام مال کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی' فرمایا کہ بہت سے آدمی عبادت وغیرہ میں مشقت اٹھاتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ دعا کے لئے پھیلاتے ہیں' اور یارب یارب پکارتے ہیں مگر کھانا ان کا حرام' پینا ان کا حرام' لباس ان کا حرام تو ان کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لئے یہ دعا فرما دیجئے کہ میری ہر دعا قبول ہوا کرے۔ آپ نے فرمایا اے سعد! اپنا کھانا حلال اور پاک بنا لو۔ تمہاری دعائیں قبول ہونے لگیں گی' اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے' بندہ جب اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا اور جس شخص کا گوشت حرام مال سے بنا ہو' اس گوشت کیلئے تو جہنم کی آگ ہی زیادہ لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حرام مال سے اور دوسروں کے حقوق غصب کرنے سے محفوظ رکھے اور رزق حلال کی توفیق کامل عطا فرمائے۔ آمین۔ **وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین**۔

اولاد اور گھر والوں کے حقوق

(ارشاد حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ)

فرمایا: سادہ زندگی اختیار کیجئے۔ خوراک میں، لباس میں، اپنے گھروں سے تصاویر، ٹیلی ویژن، راگنی، نجس اور مکروہ چیزیں نکال دیجئے۔ مخرب اخلاق کتابیں جن سے بچوں کے اخلاق بگڑ رہے ہیں پھینک دیجئے، محرم نا محرم کا اختلاط بڑا فتنہ ہے۔ آج کل اسکولوں میں مخلوط تعلیم اور فنون لطیفہ کے نام سے بے دینی اور شیطان ابلیس کے طریقے نئی نسلوں کو سکھائے جا رہے ہیں ان سے اپنی اولاد کو بچائیے۔ آپ نے کہاں تک یہ حقوق ادا کئے ہیں اس کا کبھی مراقبہ کیجئے۔

تجارت
دین بھی دنیا بھی

مسلمان تاجر پر عائد فرائض کی نشاندہی
تجارت میں سچ بولنے کی فضیلت اور مقام
تجارت سے متعلق دیگر اسلامی احکام وآداب

تجارت دین بھی دنیا بھی

تاجروں کا حشر انبیاء کے ساتھ

اس مجمع میں جو دوست واحباب موجود ہیں۔ان میں سے اکثر کا تعلق چونکہ تجارت سے ہے۔اس لئے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں میرے ذہن میں آئیں۔ اور پھر قرآن کریم کی ایک آیت بھی میں نے تلاوت کی، جس سے ان دونوں حدیثوں کے مضمون کی وضاحت ہوتی ہے۔اور یہ دونوں حدیثیں بظاہر متضاد معلوم ہوتی ہیں۔لیکن حقیقت میں متضاد نہیں ہیں۔ایک حدیث میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

التاجر الصدوق الامین مع النبیین و الصدیقین و الشهداء.

جو تاجر تجارت کے اندر سچائی اور امانت کو اختیار کرے تو وہ قیامت کے دن انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ یہ تجارت جس کو ہم اور آپ دنیا کا ایک کام سمجھتے ہیں۔ اور دل میں یہ خیال رہتا ہے کہ یہ تجارت ہم اپنے پیٹ کے خاطر کر رہے ہیں، اور اس کا بظاہر دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر تاجر میں دو باتیں پائی جائیں۔ایک یہ کہ وہ صدوق ہو، اور امین ہو، صدوق کے لفظی معنی ہیں ''سچا'' اور امین کے معنی ہیں ''امانت دار'' اگر یہ دو صفتیں اس میں پائی جائیں تو قیامت کے دن وہ انبیاء کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ایک سچائی، اور ایک امانت۔

تاجروں کا حشر فاجروں کے ساتھ

اور دوسری حدیث جو بظاہر اس کے متضاد ہے۔وہ یہ ہے کہ:

التجار یحشرون یوم القیامة فجاراً الامن اتقی و بر و صدق.

''تجار'' قیامت کے دن فجار بنا کر اٹھائے جائیں گے، ''فجار'' فاجر کی جمع ہے، یعنی فاسق اور فاجر اور گناہ گار، جو اللہ تعالیٰ کی معصیتوں کا ارتکاب کرنے والا ہے، سوائے اس شخص کے جو تقویٰ اختیار کرے۔اور نیکی اختیار کرے، اور سچائی اختیار کرے۔

تاجروں کی دو قسمیں

یہ دونوں حدیثیں انجام کے لحاظ سے بظاہر متضاد نظر آتی ہیں کہ پہلی حدیث میں فرمایا کہ نبیوں کے ساتھ ہونگے، صدیق اور شہداء کے ساتھ ہونگے۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ حقیقت میں دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ بلکہ تاجروں کی دو قسمیں بیان کی گئیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو انبیاء اور صدیقین کے ساتھ ہوگی، اور ایک قسم وہ ہے جو فاجروں اور فاسقوں کے ساتھ ہوگی۔

اور دونوں قسموں میں فرق بیان کرنے کے لئے جو شرائط بیان فرمائیں وہ یہ ہیں کہ سچائی ہو، امانت ہو، تقویٰ ہو، نیکی ہو تو پھر وہ تاجر پہلی قسم میں داخل ہے اور اس کو انبیاء کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ اور اگر یہ شرائط اس کے اندر نہ ہوں، بلکہ صرف پیسہ حاصل کرنا مقصود ہو۔ جس طرح بھی ممکن ہو، چاہے دوسرے کی جیب پر ڈاکہ ڈال کر ہو، دھوکہ دے کر ہو، فریب دے کر ہو، جھوٹ بول کر ہو، دغا دے کر ہو، کسی بھی طریقے سے ہو تو پھر وہ تاجر دوسری قسم میں داخل ہے کہ اس کو فاسقوں اور فاجروں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

تجارت جنت کا سبب یا جہنم کا سبب

اگر ان دونوں حدیثوں کو ہم ملا کر دیکھیں تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو تجارت ہم کر رہے ہیں۔ لیکن اگر ہم چاہیں تو اس تجارت کو جنت تک پہنچنے کا راستہ بنالیں، انبیاء علیہم السلام کے ساتھ حشر ہونے کا ذریعہ بنالیں، اور اگر چاہیں تو اسی تجارت کو جہنم کا راستہ بنالیں اور فساق فجار کے ساتھ حشر ہونے کا ذریعہ بنالیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس دوسرے انجام سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین

ہر کام میں دو زاویئے

اور یہ بات صرف تجارت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ دنیا کے جتنے کام ہیں۔ خواہ وہ ملازمت ہو، خواہ وہ تجارت ہو، خواہ وہ زراعت ہو، یا کوئی اور دنیا کا کام ہو، ان سب میں یہی بات ہے کہ اگر اس کو انسان ایک زاویئے اور ایک طریقے سے دیکھے تو وہ دنیا ہے، اور اگر دوسرے زاویئے سے دیکھے تو وہی دین بھی ہے۔

زاویہ نگاہ بدل دیں

یہ دین درحقیقت صرف زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے۔ اگر آپ وہی کام دوسرے زاویہ سے کریں، دوسری نیت سے کریں۔ دوسرے ارادے سے کریں، دوسرے نقطہ نظر سے کریں تو وہی چیز جو بظاہر ٹھیٹ دنیاوی چیز نظر آ رہی تھی۔ دین بن جاتی ہے۔

کھانا کھانا عبادت ہے

اگر انسان کھانا کھا رہا ہے۔ تو بظاہر انسان اپنی بھوک دور کرنے کے لئے کھانا کھا رہا ہے۔ لیکن اگر کھانا کھاتے وقت یہ نیت ہو کہ میرے نفس کا مجھ پر حق ہے۔ میری ذات کا، میرے وجود کا مجھ پر حق ہے۔ اور اس حق کی ادائیگی کے لئے میں یہ کھانا کھا رہا ہوں، اور اس لئے کھا رہا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور اس نعمت کا حق یہ ہے کہ میں اس کی طرف اشتیاق کا اظہار کروں، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اس کو استعمال کروں۔ تو وہی کھانا جو بظاہر لذت حاصل کرنے کا ذریعہ تھا اور بظاہر بھوک دور کرنے کا ذریعہ تھا۔ پورا کھانا دین اور عبادت بن جائے گا۔

اس کا نام تقویٰ ہے

دین درحقیقت زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے۔ اور یہی زاویہ نگاہ جب بدل جاتا ہے تو قرآن کی اصطلاح میں اسی کا نام تقویٰ ہے یعنی میں دنیا کے اندر جو کچھ کر رہا ہوں۔ چاہے کھا رہا ہوں، چاہے سو رہا ہوں، چاہے کما رہا ہوں، اللہ کے لئے کر رہا ہوں، اللہ کے احکام کے مطابق کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی پیش نظر رکھ کر کر رہا ہوں، یہی چیز اگر حاصل ہو جائے تو اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔ یہ تقویٰ اگر پیدا ہو جائے، اور پھر اس تقویٰ کے ساتھ تجارت کریں، تو یہ تجارت دنیا نہیں، بلکہ یہ دین ہے۔ اور یہ جنت تک پہنچانے والی ہے۔ اور نبیوں کے ساتھ حشر کرانے والی ہے۔

صحبت سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے

عموماً دل میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کس طرح حاصل ہو؟ یہ زاویہ نگاہ کس طرح بدلا جائے؟ تو اس کے جواب کے لئے میں نے شروع میں یہ آیت تلاوت کی تھی کہ:

یایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین.

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور قرآن کریم کا اصول یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس پر عمل کرنے کا راستہ بھی بتاتا ہے اور ایسا راستہ بتاتا ہے جو ہمارے اور آپ کے لئے آسان ہوتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ محض کسی کام کا حکم نہیں دیتے بلکہ ساتھ میں ہماری ضروریات، ہماری حاجتیں اور ہماری کمزوریوں کا احساس فرما کر ہمارے لئے آسان راستہ بھی بتاتے ہیں۔ تو تقویٰ حاصل کرنے کا آسان راستہ بتا دیا کہ "کونوا مع الصادقین" سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو، یہ صحبت جب تمہیں حاصل ہوگی تو اس کا بالآخر نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے اندر خود تقویٰ پیدا ہو جائے گا۔ ویسے کتاب میں تقویٰ کی شرائط پڑھ کر تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ راستہ بہت مشکل نظر آئے گا، لیکن قرآن نے اس کے حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ بتلا دیا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی دولت عطا فرمائی ہو دوسرے لفظوں میں جس کو صدق کی دولت حاصل ہو، اس کی صحبت اختیار کرلو۔ کیونکہ صحبت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس شخص کی صحبت اختیار کی جاتی ہے۔ اس کا رنگ رفتہ رفتہ انسان پر چڑھ جاتا ہے۔

ہدایت کے لئے صرف کتاب کافی نہیں ہوتی:۔

اور دین کو حاصل کرنے اور دین کو سمجھنے کا بھی یہی راستہ ہے، نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے تشریف لائے۔ ورنہ سیدھی بات تو یہ تھی کہ صرف قرآن کریم نازل کر دیا جاتا، اور مشرکین مکہ کا مطالبہ بھی یہی تھا کہ ہمارے اوپر قرآن کریم کیوں نازل نہیں ہوتا؟ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا کہ وہ کتاب اس طرح نازل کر دیتے کہ جب لوگ صبح بیدار ہوتے تو ہر شخص بہت اچھا اور خوبصورت بائنڈنگ شدہ قرآن کریم اپنے سرہانے موجود پاتا۔ اور آسمان سے آواز آجاتی کہ یہ کتاب تمہارے لئے بھیج دی گئی ہے۔ اس پر عمل کرو تو یہ کام اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب رسول کے بغیر نہیں بھیجی، ہر کتاب کے ساتھ ایک رسول بھیجا ہے، رسول تو کتاب کے بغیر آئے ہیں۔ لیکن کتاب بغیر رسول کے نہیں آئی، کیوں؟ اس لئے کہ انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے، اور اس کو کسی خاص رنگ پر ڈھالنے کے لئے صرف کتاب کبھی کافی نہیں ہوتی۔

متقی کی صحبت اختیار کرو

یہی معاملہ دین کا ہے کہ صرف کتاب انسان کو کسی دینی رنگ میں ڈھالنے کے لئے کافی نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی معلم اور مربی اس کے ساتھ نہ ہو۔ اس واسطے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا اور انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام کو یہ مرتبہ حاصل ہوا۔ صحابہ کے کیا معنی ہیں؟ صحابہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی۔ انہوں نے جو کچھ حاصل کیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے حاصل کیا، پھر اسی طرح تابعین نے صحابہ کی صحبت سے اور تبع تابعین نے تابعین کی صحبت سے حاصل کیا تو جو کچھ دین ہم تک پہنچا ہے وہ صحبت کے ذریعہ پہنچا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی تقویٰ حاصل کرنے کا راستہ یہ بتا دیا کہ اگر تقویٰ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کا آسان راستہ یہ ہے کہ کسی متقی کی صحبت اختیار کرو، اور پھر اس صحبت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہارے اندر بھی وہ تقویٰ پیدا فرما دیں گے۔

(وعظ تجارت دین بھی دنیا بھی از اصلاحی خطبات ج۹)

عصر حاضر میں مسلمان تاجر کے فرائض

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو دین ہمیں عطا فرمایا ہے وہ صرف مسجد اور عبادت گاہوں کی حد تک محدود نہیں، بلکہ وہ زندگی کے ہر شعبے اور ہر گوشے پر حاوی ہے، چنانچہ آج کی گفتگو کے لئے مجھ سے یہ فرمائش کی گئی ہے کہ میں ''موجودہ دور میں مسلمان تاجر کے فرائض'' کے موضوع پر گفتگو کروں۔ چنانچہ اسی موضوع پر چند گزارشات آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ صحیح بات، حق طریقے سے، حق نیت سے کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دین صرف مسجد تک محدود نہیں

بات دراصل یہ ہے کہ جب سے ہماری امت پر سیاسی اور سماجی زوال کا آغاز ہوا، اس وقت سے یہ عجیب وغریب فضا بن گئی کہ دین کو ہم نے دوسرے مذاہب کی طرح صرف چند عبادتوں کی حد تک محدود کر دیا ہے، جب تک ہم مسجد میں ہیں، یا اپنے گھر میں عبادت انجام دے رہے ہیں، اس وقت تو ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام یاد آجاتے ہیں۔ لیکن جب ہم زندگی کی عملی کشاکشی میں داخل ہوتے ہیں اور بازار میں پہنچتے ہیں، یا سیاست کے ایوانوں میں پہنچتے ہیں، یا معاشرے کے دوسرے عملی گوشوں میں داخل ہوتے ہیں تو اس وقت دین کے احکام اور دین کی تعلیمات ہمارے ذہنوں میں نہیں رہتیں۔

اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ

جن صاحب نے اس وقت جن آیات کی تلاوت فرمائی ہے، وہ بہ موقع تلاوت کی ہیں۔ ان آیات میں ارشاد ہے کہ:

یایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ (سورۃ البقرہ:۲۰۸)

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔''

یہ نہ ہو کہ مسجد میں جب تک ہو، اس وقت تو تم مسلمان ہو اور بازار میں مسلمان نہ ہو، اور اقتدار کے ایوان میں مسلمان نہ ہو، بلکہ تم ہر جگہ مسلمان ہو۔

بہرحال، آج کی نشست کا موضوع یہ تجویز کیا گیا تھا کہ ''موجودہ دور میں مسلمان تاجر کے فرائض کیا ہیں'' اس موضوع کے سلسلے میں میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت تلاوت کی ہے، اس کی تھوڑی تشریح پیش کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن تشریح کرنے سے پہلے موجودہ دور کا ایک تمہیدی جائزہ لینا مناسب ہوگا۔ اگر موجودہ حالات کے پس منظر میں جب اس آیت کی تشریح سمجھنے کی کوشش کی جائے گی تو شاید زیادہ فائدہ ہوگا۔

دو معاشی نظریے

ہم اور آپ اس وقت ایک ایسے دور میں جی رہے ہیں جس میں یہ کہا اور سمجھا یا جا رہا ہے کہ انسان کی زندگی کا سب سے بنیادی مسئلہ ''معاش کا مسئلہ'' ہے۔ اور اسی بنیاد پر اس دور میں دو معاشی نظریوں کے درمیان پہلے فکری اور پھر عملی تصادم رونما ہوا۔ ایک ''سرمایہ دارانہ معیشت'' کا نظریہ۔ اور دوسرا ''اشتراکی معیشت کا نظریہ'' ان دونوں نظریوں کے درمیان پچھلی نصف صدی سے زیادہ عرصے تک زبردست ٹکراؤ رہا، اور فکری اور عملی دونوں سطح پر یہ دونوں نظریے برسر پیکار رہے۔ دونوں کے پیچھے ایک فلسفہ اور ایک نظریہ تھا۔ چوہتر ۷۴ سال گزرنے کے بعد ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اشتراکی معیشت کا جو نظریہ فریب ایوان تھا وہ بیٹھ گیا۔ اور دنیا نے پُر فریب نظریہ کی حقیقت کو عملی تجربہ گاہ میں پہچان لیا، اور اشتراکیت بحیثیت ایک انقلابی نظام کے فیل ہو گئی۔

اشتراکیت کے وجود میں آنے کے اسباب

لیکن یہ بات سوچنے کی ہے کہ اشتراکیت کیوں وجود میں آئی تھی؟ اور اس کے پیچھے کیا اسباب اور کیا عوامل کارفرما تھے؟ جن لوگوں نے دنیا کے مختلف معاشی نظاموں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ درحقیقت اشتراکیت ایک ردعمل تھا۔ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر جو امیر اور غریب کے درمیان زبردست دیواریں حائل ہیں، اور اس میں دولت کی تقسیم کا نظام غیر منصفانہ ہے، اس غیر

منصفانہ نظام کے ردعمل کے طور پر اشتراکیت وجود میں آئی۔ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر فرد کو اتنی آزادی دی گئی کہ وہ جس طرح چاہے نفع کمائے، اس پر کسی طرح کی قید اور پابندی نہیں۔ آزاد معیشت اور آزاد تجارت کے نظریہ کے تحت اس کو کھلی چھٹی فراہم کی گئی، اور اس کھلی چھٹی کے نتیجے میں دولت کی تقسیم کا نظام ناہموار ہو گیا، اور امیر و غریب کے درمیان دیواریں کھڑی ہو گئیں۔ غریب کے حقوق پامال ہوئے، اس کے ردعمل کے طور پر اشتراکیت کا نظام وجود میں آیا۔ جس نے یہ کہا کہ "فرد کو کوئی آزادی نہیں ہونی چاہئے، اور سرکاری منصوبہ بندی کے تحت معیشت کو کام کرنا چاہئے"۔

سرمایہ دارانہ نظام میں خرابیاں موجود ہیں

یہ بات ٹھیک ہے کہ اشتراکی نظام ناکام اور فیل ہو گیا، لیکن سرمایہ دارانہ نظام کی جن خرابیوں کی وجہ سے اشتراکی نظام وجود میں آیا تھا، کیا وہ خرابیاں دور ہو گئیں؟ وہ ناانصافیاں جو سرمایہ دارانہ نظام کے اندر پائی جاتی تھیں کیا ان کا کوئی مناسب حل نکل آیا؟ اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں جو خرابیاں تھیں وہ اپنی جگہ پر برقرار ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام کی اصل خرابی

صحیح بات یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں نہ تو اس وجہ سے خرابی تھی کہ اس میں فرد کو منافع کمانے کی مکمل آزادی دی گئی ہے، اور نہ تو اس وجہ سے خرابی تھی کہ اس میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے، بلکہ درحقیقت خرابی اس وجہ سے تھی کہ اس نظام معیشت میں حلال و حرام کی کوئی تقسیم نہیں تھی، جائز اور ناجائز کی کوئی تقسیم نہیں تھی۔ حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو دین اور معیشت کا جو نظام ہمیں عطا فرمایا ہے، اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اگرچہ انسان اپنی معیشت اور تجارت میں آزاد ضرور ہے، لیکن اپنے خالق اور مالک کے بتائے ہوئے احکام کا پابند بھی ہے۔ لہٰذا اس کی تجارت، اس کی صنعت اور اس کی معیشت حلال و حرام کے اصولوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اور جب تک حلال و حرام کے ان اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تجارت و معیشت کی شاہراہ پر گامزن نہیں ہوگا اس وقت تک اسی قسم کی بے اعتدالیوں اور ناکامیوں کا راستہ کھلا رہے گا۔

صرف اسلام کا نظام معیشت منصفانہ ہے

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگر دوسرے لوگ اسلامی تعلیمات اور اسلامی احکام کے بارے میں ایسی باتیں کریں تو ان کو معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے "اسلام" کو سمجھا ہی نہیں، اسلام کو پڑھا ہی نہیں، اسلام پر ان کو اعتقاد ہی نہیں، اسلام ان کو کیا سکھاتا ہے اس سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن ہم اور آپ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، اور کلمہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پر ایمان رکھتے ہیں، اور اپنی ہر مجلس کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے کرتے ہیں، ہمارے پاس اس بات کا کوئی جواز نہیں کہ ہم اسلام کے اس عظیم پہلو سے اپنے آپ کو غافل اور بے خبر رکھیں، اور اس بات کو سمجھنے کی کوشش نہ کریں کہ ہمارے دین اسلام نے معیشت کے میدان میں ہمیں کیا تعلیم دی ہے؟ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ ایک ایسے معاشرے میں جہاں اشتراکیت ناکام ہو چکی ہے، اور سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں اپنی جگہ جوں کی توں باقی ہیں، ایسے معاشرے میں اگر کوئی نظام انسانیت کے لئے ایک اعتدال کی راہ پیش کر سکتا ہے، تو وہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کا نظام ہے۔ اس یقین کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر اس آیت کریمہ پر غور کیا جائے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے تو اس میں ہماری اور آپ کی رہنمائی کے لئے بہت بڑا سامان ہے۔

قارون کو چار ہدایات

چنانچہ ارشاد فرمایا: **وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الاخرۃ ولاتنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض**

یہ چار جملے ہیں۔ پہلے جملے میں فرمایا کہ جو کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم کو (دولت) عطا فرمائی ہے اس کے ذریعہ آخرت کی فلاح و بہبود کو طلب کرو۔ دوسرے جملے میں فرمایا کہ (یہ نہ ہو کہ آخرت کی فلاح طلب کرنے کے لئے ساری دولت لٹا دو اور دنیا میں اپنے پاس دولت بالکل نہ رکھو بلکہ) دنیا کا جو حصہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر فرمایا ہے اس کو مت

بھولو (اس کو اپنے پاس رکھو، اس کا حق ادا کرو) تیسرے جملے میں ارشاد فرمایا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ دولت عطا کر کے) احسان کیا ہے، اسی طرح تم بھی دوسروں کے ساتھ احسان اور اچھائی کا معاملہ کرو۔ چوتھے جملے میں ارشاد فرمایا کہ اپنی اس دولت کے بل بوتے پر زمین میں فساد مت مچاؤ۔ (اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش مت کرو) اس آیت میں یہ چار ہدایات قارون کو دیں۔ لیکن ذرا غور سے دیکھا جائے تو یہ چار ہدایات ایک تاجر کے لئے، ایک صنعت کار کے لئے اور ایک ایسے مسلمان کے لئے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے اندر کچھ بھی عطا فرمایا ہو، ایک پورا نظام عمل پیش کر رہی ہیں۔

پہلی ہدایت

سب سے پہلی ہدایت یہ دی گئی کہ تم میں اور ایک غیر مسلم میں فرق یہ ہے کہ غیر مسلم جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتا، اس کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ دولت مجھے حاصل ہے، یہ سب میری قوت بازو کا کرشمہ ہے، میں نے اپنی محنت سے، اپنی صلاحیت سے اور اپنی جدوجہد سے اس کو کمایا اور حاصل کیا، لہٰذا میں اس دولت کا بلاشرکت غیر مالک ہوں، اور کسی شخص کو میری دولت میں مداخلت کرنے کا حق حاصل نہیں۔ یہ دولت میری ہے، یہ مال میرا ہے، میں نے اپنی قوت بازو کے بل پر اسے کمایا ہے، اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر اس کو کمایا ہے۔ لہٰذا میں اس دولت کو کمانے کے طریقے میں بھی آزاد ہوں، اور اس کو خرچ کرنے کے طریقے میں بھی آزاد ہوں۔ کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ میرے معاملات میں دخل اندازی کرے۔

قوم شعیب اور سرمایہ دارانہ ذہنیت

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام سے یہ کہا تھا

کہ: اصلوتک تامرک ان نترک مایعبد آباؤنا او ان نفعل فی

اموالنا ما نشؤا (سورۃ ھود:۸۷)

(یعنی یہ جو آپ ہمیں منع کر رہے ہیں کہ کم مت ناپو، کم مت تولو، انصاف سے کام لو، حلال و حرام کی فکر کرو، تو یہ آپ نے ہمارے معاشی مسائل میں کہاں دخل اندازی شروع کر

دی۔تم اگر نماز پڑھنا چاہو تو اپنے گھر جا کر نماز پڑھو) کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤ اجداد عبادت کیا کرتے تھے، یا ہمارا جو مال ہے اس میں ہم جو چاہیں کریں۔ حقیقت میں یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت ہے کہ یہ مال ہمارا ہے، یہ دولت ہماری ہے، اس پر ہمارا سکہ چلے گا، تصرف ہمارا ہے، ہم جس طرح چاہیں گے کریں گے، جس طرح چاہیں گے کمائیں گے۔ اور جس طرح چاہیں گے خرچ کریں گے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی بھی یہی ذہنیت تھی۔ اس کی تردید میں یہ بات کہی گئی کہ جو دولت تمہارے پاس ہے یہ کلی طور پر تمہاری نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وللہ ما فی السموات وما فی الارض (سورۃ النساء:۱۳۱)

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمادی ہے، اس لئے فرمایا: ما اتاک اللہ یعنی جو مال اللہ نے تمہیں دیا ہے اس کے ذریعہ آخرت طلب کرو، یہ نہیں فرمایا کہ وابتغ فی مالک اپنے مال کے ذریعہ آخرت طلب کرو۔

مال و دولت اللہ کی عطا ہے

لہٰذا پہلی بات یہ سمجھ لو کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے، چاہے وہ نقد روپیہ ہو، چاہے وہ بینک بیلنس ہو۔ چاہے وہ صنعت ہو یا تجارت ہو، یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ بیشک اس کو حاصل کرنے میں تمہاری جدو جہد اور کوشش کو بھی دخل ہے، لیکن تمہاری یہ کوشش دولت حاصل کرنے کے لئے علت حقیقی کا درجہ نہیں رکھتی، اس لئے کہ کتنے لوگ ایسے ہیں جو محنت اور کوشش کرتے ہیں، مگر مال و دولت حاصل نہیں کر پاتے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس دولت ہے، لیکن محنت کے ذریعہ مزید دولت حاصل نہیں کر پاتے۔ یہ دولت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ لہٰذا یہ تصور ذہن سے نکال دو کہ یہ دولت تمہاری ہے، بلکہ یہ دولت اللہ کی ہے، اور اللہ نے اپنے فضل و کرم سے تمہیں عطا فرمائی ہے۔ اس آیت سے ایک ہدایت تو یہ دے دی۔

مسلم اور غیر مسلم میں تین فرق ہیں

مسلم اور غیر مسلم میں تین فرق ہیں۔ پہلا فرق یہ ہے کہ مسلمان اپنی دولت کو اللہ

تعالیٰ کی عطا سمجھتا ہے، جبکہ غیر مسلم اس دولت کو اللہ تعالیٰ کی عطا نہیں سمجھتا، بلکہ اس دولت کو اپنی قوت بازو کا کرشمہ سمجھتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اس دولت کو آخرت کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنائے، اور دولت کو حاصل کرنے اور اس کو خرچ کرنے میں ایسا طرز عمل اختیار کرے کہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کے خلاف نہ ہو، تاکہ یہ دنیا اس کے لئے دین کا ذریعہ بن جائے اور آخرت کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بن جائے۔ یہی دنیا ہے کہ اگر اس کے حصول میں انسان کی نیت درست ہو اور اللہ تعالیٰ کے عائد کئے ہوئے حلال و حرام کے احکام کی پابندی ہو تو یہی دنیا دین بن جاتی ہے۔ اور یہی دنیا آخرت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ ایک مسلمان بھی کھاتا ہے اور کماتا ہے، اور ایک غیر مسلم بھی کھاتا ہے اور کماتا ہے، لیکن غیر مسلم کے دل میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا تصور ہوتا ہے اور نہ اس کے احکام کی پابندی کا خیال ہوتا ہے، اور مسلمان کے دل میں یہ چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے یہ دنیا دین بنادی۔ اگر ایک تاجر اس نیت کے ساتھ تجارت کرے کہ میں دو وجہ سے تجارت کر رہا ہوں۔ ایک تو اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میرے ذمے کچھ حقوق عائد کئے ہوئے ہیں۔ میرے نفس کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ میرے بچوں کے میرے ذمہ کچھ حقوق ہیں، میری بیوی کے میرے ذمہ کچھ حقوق ہیں، ان حقوق کی ادائیگی کے لئے یہ تجارت کر رہا ہوں۔ دوسرے اس لئے میں تجارت کر رہا ہوں کہ اس تجارت کے ذریعہ میں معاشرے میں ایک چیز فراہم کرنے کا ذریعہ بن جاؤں، اور مناسب طریقے سے ان کی اشیاء ضرورت ان تک پہنچاؤں۔ اگر تجارت کرتے وقت دل میں یہ دو نیتیں موجود ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ حلال طریقے کو اختیار کرے اور حرام طریقے سے بچے تو پھر یہ ساری تجارت عبادت ہے۔

تاجروں کی دو قسمیں

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

التاجر الصدوق الامین مع النبیین و الصدیقین و الشھداء

(ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجارۃ)

یعنی ایک امانت دار اور سچا تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہو گا۔ لیکن اگر تجارت کے اندر نیت صحیح نہ ہو اور حلال وحرام کی فکر نہ ہو تو پھر ایسے تاجر کے بارے میں پہلی حدیث کے برخلاف دوسری حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

التجار یحشرون یوم القیامة فجارا الا من اتقی وبر وصدق

یعنی تجار قیامت کے دن فجار بنا کر اٹھائے جائیں گے۔ "فجار" کے معنی ہیں: فاسق و فاجر، نافرمان، گناہ گار، سوائے اس تاجر کے جو تقویٰ اختیار کرے، نیکی اختیار کرے، اور سچائی اختیار کرے۔ اگر یہ تین شرطیں موجود نہیں ہیں تو وہ تاجر فجار میں شامل ہے۔ اور اگر یہ تین شرطیں موجود ہیں تو پھر وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء کی صف میں شامل ہے۔ ایسے تاجر کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام بخشا ہے۔

بہرحال، پہلا مرحلہ نیت کی درستی ہے۔ اور دوسرا مرحلہ عمل کے اندر حلال وحرام کا امتیاز ہے۔ یہ نہ ہو کہ مسجد کی حد تک تو وہ مسلمان ہے، لیکن مسجد سے باہر نکلنے کے بعد اس کو اس بات کی کوئی پرواہ نہ ہو کہ میں جو کاروبار کرنے جا رہا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس دوسرے مرحلے پر مسلمان اور غیر مسلم میں کوئی امتیاز نہیں۔ ایک غیر مسلم سودی کاروبار کر رہا ہے تو مسلمان بھی سودی کاروبار کر رہا ہے، غیر مسلم قمار کا کام کر رہا ہے تو مسلمان بھی کر رہا ہے، اگر کسی مسلمان تاجر کے اندر یہ بات ہے تو پھر ایسا تاجر اس وعید کے اندر داخل ہے جو دوسری حدیث میں اوپر عرض کی۔ اور اگر یہ بات نہیں تو پھر وہ تاجر پہلی حدیث میں بیان کی گئی بشارت کا مستحق ہے۔

دوسری ہدایت

اب دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ اسلام نے ہماری تجارت کا راستہ بھی بند کر دیا اور یہ فرما دیا کہ بس آخرت ہی کو دیکھو، دنیا کو مت دیکھو، اور دنیا کے اندر اپنی ضروریات کا خیال نہ کرو۔ اس خیال کی تردید کے لئے قرآن کریم نے فوراً دوسرے جملے میں دوسری ہدایت یہ فرمائی کہ:

ولا تنس نصیبک من الدنیا

یعنی ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم دنیا کو بالکل چھوڑ کر بیٹھ جاؤ، بلکہ تمہارا دنیا کا جو حصہ

ہے اس کو مت بھولو، اس کے لئے جائز اور حلال طریقے اختیار کرنے کی کوشش کرو۔

یہ دنیا ہی سب کچھ نہیں

لیکن قرآن کریم کے انداز بیان نے ایک بات اور واضح کردی کہ تمہارا بنیادی مسئلہ اس زندگی کے اندر "معاش کا مسئلہ" نہیں۔ بیشک قرآن و حدیث میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے معاش کے مسئلے کو تسلیم کیا ہے، لیکن یہ معاش کا مسئلہ تمہاری زندگی کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے۔ ایک کافر اور مؤمن میں یہی فرق ہے کہ کافر اپنی ساری زندگی کا بنیادی مسئلہ اس کو سمجھتا ہے کہ میری پیدائش سے لے کر مرتے دم تک میرے کھانے کمانے کا کیا انتظام ہے، اس سے آگے اس کی سوچ اور فکر نہیں جاتی۔ لیکن ایک مسلمان کو قرآن و حدیث یہ تعلیم دیتے ہیں کہ بیشک معاشی سرگرمیوں کی تمہیں اجازت ہے، لیکن یہ تمہاری زندگی کا بنیادی مقصد نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ زندگی تو خدا جانے کتنے دنوں کی ہے، آج بھی ختم ہو سکتی ہے، کل بھی ختم ہو سکتی ہے۔ ہر لمحے اس زندگی کے ختم ہونے کا امکان موجود ہے۔ آج تک کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے موت سے انکار کیا ہو، خدا کا انکار کرنے والے دنیا میں موجود ہیں لیکن موت سے انکار کرنے والا کوئی نہیں۔ اس دنیا سے ضرور جانا ہے۔ اور اگر تم مسلمان ہو تو یقیناً تمہارا یہ اعتقاد ہوگا کہ مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے۔ وہ زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہوگی۔

کیا انسان ایک معاشی جانور ہے؟

ذرا سی عقل رکھنے والے انسان کو بھی یہ بات سوچنی چاہئے کہ اس کو اپنی جد و جہد اور اپنی زندگی کا بنیادی مقصد اس چند روزہ زندگی کو بنانا چاہئے، یا اس آنے والی دائمی زندگی کو اپنا مقصد بنانا چاہئے؟ ایک مسلمان جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر ایمان رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کی زندگی کا بنیادی مقصد صرف کھا پی کر پورا نہیں ہو جاتا، صرف زیادہ سے زیادہ روپیہ پیسہ جمع کر کے پورا نہیں ہو جاتا، کیونکہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ انسان کی تعریف میں یہ جو کہا گیا ہے کہ انسان

ایک معاشی جانور (Economic animal) ہے۔ یہ تعریف درست نہیں، اس لئے کہ اگر انسان صرف (Economic animal) ہوتا تو پھر انسان میں اور بیل، گدھے، کتے میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ اس لئے کہ یہ جانور کھانے پینے کے لئے پیدا ہوئے ہیں، اگر انسان بھی صرف کھانے پینے کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو انسان میں اور جانور میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سارے جانوروں کے لئے رزق کے دروازے کھولے ہیں، وہ بھی کھاتے پیتے ہیں، لیکن انسان کو جانوروں سے جو امتیاز عطا فرمایا ہے، وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے، اور اس عقل کے ذریعہ وہ یہ سوچے کہ آئندہ آنے والی زندگی ایک دائمی زندگی ہے۔ اور وہ زندگی اس موجودہ زندگی پر فوقیت رکھتی ہے۔

بہر حال، اس دوسرے جملے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ دنیا سے اپنا حصہ مت بھولو، لیکن یہ یاد رکھو کہ زندگی کا اصل مقصود دار آخرت ہے۔ اور یہ جتنی معاشی سرگرمیاں ہیں، یہ راستے کی منزل ہیں، یہ خود منزل مقصود نہیں۔

تیسری ہدایت

پھر تیسرے جملے میں یہ ہدایت دی کہ: **واحسن کما احسن اللہ الیک**

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ دولت عطا کر کے تم پر احسان کیا ہے، تم بھی دوسروں پر احسان کرو۔ اس آیت میں ایک طرف تو یہ بتادیا کہ حلال وحرام میں فرق کرو، اور حرام کے ذریعہ مال حاصل نہ کرو۔ اور دوسری طرف یہ بھی بتادیا کہ جو چیز حلال طریقے سے حاصل کی ہے، اس کے بارے میں بھی یہ مت سمجھو کہ میں اس کا بلا شرکت غیر مالک ہوں۔ بلکہ اس کے ذریعہ تم دوسروں پر احسان کا معاملہ کرو۔ اور احسان کرنے کے لئے زکوۃ اور صدقات وخیرات کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

چوتھی ہدایت

چوتھے جملے میں یہ ہدایت دی کہ: **ولا تبغ الفساد فی الارض**

زمین میں فساد مت پھیلاؤ، یعنی دولت کے بل بوتے پر دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ مت

ڈالو۔ دوسروں کے حقوق غصب مت کرو۔ اگر تم نے ان چار ہدایات پر عمل کر لیا تو تمہاری یہ دولت، تمہارا یہ سرمایہ اور تمہاری یہ معاشی سرگرمیاں تمہارے لئے مبارک ہیں۔ اور تم انبیاء، صدیقین، اور شہداء کی فہرست میں شامل ہو۔ اور اگر تم نے ان ہدایات پر عمل نہ کیا تو پھر تمہاری ساری معاشی سرگرمیاں بیکار ہیں۔ اور آخرت میں اس کا نتیجہ سزا اور عذاب کی صورت میں سامنے آ جائے گا۔

دنیا کے سامنے نمونہ پیش کریں:۔

بہر حال، اس وقت ہمارے مسلمان تاجروں کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کی ان چار ہدایتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے دنیا کے سامنے ایک عملی نمونہ پیش کریں۔ اس دنیا کے سامنے جو سرمایہ داری سے بھی زخم کھائی ہوئی ہے، اور اشتراکیت سے بھی زخم کھائی ہوئی ہے۔ اور ایسا نمونہ پیش کریں جو دوسروں کے لئے باعث کشش ہو۔ جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اس دور کی سب سے بڑی ضرورت کو پورا کرے گا۔

کیا ایک آدمی معاشرے میں تبدیلی لا سکتا ہے؟

آجکل یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ جب تک نظام نہ بدلے، اور جب تک سب لوگ نہ بدلیں، اس وقت تک اکیلا آدمی کیسے تبدیلی لا سکتا ہے؟ اور اکیلا آدمی ان چار ہدایتوں پر کس طرح عمل کر سکتا ہے؟ یاد رکھئے! نظام اور معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے، اگر ہر فرد اپنی جگہ یہ سوچتا رہے کہ جب تک معاشرہ نہیں بدلے گا، اس وقت تک میں بھی نہیں بدلوں گا، تو پھر معاشرے میں کبھی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔ تبدیلی ہمیشہ اس طرح آیا کرتی ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ فرد بن کر اپنی زندگی میں تبدیلی لاتا ہے، پھر اس چراغ کو دیکھ کر دوسرا چراغ جلتا ہے، اور پھر دوسرے سے تیسرا چراغ جلتا ہے، اسی طرح افراد کے سنورنے سے معاشرہ سنورتا ہے، اور افراد سے قوموں کی تعمیر ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ عذر کہ میں تنہا کچھ نہیں کر سکتا، یہ معقول عذر نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح تبدیلی لائے

جب نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے، اس وقت

معاشرے کی خرابیاں اور برائیاں اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی تھیں، اس وقت اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سوچتے کہ اتنا بڑا معاشرہ الٹی سمت کی طرف جا رہا ہے میں تنہا کیا کر سکوں گا، اور یہ سوچ کر آپ ہمت ہار کر بیٹھ جاتے تو آج ہم اور آپ یہاں پر مسلمان بیٹھے ہوئے نہ ہوتے۔ آپ نے دنیا کی مخالفتوں کے سیلاب کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک راہ ڈالی، نیا راستہ نکالا، اور اس راستے پر گامزن ہوئے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ آپ کو اس راستے میں قربانیاں بھی دینی پڑیں، آپ کو پریشانیاں بھی پیش آئیں۔ مشکلات بھی سامنے آئیں، لیکن آپ نے ان سب کو گوارہ کیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا کی ایک تہائی آبادی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نام لیوا اور ان کی غلام ہے۔ لیکن اگر آپ یہ سوچ کر بیٹھ جاتے کہ جب تک معاشرہ نہیں بدلے گا، اس وقت تک تنہا میں کیا کر سکتا ہوں تو یہ صورت حال نہ ہوتی۔

ہر شخص اپنے اندر تبدیلی لائے

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی ذمہ داری اس کے اپنے اوپر ڈالی ہے۔ لہٰذا اس بات کو دیکھے بغیر کہ دوسرے لوگ کیا کر رہے ہیں، ہر انسان پر فرض ہے کہ وہ اپنے طرز عمل کو درست کرے۔ اور کم از کم اس بات کی طلب ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں معیشت کے میدان میں اور تجارت وصنعت کے میدان میں کن احکام کا پابند کیا ہے؟ ان احکام پر ہم کس طرح عمل کر سکتے ہیں۔ اس کی معلومات حاصل کر کے اس پر عمل کرنے کا جذبہ اور عزم پیدا ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ مجلس انشاء اللہ بڑی مبارک اور مفید ہے۔ ورنہ نشستن و گفتن و برخواستن والی مجلسیں تو بہت ہوتی رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ جذبہ اور یہ تصور اور یہ خیال اور یہ عزم ہمارے دلوں کے اندر پیدا فرمادے جو اس وقت کی بڑی اہم ضرورت ہے، اور اللہ تعالیٰ ہماری دنیا و آخرت دونوں سنوار دے۔

(وعظ مسلمان تاجر کے فرائض از اصلاحی خطبات ج ۹)

تجارت میں سچ بولنا

تجارت کو بظاہر دنیاداری کا کام سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر تجارت اس نیت سے کی جائے کہ اس کے ذریعہ رزق حلال حاصل کیا جائے گا اور اس سے اپنے نفس اور اپنے اہل و عیال کے حقوق ادا کئے جائیں گے تو تجارت کا سارا کام اجر وثواب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ بشرطیکہ اس میں ناجائز کاموں سے پرہیز کیا جائے۔ چنانچہ تجارت میں سچائی اور امانت کو اپنا معمول بنانے والے کی حدیث میں بہت فضیلت آئی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (ترمذی)

جوتاجر سچا اور امانت دار ہو وہ قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔ (آسان نیکیاں)

بیچی ہوئی چیز کا واپس لے لینا

بعض اوقات ایک شخص کسی سے کوئی چیز خرید لیتا ہے لیکن بعد میں کسی وجہ سے وہ واپس کرنا چاہتا ہے ایسی صورت میں بیچنے والے کے ذمے یہ واجب تو نہیں ہے کہ وہ ضرور بیچی ہوئی چیز واپس لینا منظور کرے لیکن اگر وہ خریدار کی پشیمانی یا اس کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے واپسی منظور کر لے تو حدیث میں اس کی بھی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَقَالَ اَخَاہُ بَیْعًا أَقَالَہُ اللّٰہُ عَثْرَتَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

جو شخص اپنے کسی بھائی سے کی ہوئی بیع کو واپس لے لے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی غلطیاں معاف فرمائیں گے۔ (مجمع الزوائد ۴:۱۱۰ بحوالہ معجم اوسط للطبرانی)

بازار میں ذکر اللہ

جب انسان اپنے کاروبار کے لئے بازار میں جائے تو اس وقت تھوڑے تھوڑے وقفے سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بہت اجر وثواب کا کام ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس جگہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ایسا ہے جیسے جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگتے ہوئے انسانوں کے درمیان کوئی شخص ثابت قدم رہے۔ (ترغیب ص ۱۹۳ ج ۳ بحوالہ بزار وطبرانی)

حضرت ابو قلابہ مشہور تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بازار میں دو آدمیوں کی ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ "آؤ۔ ایسے وقت جب لوگ غفلت میں ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔" یہ سن کر دوسرے نے استغفار کیا۔ اس کے بعد ان میں سے ایک کا انتقال ہو گیا۔ اور دوسرے شخص نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے۔ "جس شام ہم دونوں بازار میں ملے تھے اس شام اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں کی مغفرت فرمادی تھی۔ (ترغیب ص ۱۹۲ ج ۳ بحوالہ ابن ابی الدنیا)

یوں تو بازار میں جس ذکر کی بھی توفیق ہو جائے خیر ہی خیر ہے۔ لیکن خاص طور پر بعض اذکار کی فضیلت حدیث میں آئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ
وَهُوَ حَیٌّ لَّایَمُوْتُ بِیَدِهِ الْخَیْرُ وَهُوَعَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بازار میں داخل ہو کر یہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہزار ہزار نیکیاں لکھتے ہیں۔ ہزار ہزار (صغیرہ) گناہ معاف فرماتے ہیں اور ہزار ہزار درجے بڑھاتے ہیں۔ (ترمذی)

ان کلمات کو خاص طور پر یاد کر لینا چاہئے اور بازار میں رہنے کے دوران ان کو بار بار پڑھتے رہنا چاہئے۔

اپنے معاملات صاف رکھیں

معاملات کی اہمیت اور اسلامی تعلیمات میں اس کا مقام
معاملات کی صفائی اور اسکی برکت سے تنازعات کا تصفیہ
اور قرض کے بارہ میں اہم ہدایات پر مشتمل اسلامی تعلیمات

اپنے معاملات صاف رکھیں

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم

یایھا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم (النساء:۲۹)

معاملات کی صفائی۔ دین کا اہم رکن

یہ آیت دین کے ایک بہت اہم رکن سے متعلق ہے، وہ دین کا اہم رکن ''معاملات کی درستی اور اس کی صفائی'' ہے۔ یعنی انسان کا معاملات میں اچھا ہونا اور خوش معاملہ ہونا، یہ دین کا بہت اہم باب ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ دین کا جتنا اہم باب ہے، ہم لوگوں نے اتنا ہی اس کو اپنی زندگی سے خارج کر رکھا ہے۔ ہم نے دین کو صرف چند عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عمرہ، وظائف اور اوراد میں منحصر کر لیا ہے، لیکن روپے پیسے کے لین دین کا جو باب ہے، اس کو ہم نے بالکل آزاد چھوڑا ہوا ہے، گویا کہ دین سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ حالانکہ اسلامی شریعت کے احکام کا جائزہ لیا جائے تو نظر آئے گا کہ عبادات سے متعلق جو احکام ہیں وہ ایک چوتھائی ہیں، اور تین چوتھائی احکام معاملات اور معاشرت سے متعلق ہیں۔

تین چوتھائی دین معاملات میں ہے

فقہ کی ایک مشہور کتاب ہے جو ہمارے تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہے، اور اس کتاب کو پڑھ کر لوگ عالم بنتے ہیں۔ اس کا نام ہے ''ھدایہ'' اس کتاب میں طہارت سے لے کر میراث تک شریعت کے جتنے احکام ہیں، وہ سب اس کتاب میں جمع ہیں۔ اس کتاب کی چار جلدیں ہیں، پہلی جلد عبادات سے متعلق ہے۔ جس میں طہارت کے احکام، نماز کے احکام، زکوٰۃ، روزے، اور حج کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اور باقی تین جلدیں معاملات یا معاشرت کے احکام سے متعلق ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ دین کے احکام کا ایک چوتھائی حصہ عبادات سے متعلق ہے اور تین چوتھائی حصہ معاملات سے متعلق ہے۔

معاملات کی خرابی کا عبادت پر اثر

پھر اللہ تعالیٰ نے ان معاملات کا یہ مقام رکھا ہے کہ اگر انسان روپے پیسے کے معاملات میں حلال وحرام کا، اور جائز و ناجائز کا امتیاز نہ رکھے تو عبادات پر بھی اس کا اثر یہ واقع ہوتا ہے کہ چاہے وہ عبادات ادا ہو جائیں لیکن ان کا اجر وثواب اور ان کی قبولیت موقوف ہو جاتی ہے، دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑی عاجزی کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں اس حال میں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں، گڑگڑا کر اور رو رو کر پکارتے ہیں کہ یا اللہ! میرا یہ مقصد پورا کر دیجئے، فلاں مقصد پورا کر دیجئے، بڑی عاجزی سے، الحاح وزاری کے ساتھ یہ دعائیں کر رہے ہوتے ہیں، لیکن کھانا ان کا حرام، پینا ان کا حرام، لباس ان کا حرام، اور ان کا جسم حرام آمدنی سے پرورش پایا ہوا، فانی یستجاب له الدعاء ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول ہو؟ ایسے آدمی کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

معاملات کی تلافی بہت مشکل ہے

دوسری جتنی عبادات ہیں، اگر ان میں کوتاہی ہو جائے تو اس کی تلافی آسان ہے مثلاً نمازیں چھوٹ گئیں، تو اب اپنی زندگی میں قضا نمازیں ادا کر لو، اور اگر زندگی میں ادا نہ کر سکے تو وصیت کر جاؤ کہ اگر میں مر جاؤں اور میری نمازیں ادا نہ ہوئی ہوں تو میرے مال میں اس کا فدیہ ادا کر دیا جائے اور توبہ کر لو۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں تلافی ہو جائے گی۔ لیکن اگر کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقے پر کھالیا تو اس کی تلافی اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک صاحب حق معاف نہ کرے۔ چاہے تم ہزار توبہ کرتے رہو، ہزار نفلیں پڑھتے رہو۔ اس لئے معاملات کا باب بہت اہمیت رکھتا ہے۔

حضرت تھانویؒ اور معاملات

اسی وجہ سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تصوف اور طریقت کی تعلیمات میں معاملات کو سب سے زیادہ اولیت حاصل تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے اپنے مریدین میں سے کسی کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ اس نے

اپنے معمولات، نوافل اور اوراد و ظائف پورے نہیں کیے تو اس کی وجہ سے رنج ہوتا ہے اور اس مرید سے کہہ دیتا ہوں کہ ان کو پورا کرلو۔ لیکن اگر کسی مرید کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس نے روپے پیسے کے معاملات میں گڑبڑ کی ہے تو مجھے اس مرید سے نفرت ہو جاتی ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید تھے، جن کو آپ نے خلافت بھی عطا فرما دی تھی اور ان کو بیعت اور تلقین کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ ایک مرتبہ وہ سفر کر کے حضرت والا کی خدمت میں تشریف لائے، ان کے ساتھ ان کا بچہ بھی تھا، انہوں نے آکر سلام کیا اور ملاقات کی، اور بچے کو بھی بلوایا کہ حضرت یہ میرا بچہ ہے، اس کے لئے دعا فرما دیجئے۔ حضرت والا نے بچے کے لئے دعا فرمائی، اور پھر ویسے ہی پوچھ لیا کہ اس بچے کی عمر کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت اس کی عمر ۱۳ سال ہے، حضرت نے پوچھا کہ آپ نے ریل گاڑی کا سفر کیا ہے تو اس بچے کا آدھا ٹکٹ لیا تھا یا پورا ٹکٹ لیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت آدھا ٹکٹ لیا تھا۔ حضرت نے فرمایا: کہ آپ نے آدھا ٹکٹ کیسے لیا جب کہ بارہ سال سے زائد عمر کے بچے کا تو پورا ٹکٹ لگتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ قانون تو یہی ہے کہ بارہ سال کے بعد ٹکٹ پورا لینا چاہئے، اور یہ بچہ اگرچہ ۱۳ سال کا ہے لیکن دیکھنے میں ۱۲ سال کا لگتا ہے، اس وجہ سے میں نے آدھا ٹکٹ لے لیا۔ حضرت نے فرمایا: انا للہ وانا الیہ راجعون، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تصوف اور طریقت کی ہوا بھی نہیں لگی، آپ کو ابھی تک اس بات کا احساس اور ادراک نہیں کہ بچے کو جو سفر آپ نے کرایا، یہ حرام کرایا۔ جب قانون یہ ہے کہ ۱۲ سال سے زائد عمر کے بچے کا ٹکٹ پورا لگتا ہے اور آپ نے آدھا ٹکٹ لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ریلوے کے آدھے ٹکٹ کے پیسے غصب کر لئے اور آپ نے چوری کر لی۔ اور جو شخص چوری اور غصب کرے ایسا شخص تصوف اور طریقت میں کوئی مقام نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا آج سے آپ کی خلافت اور اجازت بیعت واپس لی جاتی ہے۔ چنانچہ اس بات پر ان کی خلافت سلب فرمالی۔ حالانکہ اپنے اوراد و وظائف میں، عبادات اور نوافل

میں، تہجد اور اشراق میں، ان میں سے ہر چیز میں بالکل اپنے طریقے پر مکمل تھے، لیکن یہ غلطی کی کہ بچے کا ٹکٹ پورا نہیں لیا، صرف اس غلطی کی بناء پر خلافت سلب فرمالی۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ:

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اپنے سارے مریدین اور متعلقین کو یہ ہدایت تھی کہ جب کبھی ریلوے میں سفر کرو، اور تمہارا سامان اس مقدار سے زائد ہو جتنا ریلوے نے تمہیں مفت لیجانے کی اجازت دی ہے، تو اس صورت میں اپنے سامان کا وزن کراؤ اور زائد سامان کا کرایہ ادا کرو، پھر سفر کرو۔ خود حضرت والا کا اپنا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ریلوے میں سفر کے ارادے سے اسٹیشن پہنچے، گاڑی کے آنے کا وقت قریب تھا، آپ اپنا سامان لے کر اس دفتر میں پہنچے جہاں پر سامان کا وزن کرایا جاتا تھا اور جا کر لائن میں لگ گئے۔ اتفاق سے گاڑی میں ساتھ جانے والا گارڈ وہاں آ گیا اور حضرت والا کو دیکھ کر پہچان لیا، اور پوچھا کہ حضرت آپ یہاں کیسے کھڑے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ میں سامان کا وزن کرانے آیا ہوں۔ گارڈ نے کہا کہ آپ کو سامان کا وزن کرانے کی ضرورت نہیں، آپ کے لئے کوئی مسئلہ نہیں، میں آپ کے ساتھ گاڑی میں جا رہا ہوں، آپ کو زائد سامان کا کرایہ دینے کی ضرورت نہیں۔ حضرت نے پوچھا کہ تم میرے ساتھ کہاں تک جاؤ گے؟ گارڈ نے کہا کہ میں فلاں اسٹیشن تک جاؤں گا۔ حضرت نے پوچھا کہ اس اسٹیشن کے بعد کیا ہوگا؟ گارڈ نے کہا کہ اس اسٹیشن پر دوسرا آئے گا، میں اس کو بتادوں گا کہ یہ حضرت کا سامان ہے، اس کے بارے میں کچھ پوچھ گچھ مت کرنا۔ حضرت نے پوچھا کہ وہ گارڈ میرے ساتھ کہاں تک جائے گا؟ گارڈ نے کہا وہ تو اور آگے جائے گا، اس سے پہلے ہی آپ کا اسٹیشن آ جائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں تو اور آگے جاؤں گا یعنی آخرت کی طرف جاؤں گا اور اپنی قبر میں جاؤں گا، وہاں پر کونسا گارڈ میرے ساتھ جائے گا؟ جب وہاں آخرت میں مجھ سے سوال ہوگا کہ ایک سرکاری گاڑی میں سامان کا کرایہ ادا کئے بغیر جو سفر کیا اور جو چوری کی اس کا حساب دو۔ تو وہاں پر کونسا گارڈ میری مدد کرے گا؟

معاملات کی خرابی سے زندگی حرام

چنانچہ وہاں یہ بات مشہور تھی کہ جب کوئی شخص ریلوے کے دفتر میں اپنے سامان کا وزن کرا رہا ہوتا تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ یہ شخص تھانہ بھون جانے والا ہے، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین میں سے ہے۔ حضرت والا کی بہت سی باتیں لوگوں نے لے کر مشہور کر دیں، لیکن یہ پہلو کہ ایک پیسہ بھی شریعت کے خلاف کسی ذریعہ سے ہمارے پاس نہ آئے، یہ پہلو نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ آج کتنے لوگ اس قسم کے معاملات کے اندر مبتلا ہیں اور ان کو خیال بھی نہیں آتا کہ ہم یہ معاملات شریعت کے خلاف اور ناجائز کر رہے ہیں۔ اگر ہم نے غلط کام کر کے چند پیسے بچا لئے تو وہ چند پیسے حرام ہو گئے، اور وہ حرام مال ہمارے دوسرے مال کے ساتھ ملنے کے نتیجے میں اس کے بُرے اثرات ہمارے مال میں پھیل گئے۔ پھر اسی مال سے ہم کھانا کھا رہے ہیں، اسی سے کپڑے بنا رہے ہیں، اسی سے لباس تیار ہو رہا ہے، جس کے نتیجے میں ہماری پوری زندگی حرام ہو رہی ہے۔ اور ہم چونکہ بے حس ہو گئے ہیں، اس لئے حرام مال اور حرام آمدنی کے بُرے نتائج کا ہمیں ادراک بھی نہیں۔ یہ حرام مال ہماری زندگی میں کیا فساد مچا رہا ہے۔ اس کا ہمیں احساس نہیں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ احساس عطا فرماتے ہیں، ان کو پتہ لگتا ہے کہ حرام چیز کیا ہوتی ہے۔

حرام کی دو قسمیں

یہ جو آج ہمارے دلوں سے گناہوں کی نفرت مٹتی جا رہی ہے، اور گناہ کے گناہ ہونے کا احساس ختم ہو رہا ہے، اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے مال میں حرام مال کی ملاوٹ ہو چکی ہے۔ پھر ایک تو وہ حرام ہے جو کھلا حرام ہے جس کو ہر شخص جانتا ہے کہ یہ حرام ہے۔ جیسے رشوت کا مال، سود کا مال، جوا کا مال، دھوکے کا مال، چوری کا مال وغیرہ۔ لیکن حرام کی دوسری قسم وہ حرام ہے جس کے حرام ہونے کا ہمیں احساس ہی نہیں ہے، حالانکہ وہ بھی حرام ہے اور وہ حرام چیز ہمارے کاروبار میں مل رہی ہے۔ اس دوسری قسم کی تفصیل سنئے۔

ملکیت متعین ہونی چاہئے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ معاملات چاہے بھائیوں کے درمیان

ہوں، باپ بیٹے کے درمیان ہوں، شوہر اور بیوی کے درمیان ہوں۔ وہ معاملات بالکل صاف اور بے غبار ہونے چاہئیں اور ان میں کوئی غبار نہ ہونا چاہئے۔ اور ملکیتیں آپس میں متعین ہونی چاہئیں کہ کونسی چیز باپ کی ملکیت ہے اور کونسی چیز بیٹے کی ملکیت ہے۔ کونسی چیز شوہر کی ملکیت ہے اور کونسی چیز بیوی کی ملکیت ہے۔ کونسی چیز ایک بھائی کی ہے اور کونسی چیز دوسرے بھائی کی ہے۔ یہ ساری بات واضح اور صاف ہونی چاہئے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تعاشروا کالاخوان، تعاملوا کالا جانب

یعنی بھائیوں کی طرح رہو، لیکن آپس کے معاملات اجنبیوں کی طرح کرو۔ مثلاً اگر قرض کا لین دین کیا جارہا ہے تو اس کو لکھ لو کہ یہ قرض کا معاملہ ہے، اتنے دن کے بعد اس کی واپسی ہوگی۔

باپ بیٹوں کے مشترک کاروبار:۔

آج ہمارا سارا معاشرہ اس بات سے بھرا ہوا ہے کہ کوئی بات صاف ہی نہیں۔ اگر باپ بیٹوں کے درمیان کاروبار ہے تو وہ کاروبار ویسے ہی چل رہا ہے، اس کی کوئی وضاحت نہیں ہوتی کہ بیٹے باپ کے ساتھ جو کام کر رہے ہیں وہ آیا شریک کی حیثیت میں کر رہے ہیں، یا ملازم کی حیثیت میں کر رہے ہیں، یا ویسے ہی باپ کی مفت مدد کر رہے ہیں، اس کا کچھ پتہ نہیں مگر تجارت ہو رہی ہے، ملیں قائم ہو رہی ہیں، دکانیں بڑھتی جا رہی ہیں، مال اور جائیداد بڑھتا جا رہا ہے۔ لیکن یہ پتہ نہیں ہے کہ کس کا کتنا حصہ ہے۔ اگر ان سے کہا بھی جائے کہ اپنے معاملات کو صاف کرو، تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ تو غیریت کی بات ہے۔ بھائیوں بھائیوں میں صفائی کی کیا ضرورت ہے؟ یا باپ بیٹوں میں صفائی کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب شادیاں ہو جاتی ہیں اور بچے ہو جاتے ہیں، اور شادی میں کسی نے زیادہ خرچ کر لیا اور کسی نے کم خرچ کیا۔ یا ایک بھائی نے مکان بنا لیا اور دوسرے نے ابھی تک مکان نہیں بنایا۔ بس اب دل میں شکایتیں اور ایک دوسرے کی طرف سے کینہ پیدا ہونا شروع ہو گیا، اور اب آپس میں جھگڑے شروع ہو گئے کہ فلاں زیادہ کھا گیا اور مجھے کم ملا۔ اور اگر اس دوران باپ کا انتقال ہو جائے تو اس کے بعد بھائیوں کے درمیان جو لڑائی اور

جھگڑے ہوتے ہیں وہ لامتناہی ہوتے ہیں، پھر ان کے حل کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

باپ کے انتقال پر میراث کی تقسیم فوراً کریں

جب باپ کا انتقال ہوجائے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ فوراً میراث تقسیم کرو، میراث تقسیم کرنے میں تاخیر کرنا حرام ہے۔ لیکن آج کل یہ ہوتا ہے کہ باپ کے انتقال پر میراث تقسیم نہیں ہوتی، اور جو بڑا بیٹا ہوتا ہے وہ کاروبار پر قابض ہوجاتا ہے۔ اور بیٹیاں خاموش بیٹھی رہتی ہیں، ان کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ ہمارا کیا حق ہے اور کیا نہیں ہے؟ یہاں تک کہ اسی حالت میں دس سال اور بیس سال گزر گئے۔ اور پھر اس دوران کسی اور کا بھی انتقال ہوگیا، یا کسی بھائی نے اس کاروبار میں اپنا پیسہ ملا دیا، پھر سالہا سال گزرنے کے بعد جب ان کی اولاد بڑی ہوئی تو اب جھگڑے کھڑے ہوگئے۔ اور جھگڑے ایسے وقت میں کھڑے ہوئے جب ڈور الجھی ہوئی ہے۔ اور جب وہ جھگڑے انتہاء کی حد تک پہنچے تو اب مفتی صاحب کے پاس چلے آرہے ہیں کہ اب آپ بتائیں کہ ہم کیا کریں۔ مفتی صاحب بچارے ایسے وقت میں کیا کریں گے۔ اب اس وقت یہ معلوم کرنا مشکل ہوتا ہے کہ جس وقت کاروبار کے اندر شرکت تھی، اور بیٹے اپنے باپ کے ساتھ مل کر کاروبار کر رہے تھے، اس وقت بیٹے کس حیثیت میں کام کر رہے تھے؟

مشترک مکان کی تعمیر میں حصہ داروں کا حصہ

یا مثلاً ایک مکان بن رہا ہے، تعمیر کے دوران کچھ پیسے باپ نے لگا دیئے، کچھ پیسے ایک بیٹے نے لگا دیئے کچھ دوسرے بیٹے نے لگا دیئے، کچھ تیسرے بیٹے نے لگا دیئے۔ لیکن یہ پتہ نہیں کہ کون کس حساب سے کس طرح سے کس تناسب سے لگا رہا ہے، اور یہ بھی پتہ نہیں کہ جو پیسے تم لگا رہے ہو وہ آیا بطور قرض کے دے رہے ہو اور اس کو واپس لو گے، یا مکان میں حصہ دار بن رہے ہو، یا بطور امداد اور تعاون کے پیسے دے رہے ہو، اس کا کچھ پتہ نہیں۔ اب مکان تیار ہوگیا اور اس میں رہنا شروع کر دیا۔ اب جب باپ کا انتقال ہوا یا آپس میں دوسرے مسائل پیدا ہوئے تو اب مکان پر جھگڑے کھڑے ہوگئے۔ اب مفتی صاحب کے پاس چلے آرہے ہیں کہ فلاں بھائی یہ کہتا ہے کہ میرا اتنا حصہ ہے، مجھے اتنا ملنا چاہئے۔ دوسرا

کہتا ہے کہ مجھے اتنا ملنا چاہئے۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ بھائی! جب تم نے اس مکان کی تعمیر میں پیسے دیئے تھے، اس وقت تمہاری کیا نیت تھی؟ کیا تم نے بطور قرض دیے تھے؟ یا تم مکان میں حصہ دار بننا چاہتے تھے؟ یا باپ کی مدد کرنا چاہتے تھے؟ اس وقت کیا بات تھی؟ تو یہ جواب ملتا ہے کہ ہم نے تو پیسے دیتے وقت کچھ سوچا ہی نہیں تھا، نہ تو ہم نے مدد کے بارے میں سوچا تھا، اور نہ حصہ داری کے بارے میں سوچا تھا، اب آپ کوئی حل نکالیں۔ جب ڈور الجھ گئی اور سرا ہاتھ نہیں آرہا ہے تو اب مفتی صاحب کی مصیبت آئی کہ وہ اس کا حل نکالیں کہ کس کا کتنا حصہ بنتا ہے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ معاملات کے بارے میں حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔ نفلیں ہو رہی ہیں، تہجد کی نماز ہو رہی ہے، اشراق کی نماز ہو رہی ہے، لیکن معاملات میں سب الم غلم ہو رہا ہے، کسی چیز کا کچھ پتہ نہیں۔ یہ سب کام حرام ہو رہا ہے۔ جب یہ معلوم نہیں کہ میرا حق کتنا ہے اور دوسرے کا حق کتنا ہے، تو اس صورت میں جو کچھ تم اس میں سے کھا رہے ہو، اس کے حلال ہونے میں بھی شبہ ہے۔ جائز نہیں۔

امام محمدؒ اور تصوف پر کتاب:۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سارے فقہی احکام اپنی تصانیف کے ذریعہ ہم تک پہنچائے۔ ان کا احسان ہمارے سروں پر اتنا ہے کہ ساری عمر تک ہم ان کے احسان کا صلہ نہیں دے سکتے۔ ان کی لکھی ہوئی کتابیں کئی اونٹوں کے بوجھ کے برابر تھیں۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ نے بہت ساری کتابیں لکھیں ہیں لیکن تصوف اور زہد کے موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ تم کیسے کہتے ہو کہ میں نے تصوف پر کتاب نہیں لکھی، میں نے جو "کتاب البیوع" لکھی ہے، وہ تصوف ہی کی تو کتاب ہے۔ مطلب یہ تھا کہ خرید و فروخت کے احکام اور لین دین کے احکام حقیقت میں تصوف ہی کے احکام ہیں، اس لئے کہ زھد اور تصوف درحقیقت شریعت کی ٹھیک ٹھیک پیروی کا نام ہے۔ اور شریعت کی ٹھیک ٹھیک پیروی خرید و فروخت اور لین دین کے احکام پر عمل کرنے سے ہوتی ہے۔

دوسروں کی چیز اپنے استعمال میں لانا

اسی طرح دوسرے کی چیز استعمال کرنا حرام ہے مثلاً کوئی دوست ہے یا بھائی ہے، اس کی چیز اس کی اجازت کے بغیر استعمال کر لی تو یہ جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔ البتہ اگر آپ کو یہ یقین ہے کہ اس کی چیز استعمال کرنے سے وہ خوش ہوگا اور خوشی سے اس کی اجازت دے دے گا، تب تو استعمال کرنا جائز ہے۔ لیکن جہاں ذرا بھی اس کی اجازت میں شک ہو، چاہے وہ حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو، یا چاہے وہ بیٹا ہو اور اپنے باپ کی چیز استعمال کر رہا ہو، جب تک اس بات کا اطمینان نہ ہو کہ خوش دلی سے وہ اجازت دے دے گا، میرے استعمال کرنے سے وہ خوش ہو گا، اس وقت تک اس کا استعمال جائز نہیں۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایحل مال امری مسلم الابطیب نفس منه (کنز العمال، حدیث: ۳۹۷)

کسی مسلمان کا مال تمہارے لئے حلال نہیں جب تک وہ خوش دلی سے نہ دے۔ اس حدیث میں "اجازت" کا لفظ استعمال نہیں فرمایا بلکہ "خوش دلی" کا لفظ استعمال فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ صرف اجازت کافی نہیں بلکہ وہ اس طرح اجازت دے کہ اس کا دل خوش ہو، تب تو وہ چیز حلال ہے۔ اگر آپ دوسرے کی چیز استعمال کر رہے ہیں، لیکن آپ کو اس کی خوش دلی کا یقین نہیں ہے، تو آپ کے لئے وہ چیز استعمال کرنا جائز نہیں۔

ایسا چندہ حلال نہیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مدرسوں کے چندے اور انجمنوں کے چندے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ چندے اس طرح وصول کرنا کہ دوسرا شخص دباؤ کے تحت چندہ دیدے، ایسا چندہ حلال نہیں۔ مثلاً آپ نے مجمع عام میں چندہ لینا شروع کر دیا۔ اس مجمع میں ایک آدمی شرما شرمی میں یہ سوچ کر چندہ دے رہا ہے کہ اتنے سارے لوگ چندہ دے رہے ہیں اور میں چندہ نہ دوں تو میری ناک کٹ جائے گی، اور دل کے اندر چندہ دینے کی خواہش نہیں تھی، تو یہ چندہ خوش دلی کے بغیر دیا گیا، یہ "چندہ" لینے والے کے لئے حلال نہیں۔ اس موضوع پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، اور اس میں یہ احکام

لکھے ہیں کہ کس حالت میں چندہ لینا جائز ہے اور کس حالت میں چندہ لینا جائز نہیں۔

ہر ایک کی ملکیت واضح ہونی چاہئے

بہرحال! یہ اصول ذہن میں رکھو کہ جب تک دوسرے کی خوش دلی کا اطمینان نہ ہو، اس وقت تک دوسرے کی چیز استعمال کرنا حلال نہیں، چاہے وہ بیٹا کیوں نہ ہو، باپ کیوں نہ ہو، بھائی اور بہن کیوں نہ ہو، چاہے بیوی اور شوہر کیوں نہ ہو۔ اس اصول کو فراموش کرنے کی وجہ سے ہمارے مال میں حرام کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں تو کوئی غلط کام نہیں کرتا، رشوت میں نہیں لیتا، سود میں نہیں کھاتا، چوری میں نہیں کرتا، ڈاکہ میں نہیں ڈالتا، اس لئے میرا مال تو حلال ہے۔ لیکن اس کو یہ نہیں معلوم کہ اس اصول کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے مال حرام کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اور مال حرام کی آمیزش حلال مال کو بھی تباہ کر دیتی ہے اور اس کی برکتیں زائل ہو جاتی ہیں، اس کا نفع ختم ہو جاتا ہے۔ اور الٹا اس حرام مال کے نتیجے میں انسان کی طبیعت گناہوں کی طرف چلتی ہے، روحانیت کو نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے معاملات کو صاف رکھنے کی کوشش کریں کہ کسی معاملے میں کوئی الجھاؤ نہ رہے، ہر چیز صاف اور واضح ہونی چاہیے۔ ہر چیز کی ملکیت واضح ہونی چاہیے کہ یہ چیز میری ملکیت ہے، یہ فلاں کی ملکیت ہے۔ البتہ ملکیت واضح ہو جانے کے بعد آپس میں بھائیوں کی طرح رہو۔ دوسرے شخص کو تمہاری چیز استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئے تو دیدو، لیکن ملکیت واضح ہونی چاہئے، تاکہ کل کو کوئی جھگڑا کھڑا نہ ہو جائے۔

مسجد نبوی کیلئے زمین مفت قبول نہ کی

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کے پیش نظر سب سے پہلا کام یہ تھا کہ یہاں پر کوئی مسجد بنائی جائے۔ وہ مسجد نبوی جس میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ چنانچہ ایک جگہ آپ کو پسند آ گئی جو خالی پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے اس جگہ کے بارے میں معلوم کرایا کہ یہ کس کی جگہ ہے؟ تو پتہ چلا کہ یہ بنی نجار کے لوگوں کی جگہ ہے۔ جب بنو نجار کے لوگوں کو پتہ چلا کہ آپ اس جگہ پر مسجد بنانا

چاہتے ہیں تو انہوں نے آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو ہماری بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ ہماری جگہ پر مسجد بنائی جائے۔ ہم یہ جگہ مسجد کے لئے مفت دیتے ہیں تاکہ آپ یہاں پر مسجد نبوی کی تعمیر فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، میں مفت نہیں لوں گا، تم اس کی قیمت بتاؤ، قیمت کے ذریعہ لوں گا۔ حالانکہ بظاہر یہ معلوم ہورہا تھا کہ وہ لوگ اپنی سعادت اور خوش نصیبی سمجھ کر یہ چاہ رہے تھے کہ ان کی جگہ مسجد نبوی کی تعمیر میں استعمال ہو جائے، لیکن اس کے باوجود آپ نے مفت لینا گوارہ نہیں کیا۔

تعمیر مسجد کے لئے دباؤ ڈالنا

علماء کرام نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ویسے تو جب بنی نجار کے لوگ مسجد کے لئے چندہ کے طور پر مفت زمین دے رہے تھے تو یہ زمین لینا جائز تھا، اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں تھی۔ لیکن چونکہ مدینہ منورہ میں اسلام کی یہ پہلی مسجد تعمیر ہورہی تھی۔ اگرچہ قبا میں ایک مسجد تعمیر ہو چکی تھی۔ اور یہ وہ مسجد تھی جس کو آئندہ حرم مکہ کے بعد دوسرا مقام حاصل ہونا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ یہ زمین اس طرح مفت قیمت کے بغیر لے لی جائے۔ ورنہ آئندہ کے لئے لوگوں کے سامنے یہ نظیر بن جائے گی کہ جب مسجد بنانی ہو تو مسجد کے لئے زمین قیمتاً خریدنے کے بجائے لوگ مفت اپنی زمینیں دیں۔ اور اس لئے یہ زمین مفت قبول نہیں کی تاکہ لوگوں پر یہ واضح فرمادیں کہ یہ بات درست نہیں کہ مسجد کی تعمیر کی خاطر دوسروں پر دباؤ ڈالا جائے۔ یا دوسروں کی املاک پر نظر رکھی جائے۔ اس وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیسے دے کر وہ زمین خریدی اور پھر مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی تاکہ معاملہ صاف رہے اور کسی قسم کی کوئی الجھن برقرار نہ رہے۔

پورے سال کا نفقہ دینا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، جو حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریک حیات بننے کی وہی مستحق تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت نکالی ہوئی تھی، اور آخرت کی محبت ان کے دلوں میں بھری ہوئی تھی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا

معاملہ یہ تھا کہ سال کے شروع میں اپنی تمام ازواج مطہرات کا نفقہ اکٹھا دے دیا کرتے تھے، اور ان سے فرمادیتے کہ یہ تمہارا نفقہ ہے تم جو چاہو کرو۔ اب وہ ازواج مطہرات بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات تھیں، ان کے یہاں تو ہر وقت صدقہ خیرات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ چنانچہ وہ ازواج مطہرات بقدر ضرورت اپنے پاس رکھتیں، باقی سب خیرات کر دیتی تھیں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال قائم فرمائی کہ پورے سال کا نفقہ اکٹھا دے دیا۔

ازواج مطہرات سے برابری کا معاملہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پابندی اٹھالی تھی کہ وہ اپنی ازواج مطہرات میں برابری کریں۔ بلکہ آپ کو یہ اختیار دیدیا تھا کہ جس کو چاہیں زیادہ دیں اور جس کو چاہیں کم دیں، اس معاملے میں ہم آپ سے مواخذہ نہیں کریں گے۔ اس اختیار کے نتیجے میں ازواج مطہرات کے درمیان برابری کرنا آپ کے ذمہ فرض نہیں رہا تھا۔ جب کہ امت کے تمام افراد کے لئے برابری کرنا فرض ہے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر اس اختیار اور اجازت پر عمل نہیں فرمایا بلکہ ہر چیز میں برابری فرمائی، اور ان کی ملکیت کو واضح اور نمایاں فرمادیا تھا۔ اور ان کے حقوق پوری طرح زندگی بھر ادا فرمائے۔

خلاصہ

بہر حال۔ ان احادیث اور آیات میں جو بنیادی اصول بیان فرمایا، جس کو ہم فراموش کرتے جارہے ہیں۔ وہ "معاملات کی صفائی" اور معاملات کی درستی ہے یعنی معاملہ صاف اور واضح ہو، اس میں کوئی اجمال اور ابہام نہ رہے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ہر ایک اپنے معاملات کو صاف رکھے۔ اس کے بغیر آمدنی اور اخراجات شریعت کی حدود میں نہیں رہتے۔

(وعظ اپنے معاملات صاف رکھیں از اصلاحی خطبات ج ۹)

معاملات کی صفائی اور تنازعات

ہمارے معاشرے میں آپس کے جھگڑوں اور تنازعات کا جو سیلاب اُمڈا ہوا ہے، اس کا تھوڑا سا اندازہ عدالت میں دائر ہونے والے مقدمات سے ضرور ہوسکتا ہے، لیکن یہ اندازہ یقیناً ناکافی اور حقیقت سے بہت کم ہوگا، کیونکہ بیشمار تنازعات وہ ہیں جن کے عدالت تک پہنچنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ عدالت سے رجوع کرنے میں وقت اور پیسے کا جو بے تحاشا صرفہ ہوتا ہے، اسکی وجہ سے بہت سے لوگ عدالت سے رجوع نہیں کر پاتے، اس کے بجائے فریقین میں سے ہر ایک اپنی اپنی بساط کی حد تک دوسرے کو زک پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا ہے، اور اس طرح عداوت کی آگ بھڑکتے بھڑکتے کئی کئی پشتوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

ان تنازعات کی تہ میں اگر دیکھا جائے تو وہی زر اور زمین کے معروف اسباب کارفرما نظر آتے ہیں، روپیہ پیسہ اور زمین جائیداد کا جھگڑا بڑے بڑے پرانے تعلقات کو دیکھتے ہی دیکھتے بھسم کر ڈالتا ہے، اور اسکی وجہ سے بڑی بڑی مثالی دوستیاں آن کی آن میں دشمنیوں میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔

جھگڑوں کا ایک بڑا سبب

اس صورت حال کے بہت سے اسباب ہیں لیکن ایک بہت بڑا سبب ''معاملات'' کو صاف نہ رکھنا ہے، ہمارے دین کی ایک انتہائی زریں تعلیم یہ ہے کہ

''آپس میں رہو بھائیوں کی طرح، لیکن لین دین کے معاملات اجنبیوں کی طرح کرو''۔

مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ ایسا کرو جیسے ایک بھائی کو دوسرے کے ساتھ کرنا چاہئے، اس میں ایثار، مروت، رواداری، تحمل اور اپنائیت کا مظاہرہ کرو، لیکن جب روپے پیسے کے لین دین، جائیداد کے معاملات اور شرکت وحصہ داری کا مسئلہ آجائے تو بہتر تعلقات کی حالت میں بھی انہیں اس طرح انجام دو جیسے دو اجنبی شخص انہیں انجام

دیتے ہیں، یعنی معاملے کی ہر بات صاف ہونی چاہئے، نہ کوئی بات ابہام رہے، اور نہ معاملے کی حقیقت میں کوئی اشتباہ باقی رہے۔

اگر محبت، اتفاق اور خوشگوار تعلقات کی حالت میں دین کی اس گراں قدر تعلیم پر عمل کرلیا جائے تو بعد میں پیدا ہونے والے بہت سے فتنوں اور جھگڑوں کا سدباب ہو جاتا ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں اس اہم اصول کو جس طرح نظرانداز کیا جارہا ہے، اسکے چند مظاہر یہ ہیں:

مشترکہ املاک کی عدم تعیین

(۱) بسا اوقات ایک کاروبار میں کئی بھائی یا باپ بیٹے مشترک طور پر ایک ساتھ کام کرتے ہیں، اور کسی حساب و کتاب کے بغیر سب لوگ مشترک کاروبار سے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرتے رہتے ہیں، نہ یہ بات طے ہوتی ہے کہ کاروبار میں کس کی کیا حیثیت ہے؟ آیا وہ کاروبار میں تنخواہ پر کام کر رہے ہیں؟ یا کاروبار کے حصہ دار ہیں؟ تنخواہ ہے تو کتنی؟ اور حصہ ہے تو کس قدر؟ بس ہر شخص اپنی خواہش یا ضرورت کے مطابق کاروبار کی آمدنی استعمال کرتا رہتا ہے، اور اگر کبھی کوئی شخص یہ تجویز پیش کرے کہ کاروبار میں حصے یا تنخواہ وغیرہ متعین کرلینی چاہئے تو اسے محبت اور اتفاق کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

معاملات صحیح نہ ہونے کے دنیاوی نقصانات

لیکن یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اس طرح کے کاروبار کا انجام اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ دل ہی دل میں ایک دوسرے کے خلاف رنجشیں پرورش پاتی رہتی ہیں، بالخصوص جب حصہ داروں کے یہاں شادیاں ہو جاتی ہیں تو ہر شخص یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ دوسرے نے کاروبار سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، اور مجھ پر ظلم ہوا ہے، اگرچہ ظاہری سطح پر باہم رورعایت کا وہی انداز باقی نظر آتا ہے، لیکن اندر ہی اندر رنجشوں کا لاوا پکتا رہتا ہے، اور بالآخر جب یہ رنجشیں بدگمانیوں کے ساتھ مل کر پہاڑ بن جاتی ہیں تو یہ آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے، اور محبت واتفاق کے سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، زبانی تو تکار سے لیکر لڑائی جھگڑے اور مقدمہ بازی تک کسی کام سے دریغ نہیں ہوتا، بھائی بھائی کی بول چال بند ہو جاتی ہے، ایک

بھائی دوسرے کی صورت دیکھنے کا روادار نہیں رہتا، جس کے قابو میں کاروبار کا جتنا حصہ آتا ہے، وہ اس پر قابض ہو کر عدل وانصاف کا بے دریغ خون کرتا ہے، اور پھر اپنی نجی مجلسوں میں ایک دوسرے کے خلاف بدزبانی اور بدگمانی کا وہ طوفان کھڑا کرتا ہے کہ الامان!

پھر چونکہ سالہا سال تک مشترک کاروبار کا نہ کوئی اصول طے شدہ تھا، نہ کوئی حساب وکتاب رکھا گیا اس لئے اگر اختلافات پیش آنے کی صورت میں افہام وتفہیم سے کام لینے کی کوشش کی بھی جاتی ہے، تو معاملات کی ڈور الجھ کر اتنی پیچیدہ ہو چکی ہوتی ہے کہ منصفانہ تصفیہ کیلئے اسکا سرا پکڑنا مشکل ہو جاتا ہے، ہر شخص واقعات کو اپنے مفاد کی عینک سے دیکھتا ہے، اور مصالحت کا کوئی ایسا فارمولا وضع کرنا بھی سخت مشکل ہو جاتا ہے، جو تمام متعلقہ فریقوں کے لئے قابل قبول ہو۔

یہ سارا فساد اکثر وبیشتر اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ کاروبار کے آغاز میں، یا اس میں مختلف افراد کی شمولیت کے وقت معاملے کو معاملے کی طرح طے نہیں کیا جاتا، اگر شروع ہی سے یہ بات واضح ہو کہ کس شخص کی کیا حیثیت ہے؟ اور کس کے کیا حقوق وفرائض ہیں؟ اور یہ ساری باتیں تحریری شکل میں محفوظ ہوں تو بہت سے جھگڑوں اور بعد میں پیدا ہونے والے پیچیدگیوں کا شروع ہی میں سد باب ہو جائے۔

سب سے طویل آیت معاملات سے متعلق ہے

قرآن کریم میں جو آیت سب سے طویل آیت ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب تم کوئی ادھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، جب معمولی رقم ادھار دینے پر یہ تاکید ہے تو کاروبار کے پیچیدہ معاملات کو تحریر میں لانے کی اہمیت کتنی زیادہ ہوگی؟

یہ حکم اسی لئے دیا گیا ہے تاکہ بعد میں تنازعات اور اختلافات پیدا نہ ہوں، اور اگر ہوں تو انہیں حق وانصاف کے مطابق نمٹانا آسان ہو۔

مشترکہ کام میں شخصی حیثیت کا تعین

لہٰذا اگر کسی کاروبار میں ایک سے زیادہ افراد کام کر رہے ہیں تو پہلے ہی قدم پر ان میں سے ہر شخص کی حیثیت کا تعین ضروری ہے، یہاں تک کہ اگر باپ کے کاروبار میں کوئی بیٹا

شامل ہوا ہے تو اس کے بارے میں بھی پہلے ہی دن سے یہ طے ہونا ضروری ہے کہ وہ تنخواہ پر کام کریگا؟ یا کاروبار میں باقاعدہ حصہ دار ہوگا؟ یا محض اپنے باپ کی مدد کریگا؟ پہلی صورت میں اسکی تنخواہ متعین ہونی چاہئے، اور یہ صراحت بھی ضروری ہے کہ وہ کاروبار کی ملکیت میں حصہ دار نہیں ہے، اور دوسری صورت میں اگر اسے کاروبار کی ملکیت میں حصہ دار بنانا ہے تو شرعاً اسکی پہلی شرط تو یہ ہے کہ اسکی طرف سے کاروبار میں کچھ سرمایہ ضرور شامل ہونا چاہئے (جس کی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ باپ اسے کچھ نقد رقم ہبہ کر دے، اور وہ اس رقم سے کاروبار کا ایک متعین فی صد حصہ خرید لے) دوسرے یہ بات تحریری طور پر ایک معاہدۂ شرکت کی شکل میں محفوظ کر لینی چاہئے، اور اس معاہدے میں یہ بھی صراحت ہونی ضروری ہے کہ نفع میں کتنا فی صد حصہ کس کا ہوگا؟ تاکہ بعد میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو۔

اوورٹائم کی وضاحت

اگر کسی ایک حصہ دار کو کاروبار میں کام زیادہ کرنا پڑتا ہو تو یہ بات بھی طے ہونی چاہئے کہ آیا وہ یہ زیادہ کام رضا کارانہ طور پر کریگا، یا اس زیادہ کام کا کوئی معاوضہ اسے دیا جائیگا، اگر کوئی معاوضہ دیا جائیگا تو وہ نفع کے فیصد حصے میں اضافہ کر کے دیا جائیگا، یا متعین تنخواہ کی صورت میں؟ غرض ہر فریق کے حقوق و فرائض اتنے واضح ہونے ضروری ہیں کہ ان میں کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

اگر بالفرض کسی کاروبار میں اب تک ان باتوں پر عمل نہیں کیا گیا، تو جتنی جلد ہو سکے ان امور کو طے کر لینا ضروری ہے، اور اس معاملے میں کسی شرم، مروت اور طعن و تشنیع کو آڑے نہ آنے دینا چاہئے۔ معاملات کی اس صفائی کو محبت و اخوت اور اتحاد و اتفاق کے خلاف سمجھنا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ بلکہ درحقیقت محبت اور اتفاق کی پائیداری ان امور پر منحصر ہے، ورنہ آگے چل کر یہ سطحی محبت دلوں میں عداوت کو جنم دے سکتی ہے اور اسی لئے اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ "رہو بھائیوں کی طرح، لیکن معاملات اجنبیوں کی طرح کرو"۔

مشترکہ جائیداد کا مسئلہ

(۲) اسی طرح ہمارے معاشرے میں، بالخصوص متوسط آمدنی والے طبقے میں، اپنے ملکیتی مکان کا حصول ایک بڑا مسئلہ ہے اور عموماً کسی مکان کی تعمیر یا اسکی خریداری خاندان کے کئی افراد مل کر کرتے

ہیں، اگر باپ نے کوئی مکان بنانا شروع کیا ہے تو بیٹے بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق اس میں اپنی رقمیں لگاتے ہیں، لیکن عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ یہ رقمیں کچھ سوچے سمجھے بغیر، اور بسا اوقات کوئی حساب رکھے بغیر لگا دی جاتی ہیں، یعنی یہ بات طے نہیں ہوتی کہ بیٹا جو رقم مکان کی تعمیر کے لئے دے رہا ہے، آیا یہ باپ کی خدمت میں ہدیہ ہے؟ یا قرض ہے؟ یا وہ مکان کی ملکیت میں حصہ دار بننے کے لئے یہ رقم خرچ کر رہا ہے؟ پہلی صورت میں نہ وہ مکان کی ملکیت کا حصہ دار ہوگا، نہ باپ سے یہ رقم کسی وقت واپس لینے کا حق دار ہوگا، دوسری صورت میں مکان تو تنہا باپ کی ملکیت ہوگا، لیکن دی ہوئی رقم اسکے ذمے قرض سمجھی جائے گی، تیسری صورت میں اپنی لگائی ہوئی رقم کے بقدر وہ مکان کی ملکیت میں بھی شریک ہوگا، اور مکان کی قیمت بڑھنے کے ساتھ ساتھ اسکے حصے کی مالیت میں بھی اضافہ ہوگا، غرض ہر صورت کے تقاضے اور نتائج مختلف ہیں، لیکن چونکہ رقم لگاتے وقت ان تینوں میں سے کوئی صورت طے نہیں ہوتی نہ رقموں کا پورا حساب رکھا جاتا ہے، اس لئے آگے چل کر جب مکان کی قیمت بڑھتی ہے تو آپس میں اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں، اور خاص طور پر باپ کے انتقال کے بعد جب ترکے کی تقسیم کا مرحلہ آتا ہے، تو یہ اختلافات ایک لاینحل مسئلے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، ان کی وجہ سے بھائیوں میں چھوٹ چھٹاؤ کی نوبت آجاتی ہے، اور لڑائی جھگڑوں سے خاندان کا خاندان متاثر ہوتا ہے۔

اگر اسلامی احکام پر عمل کرتے ہوئے تعمیر کے شروع ہی میں یہ ساری باتیں طے کر لی جائیں اور انہیں تحریری طور پر قلمبند کر لیا جائے تو اس خاندانی فساد کا راستہ بند ہو جائے۔

وراثت کی جلد تقسیم کرنے کی ضرورت

(۳) جب خاندان کے کسی بڑے کا انتقال ہوتا ہے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ جلد از جلد اس کا ترکہ اس کے شرعی وارثوں کے درمیان تقسیم کیا جائے، لیکن ہمارے معاشرے میں شریعت کے اس حکم سے شدید غفلت برتی جاتی ہے، بعض اوقات تو جس کے جو ہاتھ لگتا ہے، لے اڑتا ہے، اور حلال و حرام ہی کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے، اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کے پیش نظر بد دیانتی نہیں ہوتی، لیکن ناواقفیت یا لاپروائی کی وجہ سے میراث تقسیم نہیں ہوتی، اور اگر مرحوم نے کوئی کاروبار چھوڑا ہے تو اس پر وہی بیٹا کام کرتا رہتا ہے جو

مرحوم کی زندگی میں کرتا تھا۔ لیکن یہ طے نہیں کیا جاتا کہ اب کاروبار کی ملکیت کس تناسب سے ہوگی؟ شرعی ورثاء کے حصوں کی ادائیگی کس طرح ہوگی؟ کام کرنے والے کو اس کی خدمات کا معاوضہ کس طرح ادا کیا جائیگا؟ ترکے میں کونسی چیز کس کے حصے میں آئیگی؟ بلکہ اگر کوئی شخص ترکے کی تقسیم کی طرف توجہ دلائے بھی، تو اسکی تجویز کو ایک معیوب تجویز سمجھا جاتا ہے، کہ ابھی مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا کہ لوگوں کو بٹوارے کی فکر پڑ گئی ہے۔

حالانکہ یہ بٹوارہ شریعت کا حکم بھی ہے، معاملات کی صفائی کا تقاضا بھی، اور اسے نظر انداز کرنے کا نتیجہ وہی ہوتا ہے کہ ایک عرصہ گذرنے کے بعد ورثاء کو اپنے اپنے حقوق کا خیال آتا ہے، اور رنجشیں پیدا ہوتی ہیں، ترکے کی اشیاء کی قیمتوں میں زمین وآسمان کا فرق پڑ جاتا ہے، اور چونکہ کوئی بات پہلے سے طے شدہ نہیں ہوتی، اس لئے اب معاملات الجھ جاتے ہیں، ان کے مناسب تصفیہ میں سخت مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں، اوران سب باتوں کا نتیجہ لڑائی جھگڑے کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

اگر شریعت کے حکم کے مطابق وقت پر ترکے کی تقسیم عمل میں آجائے اور باہمی رضا مندی اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ تمام ضروری باتیں طے پا جائیں تو آئندہ تنازعات پیدا ہونے کا امکان بہت کم رہ جاتا ہے، اور باہمی محبت واخوت کو فروغ ملتا ہے۔

معاشرہ کی حالت زار

یہ تو میں نے صرف تین سادہ سی مثالیں پیش کی ہیں، ورنہ اگر معاشرے میں پھیلے ہوئے جھگڑوں کا تفصیل سے جائزہ لیا جائے تو نظر آئیگا کہ معاملات کو صاف نہ رکھنا ہمارے معاشرے کا ایک ایسا روگ بن چکا ہے جس نے فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا رکھی ہے۔ معاملہ، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، صاف ستھرا ہونا چاہئے، اس کی شرائط واضح اور غیر مبہم ہونی چاہئیں اور اس سلسلے میں کوئی شرم وحیا اور لحاظ ومروت آڑے نہیں آنی چاہئے، جب ایک مرتبہ معاملے کی شرائط اس طرح طے پا جائیں تو اس کے بعد باہمی برتاؤ میں جو شخص جس سے جتنا حسن سلوک کر سکے، بہتر ہی بہتر ہے اور یہی مطلب ہے اس ارشاد کا کہ "رہو بھائیوں کی طرح اور معاملات اجنبیوں کی طرح کرو"۔ (از ذکر وفکر)

دین کا ایک اہم شعبہ ''معاملات''

معاملات' دین کا ایک بہت ہی اہم شعبہ ہے اور جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عبادات کا مکلّف بنایا ہے اسی طرح معاملات میں بھی کچھ احکام کا مکلّف بنایا ہے اور جس طرح ہمیں عبادات میں رہنمائی عطا فرمائی ہے اسی طرح معاملات میں بھی رہنمائی عطا فرمائی ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کے وقت کن باتوں کا خیال رکھیں' کون سی چیزیں حلال ہیں اور کون سی چیزیں حرام ہیں' افسوس یہ ہے کہ ایک عرصہ دراز سے مسلمانوں کے درمیان معاملات سے متعلق جو شرعی احکام ہیں ان کی اہمیت دلوں سے مٹ گئی ہے۔ دین صرف عقائد اور عبادات کا نام رکھ دیا ہے' معاملات کی صفائی' معاملات میں جائز وناجائز کی فکر اور حلال وحرام کی فکر رفتہ رفتہ ختم ہوگئی ہے اس لئے بھی اس کی اہمیت زیادہ ہے کہ ان کے بارے میں غفلت بڑھتی جارہی ہے۔

معاملات کے میدان میں دین سے دوری کی وجہ

اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ چند سو سالوں سے مسلمانوں پر غیر ملکی اور غیر مسلم سیاسی اقتدار مسلط رہا اور اس غیر مسلم سیاسی اقتدار نے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ اس بات کی تو اجازت دی کہ وہ اپنے عقائد پر قائم رہیں اور مسجدوں میں عبادات انجام دیتے رہیں اپنی انفرادی زندگی میں عبادات کا اہتمام کریں لیکن زندگی میں تجارت (Business) ومعیشت (Economy) کے جو عام کام ہیں وہ سارے کے سارے ان کے اپنے قوانین کے تحت چلائے گئے اور دین کے معاملات کے احکام کو زندگی سے خارج کر دیا گیا' چنانچہ مسجد ومدرسہ میں تو دین کا تذکرہ ہے لیکن بازاروں میں' حکمت کے ایوانوں میں اور انصاف کی عدالتوں میں دین کا ذکر اور اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔

یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جب سے مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ختم ہوا اور غیر مسلموں

نے اقتدار پر قبضہ کیا چونکہ اسلام کے جو معاملات سے متعلق احکام ہیں وہ عمل میں نہیں آ رہے تھے اور ان کا عملی چلن دنیا میں نہیں رہا' اس لئے لوگوں کے دلوں میں ان کی اہمیت گھٹ گئی اور ان پر بحث و مباحثہ اور ان کے اندر تحقیق و استنباط کا میدان بھی بہت محدود ہو کر رہ گیا۔

فطری نظام ایسا ہے کہ جیسی جیسی ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کے حساب سے اسباب پیدا فرماتے رہتے ہیں' معاملات کا شعبہ بھی ایسا ہی ہے کہ جب اس پر عمل ہو رہا ہو تو نئے نئے معاملات سامنے آتے ہیں' نئی نئی صورتحال کا سامنا ہوتا ہے' اس میں حلال و حرام کی فکر ہوتی ہے' فقہاء کرام ان پر غور کرتے ہیں' ان کے بارے میں استنباط کرتے ہیں اور نئی نئی صورتحال کے حل بتاتے ہیں' ان کے بارے میں شریعت کے احکام سے لوگوں کو باخبر کرتے ہیں۔ لیکن جب ایک چیز کا دنیا میں چلن ہی نہیں رہا تو اس کے بارے میں فقہاء سے پوچھنے والے بھی کم ہو گئے' اس کے نتیجے میں فقہاء کرام کی طرف سے استنباط کا جو سلسلہ چل رہا تھا وہ بھی دھیمہ پڑ گیا' میں یہ نہیں کہتا کہ رک گیا بلکہ دھیمہ پڑ گیا' اس واسطے کہ اللہ کے کچھ بندے ہر دور میں ایسے رہے ہیں کہ جو اپنی تجارت اور معیشت میں حلال و حرام کی فکر رکھتے تھے' وہ کبھی کبھی علماء کی طرف رجوع کرتے اور علماء ان کے بارے میں کچھ جوابات دیتے جو ہمارے ہاں فتاویٰ کی کتابوں میں موجود ہیں لیکن چونکہ پورا نظام غیر اسلامی تھا اس واسطے غور و تحقیق اور استنباط کے اندر وسعت نہ رہی اور اس کا دائرہ محدود ہو گیا اور اس کی وجہ سے معاملات کے سلسلے میں فقہ کا جو ایک طبعی ارتقاء تھا وہ سست پڑ گیا اور اس کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ جب ہم دینی مدارس میں فقہ اور حدیث وغیرہ پڑھتے پڑھاتے ہیں تو سارا زور عبادات پر صرف کر لیتے ہیں اور جب معاملات کا باب آتا ہے تو چونکہ ذہن میں اس کی اہمیت کم ہو گئی ہے اور بازار میں اس کا چلن کم ہو گیا ہے اس لئے اس پر کچھ زیادہ توجہ اور اہمیت کے ساتھ بحث و مباحثہ کی ضرورت بھی نہیں سمجھی جاتی' عام طور سے معاملات کے ابواب بھاگتے دوڑتے گزر جاتے ہیں' اس وجہ سے معاملات کی فقہ کو جاننے والے کم ہو گئے ہیں اور جب وہ کم ہو گئے ہیں تو ایک طرف بازار میں نئے نئے معاملات پیدا ہو رہے ہیں اور نئی نئی صورتیں وجود میں آ رہی ہیں' دوسری طرف ان صورتوں کو سمجھنے اور ان کے حکم کا استنباط کرنے والوں کی کمی ہو گئی ہے۔

اب اگر ایک تاجر تجارت کر رہا ہے اور اس کو اس کے اندر روزمرہ نئے نئے حالات پیش آتے ہیں وہ کسی عالم کے پاس جاتا ہے کہ بھائی میری یہ صورت حال ہے اس کا حکم بتائیں؟ اب صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ تاجر عالم کی بات نہیں سمجھتا اور عالم تاجر کی بات نہیں سمجھتا کیوں کہ دونوں کے درمیان ایک ایسا فاصلہ قائم ہوگیا ہے کہ ان کی بہت سی اصطلاحات اور بہت سے معاملات میں ان کے عرف اور ان کے طریق کار سے عالم ناواقف ہے۔ تاجر اگر مسئلہ پوچھے گا تو وہ اپنی زبان میں پوچھے گا اور عالم نے وہ زبان نہ سنی' نہ پڑھی' لہٰذا وہ اس کا مطلب نہیں سمجھ پاتا' عالم جواب دے گا تو اپنی زبان میں جواب دے گا جس سے تاجر محروم ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ علماء کے پاس جا کر ہمیں اپنے سوالات کا پورا جواب نہیں ملتا تو انہوں نے علماء کی طرف رجوع کرنا ہی چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ سے علماء اور کاروبار کرنے والوں کے درمیان ایک فاصلہ پیدا ہوگیا اور اس کے نتیجے میں خرابی درخرابی پیدا ہوتی چلی گئی۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس "فقہ المعاملات" کو سمجھا جائے اور پڑھا جائے۔

معاملات کی اصلاح کا آغاز

اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سارے عالم میں ایک شعور پیدا ہو رہا ہے اور وہ شعور یہ ہے کہ جس طرح ہم اپنی عبادتیں شریعت کے مطابق انجام دینا چاہتے ہیں اسی طرح اپنے معاملات کو بھی شریعت کے سانچے میں ڈھالیں' یہ قدرت کی طرف سے ایک شعور ہے جو ساری دنیا کے مسلمانوں میں رفتہ رفتہ پیدا ہونا شروع ہوا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ جن کی ظاہری شکل وصورت اور ظاہری وضع قطع کو دیکھ کر دور دور تک یہ گمان بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ متدین ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں حرام مال کی نفرت اور حلال مال کی طرف رغبت پیدا فرمادی۔

اب وہ اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح ہمارے معاملات شریعت کے مطابق ہو جائیں۔ وہ اس تلاش میں ہیں کہ کوئی ہماری رہنمائی کرے' لیکن اس میدان میں رہنمائی کرنے

والے کم ہوگئے۔ ان کے مزاج و مزاق کو سمجھ کر ان کے معاملات اور اصطلاحات کو سمجھ کر جواب دینے والے بہت کم ہوگئے اس وقت ضرورت تو بہت بڑی ہے لیکن اس ضرورت کو پورا کرنے والے افراد بہت کم ہیں۔

ایک اہم کوشش

اس لئے میں عرصہ دراز سے اس فکر میں ہوں کہ دینی مدارس کے تعلیمی نصاب میں ''فقہ المعاملات'' کو خصوصی اہمیت دی جائے اور اس غرض کے لئے بہت سے اقدامات بھی کئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

مدرسہ کھولا ہے دوکان نہیں

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس اللہ سرہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) ایک دن ہمیں وصیت کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ دیکھو بھائی یہ میں نے مدرسہ کھولا ہے کوئی دکان نہیں کھولی ہے اور میں اس کو ہر قیمت پر چلانے کا مکلّف بھی نہیں ہوں، میں اس کا مکلّف ہوں کہ اپنی حد تک اس کو چلانے کی جتنی کوشش ہوسکتی ہے وہ کروں اور اس کو ہمیشہ چلاتے رہنے کا بھی مکلّف نہیں ہوں، لہٰذا جب تک اصول صحیحہ کو برقرار رکھتے ہوئے اس کو چلا سکو تو چلاؤ، لیکن جس دن اس کو چلانے کے لئے اصول صحیحہ کو قربان کرنا پڑے اس دن اس کو تالا ڈال کر بند کر دینا کیونکہ مدرسہ بذات خود مقصود نہیں بلکہ مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور وہ اس وقت حاصل ہوسکتی ہے جب مدرسہ اصول صحیحہ پر چلایا جائے، یہ کوئی دکان نہیں ہے کہ اس کا ہر حال میں چلتے رہنا ضروری ہو اس کو بند کر کے کوئی اور دھندا دیکھ لو، کوئی اور کام کرلو، یہ ایسی کانٹے کی بات فرمائی تھی کہ عام طور سے جب مدرسے قائم کئے جاتے ہیں تو دماغ میں یہ ہوتا ہے کہ اس کو ہر حال میں چلانا ہی ہے اگر صحیح راستہ اختیار کئے ہوئے نہیں چلتا تو غلط راستہ اختیار کرو، لیکن وہ کہتے تھے کہ غلط راستہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب صحیح راستہ سے نہیں چل رہا ہے تو بند کر دو آخرت میں سوال نہیں ہوگا کہ تم نے بند کیوں کر دیا۔ ساری عمر اسی اصول پر عمل فرمایا مدرسوں کے اندر جو جذبات ہوتے ہیں ان کی کبھی رعایت نہیں۔

جب دارالعلوم نانک واڑہ سے یہاں منتقل ہو رہا تھا تو آپ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ یہ جگہ کیا تھی، ایسا ویرانہ اور ریگستان اور ایسا صحرا تھا کہ جس میں دور دور تک نہ پانی، نہ بجلی، نہ فون، نہ پنکھا، نہ بس اور نہ کوئی آمدورفت کا ذریعہ، بس ڈیڑھ میل دور جا کر ملتی تھی وہ بھی سارا جنگل تھا، پانی شرافی گوٹھ کے کنویں سے بھر کر لاتے تھے، یہاں پانی نہیں تھا ایسی جگہ مدرسہ قائم کیا تھا، اس وقت بہت سے ایسے اساتذہ جو بڑے مشہور تھے اور ہمارے ہاں پڑھا رہے تھے وہ یہاں آنے پر تیار نہیں تھے اس لئے کہ یہاں کی زندگی بڑی پُر مشقت تھی، بہت سے حضرات اور بڑے بڑے اساتذہ جن میں چند ایسے اساتذہ بھی تھے جو دارالعلوم کی بنیاد سمجھے جاتے تھے وہ چلے گئے، ان کے جانے سے ظاہر ہے مدرسے کے اوپر اثر پڑنا تھا۔ تو لوگوں نے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا کر کہنا شروع کر دیا کہ جب اتنے بڑے بڑے اساتذہ چلے گئے ہیں تو مدرسہ کیسے چلے گا لہٰذا کسی مشہور استاذ کو لانا چاہئے اور جس کسی کا نام لیا وہ کسی نہ کسی مدرسہ میں پڑھا رہے تھے ' لوگوں نے سر پیچ دیا کہ آپ ایک بار ان کو خط لکھ دیں کہ آپ ان کو بلانا چاہتے ہیں لیکن والد صاحب رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ میرے اصول کے خلاف ہے، میں یہ نہیں کر سکتا کہ ایک مدرسہ کو اجاڑ کر دوسرا مدرسہ آباد کروں، لہٰذا اگر کوئی کہیں کام کر رہا ہے تو میں اس کو بیع علی بیع اخیہ نہیں کروں گا، ہاں اگر خود سے اللہ تعالیٰ عطا فرما دیں تو یہ دوسری بات ہے۔

ایک سال ایسا ہوا کہ دورہ حدیث کی جماعت میں بارہ یا تیرہ طالب علم تھے۔ لوگوں نے کہا کہ دورۂ حدیث کی جماعت ہے اور بارہ تیرہ طالب علم ہیں کہا کوئی ضروری تھوڑا ہی ہے کہ طلبہ کی بھیڑ جمع کریں، ہمارے جو صحیح طریقے ہیں ان سے ہم جتنا کر پا رہے ہیں اسی کے مکلّف ہیں چاہے وہ بارہ ہوں یا دس ہوں یا پانچ ہوں، ایک بھی نہ ہو تو نہ سہی، لیکن اصول صحیحہ کو قربان کر کے طلبہ کی جماعت بڑھا دوں یہ نہیں کروں گا، سالہا سال یہ صورتحال رہی۔ کئی سال تک یہ صورت حال رہی کہ لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ بھائی دیکھو فلاں مدرسہ میں اتنے طالب علم ہیں اور اس میں بارہ چودہ طالب علم ہیں فرماتے وہ ہوا کرے ہمیں کوئی جماعت بڑھانا تھوڑا ہی مقصود ہے ہمارا مقصد دین کی خدمت ہے چاہے وہ جس طرح بھی ہو جائے۔ کسی کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹائیں گے ایک استاذ کافی ہے، کسی نے کہا حضرت یہ تو

9 حالت ضرورت اور اضطرار ہے انہوں نے جواب دیا کہ صاحب یہ مولویانہ تاویلات چھوڑیں میں یہ کام نہیں کروں گا جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ خود کہیں سے چھوڑنا چاہتے ہیں ان کو بلالوں گا' ساری عمر یہی کام کیا۔ یہ پلے باندھنے کی باتیں ہیں جب مقصود دین ہی ہے پھر ہر معاملہ میں دین کی تعلیم کو مدنظر رکھنا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے' یہ نہیں کہ مدرسہ کے لئے اور معیار ہے اور دوسروں کے لئے اور معیار ہے۔

تجارت کی فضیلت

قرآن کریم میں بکثرت یہ تعبیر آئی ہے کہ اللہ کا فضل تلاش کرو' اس کی تفسیر اکثر حضرات مفسرین نے یہ کی ہے کہ اس سے مراد تجارت ہے گویا تجارت کو ابتغاء فضل اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ کا فضل تلاش کرو اس سے تجارت کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے' تجارت کو محض دنیاوی کام نہ سمجھو بلکہ یہ اللہ کے فضل کو تلاش کرنے کے مترادف ہے۔

قرآن میں مال ودولت کے لئے کلمہ خیر اور قباحت کا استعمال

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں دنیا ودولت کے لئے بعض جگہ پر ایسے کلمات استعمال کئے گئے ہیں جو ان کی قباحت اور شناعت پر دلالت کرتے ہیں مثلاً (انما اموالکم و اولاد کم فتنة وما الحیوٰة الدنیا الامتاع الغرور) اوران کے لئے تعریفی کلمات بھی ہیں۔ جیسے (وابتغوا من فضل الله) (اور ڈھونڈو فضل اللہ کا) یعنی تجارتی نفع' اس کو فضل اللہ سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ اور بعض جگہ مال کے لئے خیر کا لفظ استعمال کیا گیا۔ جیسے (وانه لحب الخير لشديد) (اور آدمی محبت پر مال کی بہت پکا ہے) الخیر یہاں مال کے معنی میں ہے تو ایک ظاہر بین انسان کو بعض اوقات ان دونوں قسم کی تعبیرات میں تعارض وتضاد محسوس ہوتا ہے کہ ابھی تو کہہ رہے تھے کہ متاع الغرور یعنی دھوکہ کا سامان ہے اور ابھی کہہ رہے ہیں کہ فضل اللہ اور خیر ہے۔

حقیقت میں یہ تعارض نہیں بلکہ یہ بتانا منظور ہے کہ دنیاوی مال واسباب جتنے بھی ہیں یہ انسان کی حقیقی منزل اور منزل مقصود نہیں' بلکہ منزل مقصود آخرت اور آخرت میں اللہ تعالیٰ

کی خوشنودی اور رضا ہے۔ اس دنیا میں زندہ رہنے کے لئے ان اسباب کی ضرورت ہے ان کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا' لہٰذا انسان ان اسباب کو محض راستہ کا ایک مرحلہ سمجھ کر استعمال کرے منزل مقصود قرار نہ دے تو اس وقت تک یہ خیر ہے اور جب انسان اس کو منزل مقصود بنالیں تو جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس منزل مقصود کو حاصل کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقہ اختیار کرنا شروع کر دیں تو یہ فتنہ اور متاع الغرور ہے۔ لہٰذا جب تک دنیا اور اس کے مال و اسباب محض وسائل کے طور پر استعمال ہوں اور جائز حدود میں استعمال کیا جائے تو اس وقت تک اللہ کا فضل اور خیر ہے اور جب اس کی محبت دل میں گھر کر جائے اور انسان اس کو منزل مقصود بنالے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے ہر جائز اور ناجائز طریقہ اختیار کرنا شروع کر دے تو وہ فتنہ اور متاع الغرور یعنی دھوکہ کا سامان ہے۔

دنیا میں مال واسباب کی مثال

علامہ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی پیاری مثال دی ہے' وہ کہتے ہیں کہ دیکھو دنیا کے مال و اسباب جتنے بھی ہیں ان کی مثال پانی کی سی ہے اور تیری مثال اے انسان کشتی کی سی ہے' کشتی بغیر پانی کے نہیں چل سکتی' کشتی کے لئے پانی اسی وقت تک فائدہ مند ہے جب تک کشتی کے چاروں طرف ہو' نیچے ہو' دائیں ہو' بائیں ہو لیکن اگر پانی اندر آ جائے تو اس کو ڈبو دے گا اور غرق کر دے گا۔

آب اندر زیر کشتی پشتی است   آب در کشتی ہلاک کشتی است

جب تک پانی کشتی کے نیچے ہو تو اس کو سہارا دیتا ہے' اس کو آگے بڑھاتا ہے اگر کشتی کے اندر گھس جائے تو کشتی کی ہلاکت کا باعث ہو جاتا ہے۔ پس یہی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ حدیث میں ہے کہ: ''التاجر الصدوق الأمين مع النبيين و الصديقين و الشهداء'' (مشکوٰۃ المصابیح' ص:۲۴۳) اور دوسری حدیث میں ہے کہ: ''قال: التجار يحشرون يوم القيامة فجارًا إلامن اتقى الله و بر و صدق'' (مشکوٰۃ المصابیح' ص:۲۴۴) تو جو آدمی اس کو راستے کا مرحلہ سمجھے اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں اس کو استعمال کرے تو وہ نعمت اور فضل اللہ ہے اور جہاں آدمی اس کی محبت میں مبتلا ہو جائے اور اس کی وجہ سے حرام و حلال کی

حدود کو پامال کر دے تو وہ متاع الغرور ہے۔ قرآن وحدیث نے اس حقیقت کو سمجھایا ہے۔

مسلمان تاجر کا خاصہ

فرمایا کہ: **فاذا قضیت الصلٰوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ۔** (**الجمعۃ ۱۰۔۱۱**) ترجمہ: پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا) یعنی اللہ کا فضل تلاش کرو، تجارت کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ تجارت کر رہے ہو تو بھی ذکر اللہ جاری رہنا چاہئے۔ کیونکہ اگر تجارت میں اللہ کی یاد فراموش ہوگئی، اللہ کا ذکر نہ رہا تو وہ تجارت تمہارے دل میں گھس کر تمہاری کشتی کو ڈبو دے گی۔ اس واسطے **وابتغوا من فضل اللہ** کے ساتھ واذکروا اللہ کثیرا الا حقہ لگا دیا کہ تجارت کے ساتھ بھی اللہ کی یاد ہونی چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ (**یایھاالذین اٰمنو لا تلھکم اموالکم واولاد کم عن ذکر اللّٰہ**) (المنافقون: ۹) یعنی مال و دولت اور اہل وعیال تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ مسلمان تاجر کا خاصہ یہ ہے کہ وہ تجارت بھی کر رہا ہے لیکن (ع) دست بکار و دل بیار

یعنی ہاتھ تو کام میں لگ رہا ہے لیکن دل اللہ کی یاد میں لگا ہوا ہے۔ اسی کی صوفیائے کرام مشق کراتے ہیں اور تصوف اسی کا نام ہے کہ تجارت بھی کرو اور زیادہ سے زیادہ ذکر اللہ بھی کرو۔ اب یہ کیسے کریں اور اس کی عادت کیسے ڈالیں؟ تو صوفیائے کرام اسی فون کو سکھاتے ہیں کہ تم تجارت بھی کر رہے ہو گے اور اللہ کا ذکر بھی جاری رکھو گے۔

میرے دادا حضرت مولانا محمد یاسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے یعنی جس سال دارالعلوم دیوبند قائم ہوا اسی سال ان کی ولادت ہوئی، ساری عمر دارالعلوم دیوبند میں گزاری، وہیں پڑھا اور وہیں پڑھایا وہ فرماتے تھے کہ "ہم نے دارالعلوم دیوبند میں وہ زمانہ دیکھا ہے کہ جب اس کے شیخ الحدیث سے لے کر اس کے دربان اور چپراسی تک سب صاحب نسبت ولی اللہ تھے" چوکیدار چوکیداری کر رہا ہے دروازے پر بیٹھا ہوا ہے اور اس کے لطائف ستہ جاری ہیں۔ دادا جی شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے اور شیخ الہندؒ سے ہی دورہ حدیث پڑھا تھا، فرماتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ ہم شیخ الہندؒ سے منطق کی کتاب ملا حسن کا سبق پڑھتے تھے، حضرت سبق پڑھا رہے ہوتے تھے تقریر کر رہے ہوتے

تھے تو ہمیں ان کے دل سے اللہ اللہ کی آواز آتی ہوئی سنائی دیتی تھی۔ آیت کریمہ کا یہی مطالبہ ہے اور یہی کچھ حضرات صوفیائے کرام سکھاتے ہیں کہ کس طرح تمہارا کام بھی چل رہا ہو اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ تم بھی مشغول ہو۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی نئی بدعت نکال لی ہے، یہ کوئی بدعت وغیرہ نہیں بلکہ اسی قرآن کی آیت ''واذکروا اللّٰہ کثیراً لعلکم تفلحون. وإذا راؤ تجارۃً اولھوا انفضوا الیھا و ترکوک قائماً قل ما عند اللّٰہ خیر من اللھو ومن التجارۃِ واللّٰہ خیر الراز قین.

ترجمہ: اور یاد کرو اللہ کو بہت سا تا کہ تمہارا بھلا ہو، اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشا متفرق ہو جائیں اس کی طرف اور تجھ کو چھوڑ جائیں کھڑا۔ تو کہہ جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے تماشے سے اور سوداگری سے اور اللہ بہتر روزی دینے والا۔'' پر عمل ہے۔

آداب معاشرت

آج کل ہمارے ہاں آداب معاشرت بالکل ہی ختم ہو گئے ہیں اور دین سے اس چیز کو بالکل خارج سمجھ لیا گیا ہے جبکہ استئذ ان کے اوپر قرآن کریم میں دو رکوع نازل ہوئے، آج کل اس کا اہتمام نہیں، وقت بے وقت کسی کے پاس چلے گئے، یہ دیکھے بغیر کہ اس کو تکلیف ہوگی یا راحت ہوگی۔ یہی حکم ٹیلیفون کا ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ اس کے سونے کا وقت ہے، آرام کا وقت ہے فون کرنا دوسروں کو تکلیف دینا ہے۔

دوسرا یہ کہ آدمی جا کر دیکھ بھی لیتا ہے کہ آدمی مشغول ہے کہ نہیں، لیکن ٹیلیفون والے کو تو پتہ ہی نہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ لہٰذا بعض اوقات وہ مشغول ہوتا ہے، آپ نے یہاں پر لمبی بحث چھیڑ دی اور وہاں پر اس کے لئے پریشانی کا سبب بن گیا، لہٰذا پہلے پوچھ لو کہ میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں پانچ منٹ لگیں گے آپ کے پاس موقع ہے یا نہیں، اگر آپ کے پاس موقع ہے تو صحیح ورنہ تھوڑی دیر کے بعد کرلوں گا، لوگوں کے اوپر بغیر استئذ ان کے مسلط ہو جانا آداب کے خلاف ہے اور ہمارے ہاں یہ غلط روش پیدا ہو گئی ہے اور اسے دین کا حصہ سمجھتے ہی نہیں۔

اب میں آپ کو کیا بتاؤں! جب گھر میں ہوتا ہوں تو بکثرت یہ صورت ہوتی ہے کہ میں دس منٹ بھی اپنا کام لگ کر نہیں کر سکتا کیونکہ کوئی نہ کوئی ٹیلی فون آجاتا ہے یا کوئی آدمی آجاتا

ہے، کام کرنے بیٹھا ابھی ذہن فارغ کیا، تو معلوم ہوا فون آ گیا، عام طور پر یہ سلسلہ سارا دن جاری رہتا ہے رات کو ساڑھے بارہ بجے گھنٹی بج رہی ہے، بھائی کیا بات ہے؟ جناب یہ مسئلہ معلوم کرنا تھا۔ اور یہ مسئلہ بھی ایسا نہیں جو فوری نوعیت کا ہو یعنی گھر پر جنازہ ہو گیا یا کچھ ہو گیا، آدمی اس کے بارے میں مسئلہ پوچھے تو ایک بات ہے؟ میں نے کہا یہ بھی کوئی بات ہے آپ نے ٹیلی فون کرنے سے پہلے گھڑی دیکھی تھی؟ جواب دیا کہ ساڑھے بارہ بجے ہیں، میں نے کہا کہ ساڑھے بارہ بجے کسی کو فون کرنا مناسب ہے؟ کہنے لگا کہ میں نے سنا تھا کہ آپ دیر تک جاگتے ہیں تو میں نے کہا کہ میرا یہ جرم ہے کہ میں دیر تک جاگتا ہوں۔ ایک دن رات کو اڑھائی بجے فون آیا پوچھا بھائی کیا بات ہے؟ جواب ملا کہ صاحب آپ کی بھتیجی کا نکاح ہوا ہے مبارکباد دینی تھی، مبارکباد دینے کے لئے اڑھائی بجے فون کیا تو لوگوں کو فضول تنگ کرنا ہوتا ہے اور استنجا ان کے مسائل کو لوگوں نے دین سے خارج کر دیا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

دکاندار سے زبردستی پیسے کم کرا کے کوئی چیز خریدنا جائز و حلال نہیں

آج کل رواج ہے کہ زبردستی پیسے کم کروائے جاتے ہیں، مثلاً فرض کریں کہ آدمی دوسرے کے سر پر سوار ہو کر اس کو بالکل ہی زچ کر دے، یہاں تک کہ اس کے پاس چارہ ہی نہ رہا تو اس نے کہا کہ چلو بھائی اس بلا کو دفع کرو چاہے پیسوں کا کچھ نقصان ہی ہو جائے یہ کہہ کر اگر دکاندار مال دے دے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ چیز آپ کے لئے حلال بھی نہیں ہوگی، اس لئے کہ **لایحل مال امرئ مسلم الاعن طیب نفس منه.** لہٰذا آپ نے تو اس سے زبردستی کم کرایا ہے طیب نفس اس کا نہیں تھا لہٰذا حلال بھی نہیں ہوگا اس لئے کم کرانے کے لئے زیادہ اصرار کرنا اور زیادہ پیچھے پڑنا مؤمن کی شان نہیں۔

(جامع العلوم والحکم، ج:۱ص۲۲۴، مطبع لمعرفۃ، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی وصیت

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جو وصیت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو فرمائی اس میں ایک وصیت یہ بھی ہے کہ اور لوگوں میں تو یہ ہے کہ **سمحا اذا اشتری** لیکن اہل علم کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے زیادہ دیں۔

یہ بھی دین کے مقاصد میں داخل ہے

فرض کریں کسی سواری کا کرایہ ہے تو دوسرے لوگ جتنے دیتے ہیں اس سے کچھ زیادہ دے دیں تا کہ ان کی قدر ومنزلت دل میں قائم رہے اہل علم کی قدر ومنزلت قائم رہنا یہ بھی دین کے مقاصد میں سے ہے اور اگر تم دوسروں سے کم دو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مولوی کی شکل دیکھ کر وہ بھاگے گا کہ یہ مولوی آ گیا ہے میرے اوپر مصیبت بنے گا اور مجھے پیسے پورے نہیں دے گا' اس کے برخلاف دوسروں سے زائد دے دو گے تو تمہاری قدر ومنزلت پیدا ہوگی۔ (مجموعہ وصایا امام اعظمؒ ص:۳۹' رقم:۸۴)

یہ سب دین کی باتیں ہیں یہ اخلاق نبوی ہیں جن کو حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہئے کہ اپنے عام معاملات میں آدمی نرمی کا برتاؤ کرے' اگر پیسے نہیں ہیں اور ضرورت کی چیز نہیں ہے تو مت خریدیں لیکن زبردستی کرنا یا لڑنا جھگڑنا یہ مؤمن کا شیوہ نہیں ہے۔

دنیا میں تاجروں کے ذریعے اشاعت اسلام

دنیا کے بہت سے حصوں میں تاجروں کے ذریعے اسلام پھیلا کیونکہ اس کے لئے باقاعدہ کوئی جماعت نہیں گئی تھی کو جو جا کے لوگوں کو دعوت دے' تجارت کرنے گئے تھے لوگوں نے ان کے تجارتی معاملات کو دیکھا اور مشاہدہ کیا کہ یہ کیسے با خلاق لوگ ہیں ان کو دیکھ کر مسلمان ہوئے۔ آج مسلمان چلا جائے تو لوگ ڈرتے ہیں کہ اس کے ساتھ معاملہ کیسے کریں' دھوکہ یہ دے گا' فریب یہ کرے گا' جھوٹ یہ بولے گا' بدعنوانیوں کا ارتکاب یہ کرے گا اور جو باتیں ہماری تھیں وہ غیر مسلموں نے اپنالیں۔ تو اس کے نتیجے میں اللہ نے دنیا میں ان کو کم از کم فروغ دے دیا' اب بھی امریکہ میں یہ صورتحال ہے کہ آپ ایک دکان سے کوئی سودا خریدنے کے لئے گئے' ہفتہ گزر گیا' ایک ہفتہ گزرنے کے بعد آپ دکاندار کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ بھائی یہ جو سیٹ میں نے لیا تھا یہ میرے گھر والوں کو پسند نہیں آیا اگر اس چیز میں کوئی نقص پیدا نہ ہوا ہو تو کہتے ہیں لاؤ کوئی بات نہیں واپس کر لیں گے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "من أقال نادما بيعته أقال الله عثرته يوم القيامة" (إعلاء السنن) ہمارے ہاں اگر

واپس کرنے کے لئے لے جائے تو جھگڑا ہو جائے گا جبکہ وہ واپس کر لیتے ہیں۔

ان اصولوں کی پابندی غیر مسلم تاجروں کے ہاں ہے

امریکہ سے پاکستان ٹیلیفون کیا اور آپ نے ایک ڈیڑھ منٹ بات کی اس کے بعد ایکسچینج کو فون کر دیں کہ میں نے فلاں نمبر پر فون کرنا چاہا تھا مجھے رانگ نمبر مل گیا جس نمبر کو میں چاہ رہا تھا وہ نمبر نہیں ملا تو کہتے ہیں کوئی بات نہیں ہم آپ کے بل سے یہ کال کاٹ دیں گے۔ اب ہمارے پاکستانی بھائی پہنچ گئے تو انہوں نے ٹائپ رائٹر خریدا مہینے بھر اس کو استعمال کیا اس سے اپنا کام نکالا ایک مہینے کے بعد جا کر کہا کہ پسند نہیں آیا لہٰذا واپس لے لیں۔ شروع شروع میں انہوں نے واپس لے لیا لیکن دیکھا کہ لوگوں نے یہ کاروبار ہی بنا لیا تو اب یہ معاملہ ختم کر دیا۔

ایک واقعہ

میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا' میں لندن سے کراچی واپس آ رہا تھا اور لندن کا جو ہیتھرو ایئر پورٹ ہے وہاں ایئر پورٹ پر بہت بڑا بازار ہے مختلف اسٹال وغیرہ لگے رہتے ہیں' اس میں دنیا کی مشہور کتاب ''انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا'' کا اسٹال لگا ہوا تھا' میں وہاں کتابیں دیکھنے لگا تو مجھے ایک کتاب نظر آئی جس کی بہت عرصے سے میں تلاش میں تھا' اس کا نام ''گریٹ بکس'' ہے' انگریزی میں پینسٹھ (۶۵) جلدوں میں ہے اس کتاب میں ''ارسطو'' سے لے کر ''برٹرینڈ رسل'' تک جو بھی قریب میں فلسفی گزرا ہے یعنی تمام فلسفیوں اور تمام بڑے بڑے مفکرین کی اہم ترین کتابیں جمع کر دیں اور سب کے انگریزی ترجمے اس کتاب میں موجود ہیں۔ میں وہ کتاب اسٹال پر دیکھنے لگا اسٹال پر جو آدمی (Shop Keeper) یعنی دکان دار کھڑا تھا: کہنے لگا کہ کیا آپ یہ کتاب لینا چاہتے ہیں اور کیا آپ کے پاس ''انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا'' پہلے سے موجود ہے؟ میں نے کہا جی ہاں لینا چاہتا ہوں اور پہلے سے موجود بھی ہے۔ اگر آپ کے پاس پہلے سے ''انسائیکلوپیڈیا'' موجود ہے تو آپ کو ہم یہ پچاس فیصد رعایت میں دے دیں گے یعنی جو اصل قیمت ہے اسکی آدھی قیمت پر دے دیں گے۔ میں نے کہا کہ میرے پاس ہے تو سہی لیکن کوئی ثبوت نہیں ہے' جس سے

ثابت کروں کہ میرے پاس ہے۔

دکاندار نے کہا کہ ثبوت کو چھوڑیں! بس آپ نے کہہ دیا ہے کہ ''ہے'' تو بس آپ پچاس فیصد کے حقدار ہیں۔ اب میں نے حساب لگایا کہ پچاس فیصد رعایت کے ساتھ کتنے پیسے بنیں گے تو پچاس فیصد رعایت کے ساتھ وہ تقریباً پاکستانی چالیس ہزار روپے بن رہے تھے۔ مجھے اپنے دارالعلوم کے لئے خریدنی تھی' دارالعلوم ہی کے لئے ''بریٹانیکا'' پہلے بھی موجود تھی۔ میں نے کہا کہ میں تو اب جا رہا ہوں یہ کتاب میرے پاس کیسے آئے گی؟ دکاندار نے کہا کہ آپ فارم بھر دیجئے ہم یہ کتاب آپ کو جہاز سے بھیج دیں گے۔ جب میں نے وہ فارم بھر دیا تو دکاندار کہنے لگا کہ آپ اپنا کریڈٹ کارڈ کا نمبر دے کر دستخط کر دیجئے۔

(تو میں ذرا ٹھٹکا کہ دستخط کروں یا نہ کروں اس لئے کہ دستخط کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ادائیگی ہوگئی وہ چاہے تو اسی وقت جا کر فوراً پیسے نکلوا سکتا ہے مگر مجھے غیرت آئی کہ اس نے میری زبان پر اعتبار کیا اور میں یہ کہوں کہ نہیں میں نہیں کرتا' لہٰذا میں نے دستخط کر دیئے میرے دل میں ایک خیال آیا اور میں نے کہا کہ دیکھو یہاں آپ مجھے پچاس فیصد رعایت پر دے رہے ہیں لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے بلکہ کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ میں نے یہاں سے کتابیں بہت رعایت سے خریدیں اور پاکستان جا کر مجھے اس سے بھی سستی مل گئیں لوگ پتہ نہیں کس کس طرح منگوا لیتے ہیں اور سستی بیچ دیتے ہیں تو مجھے اس بات کا احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے کہ پاکستان میں مجھے اس سے سستی مل جائے۔

دکاندار نے کہا کہ اچھا کوئی بات نہیں' آپ جا کے پاکستان میں معلوم کر لیجئے اگر آپ کو سستی مل رہی ہو گی تو ہمارا یہ آرڈر کینسل کر دیجئے گا اور اگر نہ ملے تو ہم آپ کو بھیج دیں گے۔ میں نے کہا کہ آپ کو کیسے بتاؤں گا؟ تو دکاندار کہنے لگا کہ آپ کو تحقیق کرنے میں کتنے دن لگیں گے' کیا آپ چار پانچ دن یعنی بدھ کے دن تک پتہ لگا سکیں گے؟ میں نے کہا ہاں انشاء اللہ۔

دکاندار نے کہا کہ میں بدھ کے دن بارہ بجے آپ کو فون کر کے پوچھوں گا کہ آپ کو سستی مل گئی کہ نہیں اگر مل گئی ہو تو میں آرڈر کینسل کر دوں گا اور اگر نہیں ملی ہو گی تو پھر روانہ کر دوں گا۔ تو اس نے حجت ہی نہیں چھوڑی' لہٰذا میں نے کہا کہ اچھا بھائی ٹھیک ہے اور میں نے دستخط کر

دیئے اور فارم ان کو دے دیا لیکن سارے راستے میرے دستخط کر کے آ گیا ہوں وہ اب چاہتے تو اسی وقت جا کر بلا تاخیر چالیس ہزار روپے بینک سے وصول کر لیتے یعنی دل میں دغدغہ لگا رہا کہ میں اس میں تاخیر ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے' لہٰذا یہاں کراچی پہنچ کر میں نے دو کام کیئے:

ایک کام یہ کیا کہ امریکن ایکسپریس میں جو کریڈٹ کارڈ کی کمپنی تھی اس کو خط لکھا کہ میں اس طرح دستخط کر کے آیا ہوں لیکن اس کی پیمنٹ (ادائیگی) اس وقت تک نہ کریں جب تک کہ میں دوبارہ آپ سے نہ کہوں۔ اور دوسرا کام یہ کیا کہ ایک آدمی کو بھیجا کہ یہ کتاب دیکھ کر آؤ' اگر مل جائے تو لے آؤ' میں پہلے یہاں تلاش کر رہا تھا لیکن مجھے ملتی نہیں تھی' ایسا ہوا کہ اس نے جا کر تلاش کی تو صدر کی ایک دکان میں یہ کتاب مل گئی اور سستی مل گئی یعنی وہاں چالیس ہزار میں پڑ رہی تھی یہاں تیس ہزار میں مل گئی جبکہ وہ پچاس فیصد رعایت کرنے کے بعد تھی' اب میرا دل اور پریشان ہوا' اللہ کا کرنا کہ یہاں سستی مل رہی ہے اور اس نے کہا تھا کہ بدھ کے دن میں فون کروں گا خدا جانے فون کرے نہ کرے' لہٰذا میں نے احتیاطاً خط بھی لکھ دیا کہ بھائی یہاں مل گئی ہے ٹھیک بدھ کا دن تھا اور بارہ بجے دوپہر کا وقت تھا اس کا فون آیا۔

دکاندار نے فون پر کہا کہ بتایئے آپ نے کتاب دیکھ لی' معلومات کرلیں؟ میں نے کہا: جی ہاں کر لی ہیں اور مجھے یہاں سستی مل گئی ہے تو وہ کہنے لگا کہ آپ کو سستی مل گئی میں آپ کا آرڈر کینسل کر دوں؟ میں نے کہا: جی ہاں' اس پر دکاندار نے کہا کہ میں آرڈر کینسل کر رہا ہوں اور آپ نے جو فارم پر کیا تھا اس کو پھاڑ رہا ہوں اچھا ہوا کہ آپ کو سستی مل گئی ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں۔

چار پانچ دن بعد اس کا خط آیا کہ ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ وہ کتاب آپ کو کم قیمت پر مل گئی لیکن افسوس ضرور ہے کہ ہمیں آپ کی خدمت کا موقع نہیں مل سکا لیکن وہ کتاب آپ کو مل گئی' آپ کا مقصد حاصل ہو گیا آپ کو مبارکباد دیتے ہیں اور اس بات کی توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ بھی آپ ہمارے ساتھ رابطہ قائم رکھیں گے۔

ایک پیسے کا اس کو فائدہ نہیں ہوا فون لندن سے کراچی اپنے خرچے پر کیا پھر خط بھی بھیج رہا ہے!

ہم ان کو گالیاں والیاں بہت دیتے ہیں' اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے جو ہم چھوڑ چکے ہیں' بہر حال کفر کی وجہ سے ان سے نفرت ہونی بھی چاہئے لیکن انہوں نے بعض وہ

اعمال اپنا لئے ہیں جو درحقیقت ہمارے اپنے اسلامی تعلیمات کے اعمال تھے اس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو فروغ دیا۔

حق میں سرِنگوں اور باطل میں اُبھرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) ایک بڑی یاد رکھنے کی اور بڑی زریں بات فرمایا کرتے تھے کہ باطل کے اندر تو ابھرنے کی صلاحیت نہیں إن الباطل كان زهوقا لیکن اگر کبھی دیکھو کہ کوئی باطل پرست ابھر رہے ہیں تو سمجھو کہ کوئی حق والی چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے جس نے اس کو ابھار دیا ہے کیونکہ باطل میں تو ابھرنے کی طاقت تھی ہی نہیں، حق چیز لگ گئی اس نے ابھار دیا۔ اور حق میں صلاحیت سرنگوں ہونے کی نہیں جاء الحق وزهق الباطل تو جب حق اور باطل کا مقابلہ ہو تو ہمیشہ حق کو غالب ہونا ہے، اس میں صلاحیت نیچے جانے کی نہیں ہے اگر کبھی دیکھو کہ حق والی قوم نیچے جا رہی ہے تو سمجھ لو کہ کوئی باطل چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے جس نے اس کو گرایا ہے یہ بڑی کانٹے کی بات ہے۔ ہمارے ساتھ ان کے یہ سب باطل لگ گئے اور ان اقوام نے ان حق باتوں کو اپنا لیا ہے۔ تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے کم از کم دنیا میں تو اس کا بدلہ ان کو دیا کہ دنیا کے اندر ان کو فروغ حاصل ہوا، ترقی ملی، عزت ملی، لیکن آخرت میں معاملہ تو اور ہی معیار پر ہونا ہے یعنی وہاں کا معاملہ دوسرے معیار کا ہے لہٰذا وہاں کا معاملہ تو وہاں ہوگا لیکن دنیا کے اندر ان کو جو ترقی مل رہی ہے اور ہم جو نیچے گر رہے ہیں، اس کے اسباب یہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا دارالاسباب بنائی، انہوں نے یہ اخلاق اختیار کئے تو ان اخلاق کے اختیار کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے تجارت کو فروغ دیا، صنعت کو فروغ دیا اور سیاست میں فروغ دیا اور تم نے یہ چیزیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات چھوڑ دیئے لہٰذا اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں ہماری پٹائی کرا دیتے ہیں۔ روز پٹائی ہوتی ہے۔

برطانیہ میں ایک بے روزگاری الاؤنس ہوتا ہے یعنی کوئی آدمی بے روزگار ہو گیا اور حکومت کو پتہ چل گیا کہ یہ بے روزگار ہے تو اس کا ایک الاؤنس جاری کر دیتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ جب تک وہ بے روزگار ہے تو بھوکا نہ مرے بلکہ اس کو ایک وظیفہ ملتا

رہے اور اگر وہ معذور نہیں ہے تو روزگار کی تلاش میں لگا رہے کوشش کرتا رہے اور جب روزگار مل جائے تو اپنا روزگار خود سنبھالے اور اگر معذور ہے تو وظیفہ ملتا رہتا ہے۔

اب ہمارے مسلمان بھائیوں کی ایک بڑی تعداد وہاں پر ہے اس نے اپنے آپ کو بے روزگار ظاہر کر کے وہ ایک الاؤنس جاری کروا رکھا ہے اور بہت سے ایسے ہیں کہتے ہیں جب آرام سے گھر پر مل رہا ہے تو کمانے کی کیا ضرورت ہے اور بعض ایسے ہیں کہ جن کو روزگار ملا ہوا ہے یعنی چوری چھپے روزگار بھی کر رہے ہیں اور وہ الاؤنس بھی لے رہے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ ائمہ مساجد یہ کام کر رہے ہیں اور اس کی دلیل یہ بنالی ہے کہ یہ تو کافر لوگ ہیں ان سے پیسے وصول کرنا ثواب ہے۔ لہٰذا ہم یہ پیسے وصول کریں گے۔ امامت کے پیسے بھی مل رہے ہیں اور ٹیوشن بھی چلا رہے ہیں اور ساتھ میں بے روزگاری الاؤنس بھی لے رہے ہیں۔ ہم اس عذاب میں مبتلا ہیں تو پھر کیسے رحمت نازل ہو؟ اور جب ہمارا حال یہ ہو گیا تو کیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت شامل حال ہو۔

معاشرے کی اصلاح فرد سے ہوتی ہے

کسی معاشرے کی اصلاح افراد سے ہوتی ہے' یہ سوچنا کہ چونکہ سب یہ کر رہے ہیں تو میں اکیلا کر کے کیا کروں گا یہ شیطان کا دوسرا دھوکہ ہے' دوسرے خواہ کچھ کر رہے ہیں **لا یضر کم من ضل إذا هتدیتم**. اپنے طور پر اپنا معاملہ تو اللہ تعالیٰ سے درست کر لو اور جو اخلاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں ان کے اوپر عمل کر لو تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب ایک چراغ جلتا ہے تو اس ایک سے دوسرا چراغ جلتا ہے اور جلے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

برکت کے معنی ومفہوم

برکت کے معنی یہ ہیں کہ اپنے پاس جو بھی چیز ہے اس کے اندر جو اس کا مقصود یعنی اس کی منفعت ہے وہ بھرپور طریقے سے حاصل ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا کے جتنے بھی مال و اسباب ہیں ان میں سے کوئی بھی بذات خود راحت پہنچانے والا نہیں ہے مثلاً روپیہ ہے اگر تم بھوک میں کھانا چاہو تو بھوک نہیں مٹا سکتے کچھ حاصل نہیں ہوگا' پیاس لگی ہے تو وہ پیاس نہیں

مٹا سکتے۔ اس کے اندر بھی بذات خود بھوک مٹانے کی صلاحیت نہیں اگر بیماری ہو تو بیمار کے اندر ایسی بیماریاں بھی ہوتی ہیں کہ کھاتے جاؤ اور بھوک نہیں مٹتی ایسی بیماریاں بھی ہوتی ہیں کہ پانی پیتے جاؤ اور پیاس نہیں مٹتی تو اصل مقصود راحت ہے۔ لیکن ان اسباب کا لازمہ نہیں ہے کہ جب بھی پیسے زیادہ ہوں گے تو راحت ضرور ہوگی یا جب بھی مال واسباب زیادہ ہوگا تو راحت ضرور ہوگی بلکہ راحت تو کسی اور ہی چیز سے آتی ہے' وہ چاہے تو ایک روپیہ میں راحت دیدے اور نہ چاہے تو ایک کروڑ میں نہ دے' اس واسطے راحت جو کہ مقصود اصلی ہے اس کا نام برکت ہے اور یہ محض عطائے الٰہی سے آتی ہے اس کا اسباب کی گنتی سے کوئی تعلق نہیں۔

مثلاً ایک کروڑ پتی ہے جس کی ملیں کھڑی ہوئی ہیں' کاریں ہیں' کارخانے ہیں' مال و دولت ہے' بینک بیلنس ہے' لیکن جب رات کو بستر پر لیٹتا ہے نیند نہیں آتی اور کروٹیں بدلتا رہتا ہے' ایئر کنڈیشن چل رہا ہے نرم و گداز گدا نیچے ہے اور صاحب بہادر کو نیند نہیں آرہی تو یہ مسہری' یہ گدا اور یہ ایئر کنڈیشن کمرہ اس کے لئے راحت کا سبب نہیں بن سکے' بے چینی کے عالم میں رات گزاری صبح ڈاکٹر کو بلایا ڈاکٹر گولیاں دیتا ہے کہ یہ کھاؤ تو نیند آئے گی۔ اور اگر مزدور ہے آٹھ گھنٹے کی محنت کر کے پسینے میں شرابور ہو کے اور ساگ سے روٹی کھا کے آٹھ گھنٹے جو بھرپور نیند لی صبح کو جا کر اس نے دم لیا۔ اب بتائیں کس کو راحت حاصل ہوئی؟ حالانکہ وہ کروڑ پتی تھا اور یہ بیچارہ مفلس ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے افلاس میں راحت فرما دی اور اس کے کروڑ پتی کو راحت نہیں ملی' تو یہ محض اللہ جل جلالہ کی عطا ہے۔ آج لوگ اس حقیقت کو فراموش کر گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ گنتی ہونی چاہئے بینک بیلنس ہونا چاہئے' بینک میں پیسے زیادہ ہونے چاہئیں' یہ پتہ نہیں کہ جس رشوت سے پیسہ کمایا' دھوکہ سے یا جھوٹ سے کمایا' اس کی گنتی تو بہت ہوگئی لیکن اس نے ان کو نفع نہیں پہنچایا اس سے راحت نہیں ملتی۔ مثلاً کما کر لائے معلوم ہوا کہ گھر میں کوئی بیمار ہو گیا تو جو پیسے آئے تھے وہ ڈاکٹروں اور لیبارٹری کی نذر ہو گئے' سونا چاہا تو نیند نہیں آتی' کھانے بیٹھے انواع واقسام کے کھانے مہیا ہیں' انواع واقسام کی نعمتیں موجود ہیں مگر معدہ اس قابل نہیں کہ کوئی چیز کھا سکے۔

ایک عبرت ناک واقعہ

حضرت تھانویؒ نے ایک وعظ میں فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو نواب تھا، نواب ایک ریاست کے سربراہ کو کہتے ہیں دنیا کی کوئی نعمت ایسی نہیں تھی جو اس کے گھر میں موجود نہ ہو مگر ڈاکٹر نے کہہ رکھا تھا کہ آپ کی غذا ایک ہی چیز ہے، ساری عمر اسی پر گزارہ کریں گے، اگر ایسا کریں گے تو زندہ رہیں گے ورنہ مرجائیں گے اور وہ یہ کہ بکری کا قیمہ ایک ململ کے کپڑے میں رکھ کر اور اس میں پانی ڈال کر اس کو نچوڑ و، اب وہ جو پانی نکلا ہے بس آپ وہ پی سکتے ہیں، اگر دنیا کی اور کوئی چیز کھاؤ گے تو مر جاؤ گے۔ لہٰذا ساری عمر اسی قیمہ کے پانی پر گزاری، نہ روٹی، نہ گوشت، نہ سبزی، نہ ساگ، نہ دال، نہ اور کچھ کھا سکا۔ تو اب بتائیں وہ کروڑ پتی پن کس کام کا جو آدمی کو ایک وقت میں کھانے کی لذت بھی فراہم نہ کرسکے، یہ وہ مقام ہے جہاں برکت سلب ہوگئی اور یہ برکت پیسوں سے خریدی نہیں جاسکتی کہ بازار میں جاؤ اور برکت خرید لاؤ، اتنے پیسے دو اور خرید لو۔

حصول برکت کا طریقہ

برکت اللہ جل جلالہ کی عطا ہے اور یہ عطا کس بنیاد پر ہوتی ہے۔ میں نے بتا دیا کہ اگر امانت سے کام کرو گے، دیانت سے کام کرو گے اور حلال طریقے پر کام کرو گے تو برکت ہوگی اور اگر حرام طریقے سے کرو گے ناجائز اور دھوکہ بازی سے کرو گے تو برکت سلب ہو جائے گی۔ لہٰذا چاہے تمہاری گنتی میں اضافہ ہو رہا ہو لیکن اس کا فائدہ تمہیں حاصل نہیں ہوگا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حصول برکت کیلئے دعا کی تلقین کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے یہ دعا تلقین فرمائی ہے کہ جب کسی کو دعا دو تو بارک اللہ کہہ دو۔ یہ معمولی دعا نہیں ہے، یہ بڑی زبردست دعا ہے اور ہمارے ہاں جو مشہور ہے کہ بھائی مبارک ہو آپ نے مکان بنایا، مبارک ہو آپ نے نکاح کیا، مبارک ہو آپ نے گاڑی خریدی، یعنی ہر چیز میں مبارک کی دعا دیتے ہیں یہ بڑی پیاری دعا ہے اگر اس کو سوچ سمجھ کر دیا جائے اور لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ چیز جو آپ کو ملی ہے اس کی برکت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو' یہ درحقیقت ایک حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ چیز کچھ بھی نہیں ہے جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس میں برکت نہ ڈالی جائے' مکان بیشک عالی شان بنالیا لیکن عالی شان مکان کوئی حقیقت نہیں رکھتا جب تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے برکت عطا نہ ہو اور برکت عطا ہوگی تو اس کو راحت ملے گی مکان تو ہے مگر مکان کی برکت نہیں ہے۔ تو یہ مکان تمہارے لئے عذاب ہو جائے گا' یہ بڑی کانٹے کی بات ہے دنیا آج گنتی کے پیچھے بھاگ رہی ہے لیکن برکت کو نہیں دیکھتے اور جب کسی مالدار کو دیکھا کہ اس کے پاس عالی شان کوٹھی ہے' بنگلہ ہے' مل ہے' کار ہے اور کارخانے ہیں تو وہی بات دل میں آتی ہے۔ (**یالیت لنا مثل ما اوتی قارون انه لذو حظٍ عظیم**) لیکن تمہیں نہیں پتہ کہ یہ جو ظاہری چمک دمک اور شان وشوکت ہے ذرا اس کے دل میں جھانک کر دیکھو کہ ان تمام اسباب کے جمع کرنے کے باوجود وہ کن اندھیروں میں گرفتار ہے۔

ظاہری چمک دمک پر نہیں جانا چاہئے

میرے پاس پچاسوں بڑے بڑے سرمایہ دار' دولت مند آتے رہتے ہیں ایسے ایسے لوگ آتے ہیں کہ جن کو دیکھ کر آدمی یہی کہے (**یالیت لنا مثل ما اوتی قارون**) لیکن جب وہ اپنے دکھڑے بیان کرتے ہیں کہ وہ کن دکھڑوں میں مبتلا ہیں تو واقعی مجھے عبرت ہوتی ہے کہ اس مال ہی کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عذاب بنا رکھا ہے۔ میرے پاس اکثر ایک خاتون مسئلہ وغیرہ پوچھنے کے لئے آتی رہتی ہے' ان کے شوہر کے لئے ارب پتی کا لفظ بھی کم ہے اور اس عورت کو جب دوسری عورتیں دیکھتی ہیں کہ کیسا لباس پہنی ہوئی ہے' کیسی گاڑی میں آرہی ہے' کیسے مکان میں رہ رہی ہے تو ان کی آنکھیں چکاچوند ہوتی ہیں کہ کیسی زبردست عورت ہے لیکن وہ جو آ کر میرے سامنے بلک بلک کر بچوں کی طرح روتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ دولت نکال دے اور مجھے وہ سکون نصیب ہو جائے کہ جو ایک جھونپڑی والے کو حاصل ہوتا ہے' دیکھنے والے تو اس کی چکاچوند دیکھ رہے ہیں لیکن میرے سوا یا اس کے سوا کسی کو پتہ نہیں کہ وہ کس اذیت میں مبتلا ہے' اس واسطے کبھی یہ ظاہری شان وشوکت اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کے چکر میں مت آؤ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ دل کا سکون عطا فرمائے وہ راحت عطا فرمائے جسے برکت کہتے ہیں۔

ظاہری چمک دمک والوں کیلئے عبرتناک واقعہ

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک غریب آدمی تھا وہ ایک مستجاب الدعوات بزرگ کے پاس گیا اور جا کر ان سے کہا کہ حضرت میرے لئے دعا فرما دیجئے کہ میں بھی دولت مند ہو جاؤں گا مشکلوں میں گرفتار ہوں اور دل یوں چاہتا ہے کہ بس سب سے امیر ترین ہو جاؤں۔ پہلے تو انہوں نے سمجھایا کہ کس چکر میں پڑ گئے ہو اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو لیکن وہ نہ مانا' تو بزرگ نے کہا کہ تم یہاں شہر میں کوئی دولت مند آدمی تلاش کرو جو بہت ہی امیر ترین ہو تو اس کا مجھے بتا دینا میں دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا بنا دے۔ اس نے شہر میں چکر لگا کر ایک سنار کو منتخب کیا جس کی دکان زیورات سے بھری ہوئی تھی' پانچ چھ لڑکے ایک سے ایک خوبصورت ہیں اور کام میں اس کا ہاتھ بٹا رہے ہیں' ہنسی مزاق ہو رہا ہے' کھانے پینے کا ساز و سامان ہے' سب کچھ غرض دنیا کی ساری نعمت ہے' انہوں نے کہا کہ بس یہی ہے۔ تو غریب آدمی نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت! میں دیکھ کر آیا ہوں' ایک سنار بہت اعلیٰ درجہ کا ہے دعا کر دیجئے کہ ایسا ہو جاؤں۔ بزرگ نے حتی الامکان سمجھایا کہ پہلے معلومات کر لو پھر دعا کروں گا۔

بزرگ: بھائی ظاہری حالت تو دیکھ آئے ہو کسی وقت تنہائی میں اس سے پوچھ لو کہ تم خوش ہو کہ نہیں۔ تو یہ شخص ان بزرگ کے کہنے پر پھر گیا اور سنار سے تنہائی کا وقت لیا اور اس سے پوچھا کہ بھائی! تمہاری دکان دیکھی ہے بڑی شاندار ہے یہ بتاؤ کہ تمہاری زندگی جو کہ بڑی قابل رشک معلوم ہوتی ہے کیسے گزرتی ہے؟

سنار: میاں کس چکر میں پڑے ہو' میں تو اس روئے زمین پر ایسا مصیبت زدہ شخص ہوں کہ زمین پر مجھ سے زیادہ کوئی اور شخص مصیبت زدہ ہو ہی نہیں سکتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں یہ سونے کا کاروبار کرتا تھا اور اس میں خوب آمدنی تھی' بیوی بیمار ہو گئی بہت علاج کرایا صحیح نہیں ہوئی' پریشانی رہی' آخر میں بیوی بالکل مایوس ہو گئی' مجھے بیوی سے بہت محبت تھی' بیماری کے عالم میں بیوی مجھ سے کہنے لگی کہ مجھے تو یہ خیال ہے کہ جب میں مر جاؤں گی تو تم دوسری شادی کر لو گے اور مجھے بھول جاؤ گے' میں نے کہا کہ نہیں' میں وعدہ کرتا ہوں

دوسری شادی نہیں کروں گا اور تم سے مجھے اتنی محبت ہے کہ اس کے بعد دوسری کی طرف دیکھ ہی نہیں سکتا' اس واسطے شادی نہیں کروں گا۔

اس نے کہا کہ کوئی یقین دلاؤ کہ میں نے کہا کہ میں قسم کھانے کو تیار ہوں' کہا کہ قسم کا مجھے بھروسہ نہیں آخر کار اس کو یقین دلانے کی خاطر میں نے اپنا عضو تناسل کاٹ دیا۔ اس کے بعد اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ تندرست ہوگئی مگر میں قوت مردانہ سے محروم ہو چکا تھا تو ایک عرصہ اس طرح گزرا وہ بھی آخر جوان تھی تو اس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ اس نے جب دیکھا کہ شوہر کے ساتھ تو کوئی راستہ اب ہے نہیں تو اس نے گناہ کا راستہ اختیار کرنا شروع کیا اور یہ جو خوبصورت بچے دکان میں نظر آرہے ہیں ناجائز اولاد ہے' تو میں رہتا ہوں اور دیکھتا ہوں اور کڑھتا ہوں' ساری زندگی میری اس گھٹن میں گزر رہی ہے تو مجھ سے زیادہ تو کوئی مغموم اس دنیا میں ملے گا نہیں۔ لہٰذا یہ جتنے چمک دمک والے نظر آتے ہیں ان کی زندگیوں کے اندر جھانک کر دیکھو تو پتہ لگے گا کہ کیا اندھیرے ہیں۔ لہٰذا اللہ سے مانگنے کی چیز صرف عافیت ہے اور راحت ہے اللہ تعالیٰ عافیت اور راحت عطا فرمائے جو کچھ عطا فرمائے اس میں برکت عطا فرمائے۔

قرض دینے کا اسلامی اصول

اسلام کا اصول یہ ہے کہ جب کوئی شخص تم سے پیسے مانگ رہا ہے اور تم اس کو پیسے دے رہے ہو تو ایک بات طے کر لو کہ جو پیسے تم دے رہے ہو اس سے مقصد اس کی مدد کرنا ہے یا اس کے نفع میں شریک ہونا ہے۔ اگر مدد کرنا ہے تو مدد تو اس کو کہتے ہیں کہ یا تو ویسے ہی صدقہ کر دو یا اگر صدقہ نہیں کرتے تو جتنا قرض دیا اتنا ہی لے لو اس سے زیادہ پیسے وصول کرنا کوئی مدد نہ ہوئی اگر مدد کرنا ہے تو تمہیں ہر زیادتی سے دستبردار ہونا چاہئے تو یہ زیادہ لینا جائز نہیں ہوگا۔ اور اگر مقصد اس کے نفع میں شریک ہونا ہے تو نقصان میں بھی شریک ہونا پڑے گا' اس کا معنی کچھ نہیں کہ میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو۔ زیادہ ہو تو زیادہ لو' کم ہو تو کم لو' نقصان ہو تو مت لو' یہ شرکت اور مضاربت کا قاعدہ ہے۔ اگر سرمایہ دار کو نفع ہو تب بھی یہ سود لینا ظلم ہے۔

جھگڑے سے پرہیز

لڑائی جھگڑا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے قرآن کریم میں جھگڑالو آدمی کی بہت مذمت کی گئی ہے اس کے برخلاف حلم' بردباری اور جھگڑے سے پرہیز کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور ایسے شخص کو اجر وثواب سے نوازتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عبدالقیس کے ایک شخص سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ فِیْکَ خَصْلَتَیْنِ یُحِبُّھُمَا اللّٰہُ الْحِلْمُ وَالْاَنَاۃُ

تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں' بردباری اور تمکنت (صحیح مسلم)

چنانچہ اگر کوئی شخص حق پر ہونے کے باوجود محض رفع شر اور لڑائی جھگڑے سے بچنے کی خاطر اپنا حق چھوڑ دے یا صلح کرلے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت عظیم بشارت دی ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اَنَا زَعِیْمٌ بِبَیْتٍ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّۃِ لِمَنْ تَرَکَ الْمِرَاءَ وَاِنْ کَانَ مُحِقًّا

میں اس شخص کو جنت کے کناروں پر گھر دلوانے کی ضمانت دیتا ہوں جو جھگڑا چھوڑ دے' خواہ وہ حق پر ہو۔ (سنن ابوداؤد)

جس شخص کو جنت میں پہنچانے بلکہ جنت میں گھر دلوانے کی ضمانت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہو اس کی خوش نصیبی کا کیا ٹھکانہ ہے؟ اللہ تعالیٰ یہ دولت تمام مسلمانوں کو عطا فرمائیں۔ آمین۔ (آسان نیکیاں)

معاف کردینا

کسی شخص کو دوسرے نے تکلیف پہنچائی ہے تو اسے شریعت کی حدود میں رہ کر بدلہ لینے کا حق حاصل ہے لیکن اگر وہ بدلہ لینے کی بجائے اس کو معاف کردے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بہت اجر وثواب ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ

اور انہیں چاہئے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں'

کیا تم یہ بات پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو معاف کریں؟

یعنی کون شخص دنیا میں ایسا ہے جس سے کوئی نہ کوئی غلطی سرزد نہ ہوئی ہو اور ہر شخص یہ بھی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی غلطی کو معاف فرمادیں۔ لہٰذا اگر کسی دوسرے سے کوئی غلطی ہوجائے تو یہ سوچنا چاہئے کہ جس طرح میں اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواہشمند ہوں' اسی طرح مجھے بھی دوسروں کو معاف کردینا چاہئے آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو شخص دوسروں کو معاف کرنے کی روش اختیار کرے۔ ان شاء اللہ امید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کی غلطیوں کی مغفرت فرمائیں گے۔

یہ بات متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَامِنْ رَجُلٍ يُّصَابُ بِشَيْءٍ فِيْ جَسَدِهٖ فَيَتَصَدَّقُ بِهٖ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهٖ دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهٖ خَطِيْئَةً

جس کسی شخص کے جسم کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے اور وہ اس کو معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند فرمادیتے ہیں اور اس عمل کی وجہ سے اس کا گناہ معاف فرماتے ہیں۔

جامع ترمذی میں ہے کہ ایک شخص کا دانت کسی نے توڑ دیا تھا' وہ شخص حضرت معاویہؓ کے پاس بدلہ لینے کی غرض سے پہنچا۔ وہاں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اس کو اوپر والی حدیث سنادی تو اس نے بدلہ لینے کا ارادہ ترک کرکے اپنے مدمقابل کو معاف کر دیا۔ (جامع ترمذی' کتاب الدیات' حدیث ۱۴۱۲)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو معاف کرنے کے بجائے اس سے بدلہ لے۔ یعنی اس کو بھی ویسی ہی تکلیف پہنچادے تو اس سے اس کا کیا فائدہ ہوا؟ اگر کسی نے ایسی تکلیف پہنچائی ہے جس کا بدلہ لینا ممکن نہیں ہے تو اس کو معاف نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کو آخرت میں عذاب ہوگا۔

یہاں بھی یہ سوچنا چاہئے کہ اگر اس کو آخرت میں عذاب ہوا تو اس سے مجھے کیا فائدہ ہے؟ اس کے برخلاف اگر اس کو معاف کردیا تو اس سے میرے گناہ معاف ہوں گے عذاب جہنم سے نجات ملے گی اور اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائیں گے۔ لہذا عقل کی بات یہی ہے کہ معاف کرکے یہ فضیلت حاصل کی جائے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کسی کو معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا یا آخرت میں اس سے انتقام نہ لیا جائے اور بس! اگر کوئی شخص دوسرے کو اس طرح معاف کردے تو یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔
لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ معاف کرنے کے بعد اس سے دل بھی کھل جائے کیونکہ دل کا کھل جانا اختیاری بات نہیں ہوتی' وہ زیادہ تر دوسرے شخص کے آئندہ رویئے پر موقوف ہوتا ہے۔ لہذا اگر دل میں اس شخص کی طرف سے انقباض رہا' اور خوشگوار تعلقات قائم نہ ہو سکے۔ لیکن اس شخص نے بدلہ لینے کا ارادہ ترک کردیا اور تعلقات صرف حقوق کی ادائیگی (سلام کا جواب وغیرہ) کی حد تک رکھے۔ تب بھی ان شاء اللہ معاف کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

اسی طرح معاف کرنے کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس شخص کی طرف سے آئندہ اس قسم کی تکلیف پہنچنے کا سدباب نہ کیا جائے۔ اگر اندیشہ ہو کہ وہ شخص دوبارہ ایسی حرکت کرے گا تو اس کے سدباب کے لئے کوئی اقدام کرنا بھی معافی کے خلاف نہیں ہے ایسی صورت میں اپنا سابقہ حق تو معاف کردیا جائے' لیکن آئندہ اس کی تکلیف سے بچنے کے لئے با اختیار افراد سے مدد لے لی جائے تب بھی ان شاء اللہ معافی کی فضیلت حاصل رہے گی۔

جب کسی شخص کے خلاف انتقام کا جذبہ پیدا ہو' یہ سوچ لینا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ جب کافر لوگوں نے آپ پر پتھر برسائے اور اس سے آپ کا چہرہ مبارک لہولہان ہو گیا' تب بھی آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ ' فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ.

اے اللہ' میری قوم کو معاف کردیجئے' ان لوگوں کو حقیقت کا پتہ نہیں ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

کسی ضرورت مند کو قرض دینا

کسی ضرورت مند شخص کو قرض دینے کا بھی بہت ثواب ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہر قرض صدقہ ہے۔" (بیہقی وطبرانی)

بلکہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ضرورتمند کو قرض دینے کا ثواب صدقے سے بھی زیادہ ہے۔ (ترغیب بحوالہ طبرانی وبیہقی)

غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض عموماً اتنی رقم دی جاتی ہے جس کے صدقہ کرنے کی نیت نہیں ہوتی، اور وہ ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جو ضرورت مند ہوتا ہے لیکن لوگوں سے مانگتا نہیں۔ لہٰذا اس کی ضرورت پوری کرنے میں اجر وثواب بھی زیادہ ہے۔

۱۶۔ تنگدست مقروض کو مہلت دینا

کسی تنگدست مقروض کو قرضے کی ادائیگی میں مہلت دینے کی قرآن وحدیث میں بہت فضیلت آئی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ

اور اگر مقروض تنگدست ہو تو خوش حالی تک اسے مہلت دی جائے۔ (سورۃ البقرۃ)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ لَهٗ أَظَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ.

جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے، یا اس کے قرض میں کمی کر دے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسے دن اپنے عرش کے سائے میں رکھیں گے جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ (ترمذی، وقال: حسن صحیح)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ ’’پچھلی امتوں میں سے ایک شخص کی روح فرشتوں نے قبض کی، اس سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے کوئی بھلائی کا عمل کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے کارندوں کو حکم دیا ہوا تھا کہ وہ تنگدست کو مہلت دے دیا کریں اور جو شخص خوشحال ہو اس سے بھی چشم پوشی کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرشتوں سے فرمایا کہ تم بھی اس شخص سے چشم پوشی کرو۔‘‘ اور اس طرح اس کی مغفرت ہوگئی۔ (بخاری و مسلم)

۱۷۔ جائز سفارش کرنا

کسی مسلمان کے لئے جائز سفارش کرنا بھی بڑے ثواب کا کام ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا

جو شخص کوئی سفارش کرے اس کو اس میں سے حصہ ملے گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اِشْفَعُوْا تُؤْجَرُوْا سفارش کرو تمہیں ثواب ملے گا۔ (ابوداؤد و نسائی)

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک شخص نے آ کر آپ سے کچھ فرمائش کی آپ حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ (ان کی) ’’سفارش کرو تاکہ تمہیں ثواب ملے۔‘‘ (بخاری کتاب الادب)

اچھی سفارش بذات خود نیک عمل ہے خواہ متعلقہ شخص کا کام اس سفارش سے بن جائے یا نہ بنے اور اگر کام بن گیا تو امید ہے کہ ان شاء اللہ دوہرا ثواب ملے گا۔

لیکن اس بات کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ سفارش جائز مقصد کے لئے ہو اور اس سے کوئی ناجائز یا ناحق کام نکلوانا مقصود نہ ہو کیونکہ ناجائز سفارش کا گناہ بھی بہت بڑا ہے۔ لہذا سفارش کرنے سے پہلے اس بات کی تحقیق کر لینا واجب ہے کہ جس شخص کی جا رہی ہے وہ اس کا مستحق ہے اور جس کام کے لئے کی جا رہی ہے وہ جائز کام ہے۔

اسی طرح سفارش کے معاملے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ جس شخص سے سفارش کی جا رہی ہے اس پر کوئی ناواجبی بوجھ نہ پڑنا چاہئے سب سے پہلے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کام اس کے اختیار میں ہے یا نہیں اگر کام اس کے اختیار میں نہیں ہے تو سفارش نہیں کرنی چاہئے

کیونکہ اندیشہ ہے کہ سفارش سے اس کو شرمندگی ہوگی اور اگر یہ بات معلوم نہ ہو کہ یہ کام اس کے اختیار میں ہے یا نہیں تو ایسی صورت میں حتمی انداز میں سفارش نہیں کرنی چاہئے بلکہ یہ صراحت کر دینی ضروری ہے کہ اگر یہ کام آپ کے اختیار میں ہو تو کر دیں۔

نیز اگر کوئی کام کسی شخص کے اختیار میں بھی ہو تو بسا اوقات وہ کچھ خاص قواعد وضوابط یا ترجیحات قائم کر لیتا ہے۔ ایسی صورت میں بھی سفارش حتمی طور سے کرنے کے بجائے ایسے انداز سے کرنی چاہئے جس سے اس پر اپنے قواعد یا ترجیحات کے خلاف کوئی کام کرنے کا ایسا دباؤ نہ پڑے جس سے وہ بوجھ محسوس کرے۔

آج کل عموماً سفارش کرتے ہوئے بس یہ بات تو ذہن میں رکھ لی جاتی ہے کہ سفارش کرنا ثواب ہے۔ لیکن سفارش کے جو احکام اور آداب شریعت نے مقرر فرمائے ہیں ان کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ خاص طور سے اس بات کی تو بہت کم لوگ رعایت کرتے ہیں کہ جس شخص سے سفارش کی جا رہی ہے، اس کو تکلیف نہ ہو، لہٰذا یہ بات کبھی نہ بھولنی چاہئے کہ شریعت میں ہر چیز کے آداب واحکام ہیں اور ان کی رعایت ضروری ہے۔ کسی ایک مسلمان کو فائدہ پہنچانے کے لئے کسی دوسرے شخص کو ناواجبی تنگی یا تکلف میں ڈالنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

راحت کس طرح حاصل ہو؟

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :انظرواالى من هواسفل منكم، ولاتنظرواالى من هو فوقكم، فهوا جدران لاتزدروا نعمة الله عليكم (صحیح مسلم)

اپنے سے کم تر لوگوں کو دیکھو

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم ان لوگوں کی طرف دیکھو جو تم سے دنیاوی ساز وسامان کے اعتبار سے کم ہیں (جن کے پاس دنیا کی مال و دولت اور دنیا کا ساز وسامان اتنا نہیں ہے جتنا تمہارے پاس ہے۔ تم ان کی طرف دیکھو) اور ان لوگوں کی طرف مت دیکھو جو مال و دولت میں اور ساز وسامان کے اعتبار سے تم سے زیادہ ہیں۔ اس کے نتیجے میں تمہارے دل میں اللہ کی نعمت کی بے وقعتی اور ناقدری پیدا نہیں ہوگی۔ (اس لئے کہ اگر تم اپنے سے اونچے آدمی کو دیکھتے رہو گے تو پھر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناقدری کی نگاہ سے دیکھو گے اور تمہارے دل میں اس کی بے وقعتی پیدا ہوگی اور تم پریشان رہو گے)۔

دنیا کی محبت دل سے نکال دو

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی محبت دل سے نکالنے کا اور دنیا کے اندر حقیقی راحت حاصل کرنے کا نسخہ اکسیر بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا تھا کہ آدمی کے پاس دنیا تو ہو لیکن دنیا کی محبت دل میں نہ ہو۔ آدمی کے پاس دنیا کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر گزارہ نہیں اگر انسان کے پاس کھانے پینے کی اشیاء نہ ہوں رہنے کے لئے مکان نہ ہو پہننے کے لئے کپڑے نہ ہوں تو پھر انسان کیسے زندہ رہے گا؟ اس لئے ان چیزوں کی ضرورت ہے لیکن ان چیزوں کو اپنا مقصد زندگی نہ بنائے اور ان چیزوں کو اپنا آخری مطمح نظر نہ

بنائے اور صبح شام ہمہ وقت اس کی دھن میں سرگرداں نہ رہے اور دل میں ان کی محبت پیدا نہ کرے اور یہ بات ''قناعت'' کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان کے اندر ''قناعت'' کی صفت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر اس کے پاس دنیا ہوتی ہے لیکن اس کی محبت دل میں نہیں ہوتی۔ اس لئے جب انسان کے دل میں دنیا کی محبت ہوتی ہے تو ہر وقت انسان اس فکر میں رہتا ہے کہ یہ چیز نہیں ملی۔ وہ مل جائے۔ فلاں چیز کی کمی ہے وہ مل جائے۔ کل اتنے پیسے کمائے تھے۔ آج اس سے ڈبل کمالوں۔ صبح سے لے کر شام تک بس اسی فکر اور دھن میں مگن رہتا ہے۔ بس اسی کا نام دنیا کی محبت ہے۔ اس محبت کے نتیجے میں لازماً حرص پیدا ہو جاتی ہے۔

''قناعت'' حاصل کرنے کا نسخۂ اکسیر

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر ابن آدم کو ایک وادی سونے کی بھری ہوئی مل جائے تو وہ چاہے گا کہ مجھے ایک وادی اور مل جائے۔ جب دو مل جائیں گی تو پھر یہ چاہے گا کہ مجھے ایک وادی اور مل جائے'' پھر فرمایا:

لایملأ جوف ابن آدم الاالتراب (صحیح بخاری)

ابن آدم کا پیٹ سوائے قبر کی مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھرے گی۔ جب وہ دنیا سے رخصت ہوگا اور اس کو قبر میں دفن کیا جائے گا تب اس کا پیٹ بھرے گا۔

اور دنیا میں مال و دولت جمع کرنے کے لئے جو بھاگ دوڑ اور محنت کر رہا تھا وہ ساری محنت دھری رہ جائے گی اور سب مال و دولت یہاں چھوڑ کر خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہو جائے گا البتہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ''قناعت'' عطا فرمادیں تو یہ ایک ایسی چیز ہے جو انسان کا پیٹ بھر دیتی ہے اور اس ''قناعت'' کو حاصل کرنے کا نسخہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا اگر تم دنیا اور آخرت کی فلاح چاہتے ہو تو اس نسخے پر عمل کرلو اور اگر فلاح نہیں چاہتے تو عمل مت کرو لیکن پھر ساری عمر بے چینی اور پریشانی کا شکار رہو گے۔ وہ نسخہ یہ ہے کہ دنیاوی مال و دولت کے اعتبار سے اپنے سے اونچے کو مت دیکھو ورنہ یہ خیال آئے گا کہ اس کو فلاں چیز مل گئی ہے۔ مجھے وہ چیز نہیں ملی بلکہ اپنے سے کم تر آدمی

کو دیکھو کہ اس کے پاس دنیا کے اسباب کیا ہیں اور تمہیں اس کے مقابلے میں کتنا زیادہ ملا ہوا ہے۔ اس وقت تم اللہ کا شکر ادا کرو گے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو سامان اور راحت عطا فرمایا ہے وہ اس کو حاصل نہیں اور اگر اپنے سے اونچے کو دیکھو گے تو دل میں ''حرص'' پیدا ہوگی۔ پھر مقابلہ اور دوڑ پیدا ہوگی اور اس کے نتیجے میں دل کے اندر ''حسد'' پیدا ہوگا کہ وہ آگے نکل گیا، میں پیچھے رہ گیا۔ پھر ''حسد'' کے نتیجے میں ''بغض'' پیدا ہوگا۔ پھر ''عداوت'' پیدا ہوگی۔ تعلقات خراب ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ضائع ہوں گے اور اللہ کے بندوں کے حقوق بھی ضائع ہوں گے اور اگر قناعت حاصل ہوگئی اور یہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے عزت کے ساتھ رزق مل رہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ بہت سے لوگ اس سے محروم ہیں۔ الحمدللہ میں اس نعمت پر خوش ہوں۔ پس اس پر اللہ تعالیٰ قناعت عطا فرمائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سکون میں آ جاؤ گے بس اس کے علاوہ سکون کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

دنیا کی خواہشات ختم ہونے والی نہیں

جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے تو یہ دنیا ایسی چیز ہے کہ اس روئے زمین پر کبھی کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جو یہ کہہ دے کہ میری ساری خواہشات پوری ہوگئیں۔ اس لئے کہ خواہشات کی کوئی انتہا نہیں۔ کوئی حد نہیں۔ اگر قارون کا خزانہ بھی مل جائے تب بھی خواہشات پوری نہیں ہوں گی۔ دنیا کی خواہشات ایسی ہیں کہ اس کی ایک کڑی دوسری کڑی سے ملی ہوئی ہے۔ عربی کا ایک شاعر ''متنبی'' گزرا ہے۔ وہ بعض اوقات بہت حکیمانہ شعر کہتا تھا۔ اس نے دنیا کے بارے میں ایک بڑی سچی بات کہی ہے کہ

وما قضیٰ احد منها لبانته   وما انتهیٰ ارب الا الیٰ ارب

یعنی دنیا کا یہ حال ہے کہ آج تک ایک شخص بھی ایسا نہیں گزرا جس نے اس دنیا کی ساری لذتوں اور راحتوں اور خواہشات کو پورا حاصل کرلیا ہو بلکہ اس دنیا کا حال یہ ہے کہ ابھی ایک خواہش پوری نہیں ہوئی ہوتی ہے کہ دوسری خواہش ابھر آتی ہے۔

دین کے معاملات میں اوپر والے کو دیکھو

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح آیا ہے کہ "دنیا کے ساز وسامان کے اندر تم اپنے سے نیچے والے آدمی کو دیکھو کہ فلاں کو دنیا کی یہ نعمت نہیں ملی۔ تم کو ملی ہوئی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اپنے سے اوپر والے کی طرف مت دیکھو اور دین کے معاملات میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھو کہ فلاں شخص دین کا کتنا کام کر رہا ہے میں اب تک وہاں نہیں پہنچا تاکہ تمہارے اندر دین کے کاموں میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا رجحان پیدا ہو۔ لہٰذا دین میں اُوپر والے کو دیکھو اور دنیا میں نیچے والے کو دیکھو۔ اس کے ذریعہ تمہارا دین بھی درست ہوگا اور تمہاری دنیا بھی درست ہوگی۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا حکیمانہ نسخہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا راحت حاصل کرنا

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے اوپر ایک وقت گزرا ہے کہ میں بڑے بڑے مالداروں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا اور ہر وقت انہی کے ساتھ رہتا ان کے ساتھ کھاتا پیتا تھا لیکن اس زمانے میں میرا یہ حال تھا کہ شاید مجھ سے زیادہ کوئی رنج اور تکلیف میں نہیں تھا۔ اس لئے کہ میں جس دوست کے پاس جاتا تو یہ دیکھتا کہ اس کا گھر میرے گھر سے اچھا ہے اور میں اپنی سواری پر بڑا خوش ہوتا کہ میری سواری بڑی اچھی ہے لیکن جب کسی دوست کے پاس جاتا تو یہ دیکھتا کہ اس کی سواری تو میری سواری سے بھی آگے بڑھی ہوئی ہے اور وہ بہت اعلیٰ اور عمدہ ہے اور بازار سے اپنے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ شاندار لباس خرید کر لایا اور وہ لباس پہن کر جب دوست سے ملنے گیا تو میں نے دیکھا کہ اس نے تو مجھ سے بھی اچھا لباس پہنا ہوا ہے۔ لہٰذا جہاں بھی جاتا ہوں تو اپنے سامان سے اچھا سامان نظر آتا ہے کسی کا مکان اچھا ہے کسی کے کپڑے اچھے ہیں کسی کی سواری اچھی ہے۔ پھر بعد میں میں نے ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا جو زیادہ مالدار نہیں تھے بلکہ معمولی قسم کے لوگ تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے راحت اور آرام حاصل ہو گیا اس

لئے کہ اب میں جس کے پاس بھی ملاقات کے لئے جاتا ہوں اور اس کے حالات دیکھتا ہوں اور اس کے مقابلے میں میں اپنی حالت دیکھتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ میرا مکان اس کے مکان سے اچھا ہے۔ میری سواری اس کی سواری سے اچھی ہے۔ میرا لباس اس کے لباس سے اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یا اللہ آپ نے اس سے بہتر عطا فرمایا۔ یہ ہے ''قناعت'' اگر یہ قناعت حاصل نہ ہو پھر نہ صرف یہ کہ انسان ساری عمر دنیا حاصل کرنے کی دوڑ میں مبتلا رہے گا بلکہ راحت بھی نصیب نہیں ہوگی۔

''راحت'' اللہ تعالیٰ کی عطا ہے

اس لئے کہ ''راحت'' اس پیسے اور اس دولت کا نام نہیں بلکہ ''راحت'' تو ایک قلبی کیفیت کا نام ہے جو محض اللہ جل جلالہ کی عطا ہوتی ہے۔ کوٹھی اور بنگلے کھڑے کرلو نوکر چاکر جمع کرلو دروازے پر لمبی لمبی گاڑیاں کھڑی کرلو یہ سب چیزیں جمع کرلو اس کے باوجود یہ حال ہے کہ رات کو جب بستر پر لیٹتے ہیں تو نیند نہیں آتی حالانکہ اعلیٰ درجے کا بستر لگا ہوا ہے اعلیٰ درجے کی مسہری ہے شاندار قسم کے گدے اور تکیے لگے ہوئے ہیں۔ ساری رات کروٹیں بدلتے گزر رہی ہے نیند کی گولیاں کھا کھا کر نیند لائی جارہی ہے وہ گولیاں بھی ایک حد تک کام دیتی ہیں۔ اس کے بعد وہ بھی جواب دے جاتی ہیں۔ دیکھئے سامان راحت سب موجود ہیں۔ بنگلے ہیں' گاڑی ہے' روپیہ پیسہ ہے' ایئر کنڈیشنڈ کمرہ ہے' آرام دہ بستر ہے لیکن رات کی بے چینی کو دور کرنے میں کوئی چیز کارآمد نہیں۔ وہ اسباب بے چینی دور نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جل شانہ ہی اس بے چینی کو دور فرما سکتے ہیں۔ دوسری طرف ایک مزدور ہے جس کے پاس نہ ڈبل بیڈ ہے نہ اس کے پاس ائر کنڈیشن کمرہ ہے۔ نہ اس کے پاس ایسے نرم گدے اور تکیے ہیں لیکن جب رات کو بستر پر سوتا ہے تو صبح کے وقت آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر اٹھتا ہے۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ اس مزدور کو راحت حاصل ہے یا اس مالدار کو راحت حاصل ہے؟ یاد رکھئے! ''راحت'' اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا ہے۔ اسباب راحت پر ''راحت'' حاصل ہونا ضروری نہیں۔ ''راحت'' اور چیز ہے ''اسباب راحت'' اور چیز ہیں۔

اوپر کی طرف دیکھنے کے برے نتائج

اس طریقے پر عمل کرنے میں یہ فائدہ ہوگا کہ اس کے ذریعہ "قناعت" پیدا ہوگی۔ لیکن اگر اس پر عمل نہیں کرو گے بلکہ اپنے سے اوپر والے کو دیکھتے رہو گے تو ہمیشہ رنج اور صدمہ میں رہو گے اور یہ رنج اور صدمہ کسی نہ کسی وقت "حسد" میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ جب دل میں دنیا کی حرص پیدا ہو گئی اور کسی کو اپنے سے آگے بڑھتا ہوا دیکھ لیا تو پھر یہ ممکن نہیں ہے کہ "حسد" پیدا نہ ہو۔ کیونکہ "حرص دنیا" کا لازمی خاصہ یہ ہے کہ اس سے "حسد" پیدا ہوگا کہ یہ مجھ سے آگے بڑھ گیا اور میں پیچھے رہ گیا۔ اور پھر "حسد" کے نتیجے میں "بغض، افتراق، عداوتیں اور دشمنیاں" پیدا ہوں گی۔ آج معاشرے کے اندر دیکھ لیں کہ یہ سب چیزیں کس طرح معاشرے کے اندر پھیلی ہوئی ہیں اور جب یہ دوڑ لگی ہوئی ہے کہ مجھے دوسروں سے آگے بڑھنا ہے تو اس کے نتیجے میں لازمی طور پر انسان کے اندر یہ بات پیدا ہوگی کہ وہ حلال وحرام کی فکر چھوڑ دے گا اس لئے کہ جب اس نے یہ طے کر لیا کہ مجھے یہ چیز ہر قیمت پر حاصل کرنی ہے تو اب وہ چیز چاہے حلال طریقے سے حاصل ہو یا حرام طریقے سے حاصل ہو اس کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہو گی چنانچہ اس کے حاصل کرنے کے لئے پھر وہ رشوت بھی لے گا دھوکہ بازی وہ کرے گا ملاوٹ بھی کرے گا سارے برے کام وہ کرے گا۔ اس لئے کہ اس کو تو فلاں چیز حاصل کرنی ہے یہ سب "قناعت" اختیار نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "قناعت" اختیار کرو اور اپنے سے نیچے والے کو دیکھو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا انداز

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کا یہ مزاج بنا دیا تھا کہ دنیا کی حرص، دنیا کی محبت، دنیا کا ضرورت سے زیادہ شوق ختم ہو جائے۔ ان میں سے ہر شخص اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ مجھے آخرت کی صلاح وفلاح عطا فرما دے۔ دنیا ہو تو وہ صرف ضرورت کے مطابق ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی کس طرح تربیت فرمایا کرتے تھے؟ اس کے واقعات سنئے۔ یہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں دوپہر

کے وقت اپنے گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں راستے میں ٹہل رہے ہیں۔ میں نے سوچا کہ معلوم نہیں یہ دونوں اس وقت کس وجہ سے ٹہل رہے ہیں۔ میں نے جا کر ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ بھوک لگی ہوئی ہے اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ سوچا کہ کچھ محنت مزدوری کر کے کچھ کھانے کا بندوبست کریں۔ ابھی کچھ دیر گزری تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر ان حضرات سے پوچھا کہ آپ حضرات کس وجہ سے باہر تشریف لائے؟ ان حضرات نے جواب دیا۔ ماخرجنا الاالجوع یارسول اللہ! ہمیں بھوک نے باہر نکالا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی اسی وجہ سے نکلا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میرے ایک دوست ہیں۔ ان کے باغ میں چلتے ہیں۔ وہ ایک انصاری صحابی تھے۔ ان کا ایک باغ تھا چنانچہ یہ حضرات وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ صحابی موجود نہیں ہیں۔ ان کی اہلیہ موجود تھیں۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہمارے باغ میں تشریف لائے ہیں تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور انہوں نے کہا کہ آج تو مجھ سے زیادہ خوش قسمت کوئی نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مہمان ہیں۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باغ میں تشریف فرما ہوئے تو ان خاتون نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ مجھے تھوڑی دیر کی اجازت دیجئے کہ آپ کے لئے ایک بکری ذبح کرلوں۔ آپ نے فرمایا کہ بکری ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کا خیال رہے کہ کوئی دودھ دینے والی بکری مت ذبح کرنا۔ ان خاتون نے فرمایا کہ میں دوسری بکری ذبح کروں گی۔ چنانچہ ان خاتون نے بکری ذبح کی اور اس کا گوشت اور باغ کی تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی پیش کیا۔ آپ نے اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے تناول فرمایا۔ جب کھا کر فارغ ہوئے تو فرمایا کہ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں کھانے کی جو نعمت عطا فرمائی کہ اتنا اچھا اور عمدہ کھانا' اتنا عمدہ پانی اور درختوں کا اتنا عمدہ سایہ جس میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں

جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: لتسئلن یومئذ عن النعیم یعنی آخرت میں تم سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا کہ ہم نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کیں۔ تم نے ان کو کس مصرف میں استعمال کیا؟

نعمتوں کے بارے میں سوال

اس طرح آپ نے ان حضرات کی تربیت فرمائی کہ بھوک کی شدت کے عالم میں یہ تھوڑا سا ایک وقت کا کھانا میسر آ گیا اس کے بارے میں ان کے دلوں میں یہ بات بٹھائی جا رہی ہے کہ اس کی محبت تمہارے دلوں میں نہ آ جائے' بلکہ یہ خوف پیدا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو ہیں لیکن کل قیامت کے دن ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دینا ہو گا۔ یہ ذہنیت تمام صحابہ کرام کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا فرما دی تھی۔

موت اس سے زیادہ جلدی آنے والی ہے

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستے سے گزر رہے تھے دیکھا کہ ایک صاحب اپنی جھونپڑی کی مرمت کر رہے ہیں۔ جب آپ قریب سے گزرے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہماری جھونپڑی کچھ کمزور ہو گئی تھی۔ میں اس کی کچھ مرمت کر رہا ہوں۔ آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا کہ یہ مرمت مت کرو لیکن بس ایک جملہ ارشاد فرما دیا کہ ما اری الامر الا اعجل من ذلک یعنی جو وقت موت کا آنے والا ہے وہ مجھے اس سے بھی زیادہ جلدی نظر آتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا جو وقت ہے وہ اتنا جلدی آ سکتا ہے کہ اگر اس کا استحضار ہو تو پھر آدمی کو اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ میری جھونپڑی کمزور ہو گئی ہے۔ اس کو درست کر لوں۔ اشارہ اس بات کی طرف فرما دیا کہ اس جھونپڑی کو اور اس گھر کو درست کرتے ہوئے ذہن میں یہ بات نہ آ جائے کہ یہ میرا ہمیشہ کا گھر ہے اور ہمیشہ مجھے اس میں رہنا ہے۔ بلکہ یہ خیال رکھنا کہ تمہیں تو آگے جانا ہے یہ گھر تو تمہارے سفر کی ایک منزل ہے سفر کی منزل میں بقدر ضرورت انتظام کر لو اس سے زیادہ مت کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا یہ انداز تھا۔

کیا دین پر چلنا مشکل ہے؟

بعض اوقات ان احادیث کو پڑھ پڑھ کر ہم جیسے کم ہمت لوگوں کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ پھر دین پر چلنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہ حضرت ابوہریرہ، یہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم ہی نے دین پر عمل کر کے دکھا دیا۔ ہمارے بس میں تو یہ نہیں ہے کہ اتنے دن کی بھوک برداشت کر لیں اور ایک چادر اوڑھ کر اپنی زندگی گزار لیں اور اپنے رہنے کی جھونپڑی بھی ہو تو اس کی مرمت نہ کریں اور اگر مرمت کرنے لگیں تو اس وقت یہ خیال ہو کہ قیامت کا وقت قریب آنے والا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے۔ یہ واقعات سنانے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ دل میں مایوسی پیدا ہو بلکہ یہ واقعات سنانے کا منشا یہ ہے کہ حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے اندر یہ ذہنیت پیدا فرمائی جس کا اعلیٰ ترین معیار وہ تھا لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر انسان اس اعلیٰ معیار پر پہنچنے کے بعد ہی نجات حاصل کر سکے گا بلکہ ہر انسان کی طاقت اور استطاعت الگ الگ ہے اور اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم انسان کی طاقت اور استطاعت سے زیادہ نہیں دیا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

"دیتے ہیں ظرف قدح خوار دیکھ کر"۔

یعنی جتنا جس شخص کا ظرف ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ظرف کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ اپنے دور کے مجدد تھے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ حقیقت میں وہ ہمارے دور میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں اور اپنے عہد کے مجدد ہیں۔ چنانچہ وہ ہمیں بتا گئے کہ ہمیں ہماری صلاحیت اور ظرف کے مطابق کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ شاید یہ بات ان سے زیادہ بہتر انداز میں کوئی اور نہ بتا سکے گا۔ چنانچہ انہوں نے ہمیں اس بارے میں ایک اصول بتا دیا کہ دنیا کتنی حاصل کرو اور کس درجے میں حاصل کرو اور دنیا کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کرو۔ یہ اصول اصل میں تو مکان کے سلسلے میں بیان فرمایا

کہ آدمی کیسا مکان بنائے؟ لیکن یہ اصول تمام ضروریات زندگی پر لاگو ہوتا ہے۔

مکان بنانے کے چار مقاصد

چنانچہ انہوں نے یہ اصول بیان فرمایا کہ مکان چار مقاصد کے لئے بنایا جا سکتا ہے۔ پہلا مقصد ہے ''رہائش'' یعنی ایسا مکان جس میں آدمی رات گزار سکے اور اس کے ذریعہ دھوپ، بارش، سردی اور گرمی سے حفاظت ہو جائے۔ اب یہ ضرورت ایک جھونپڑی کے ذریعہ بھی پوری ہو سکتی ہے اس مقصد کے تحت مکان بنانا جائز ہے دوسرا مقصد ہے ''آسائش'' یعنی صرف رہائش مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ رہائش آرام اور آسائش کے ساتھ ہو۔ مثلاً جھونپڑی اور کچے مکان میں انسان جوں توں گزارہ تو کرلے گا لیکن اس میں آسائش حاصل نہیں ہوگی اور آرام نہیں ملے گا۔ ہو سکتا ہے کہ بارش کے اندر اس میں سے پانی ٹپکنا شروع ہو جائے اور اس میں دھوپ کی تپش بھی اندر آ رہی ہے۔ اس لئے آسائش حاصل کرنے کے لئے مکان کو پکا بنا دیا تو یہ آسائش بھی جائز ہے۔ کوئی گناہ نہیں ہے۔ تیسرا درجہ ''آرائش'' یعنی اس مکان کی سجاوٹ، آپ نے مکان تو پکا بنا لیا اور اس کی وجہ سے آپ کو رہائش حاصل ہو گئی لیکن اس کی دیواروں پر پلاسٹر نہیں کیا ہے اور نہ اس پر رنگ و روغن ہے اب رہائش بھی حاصل ہے اور فی الجملہ آسائش بھی حاصل ہے لیکن آرائش نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس پر رنگ و روغن نہیں ہے۔ جب آپ اس مکان میں داخل ہوتے ہیں تو آپ کی طبیعت خوش نہیں ہوتی۔ اب اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے رنگ و روغن کر کے کچھ زیب و زینت کر لے تو یہ بھی کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بھی اجازت ہے۔ بشرطیکہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے یہ آرائش والا کام کرے۔ چوتھا درجہ ہے ''نمائش'' یعنی اس مکان کے ذریعہ رہائش کا مقصد بھی حاصل ہو گیا۔ آسائش اور آرائش کا مقصد بھی حاصل کر لیا۔ اب یہ دل چاہتا ہے کہ اپنے مکان کو ایسا بناؤں کہ دیکھنے والے یہ کہیں کہ ہم نے فلاں شخص کا مکان دیکھا اس کو دیکھ کر اس کی خوش ذوقی کی داد دینی پڑتی ہے اور اس کی مالداری کا پتہ چلتا ہے اب اگر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آدمی اپنے مکان کے اندر

کوئی کارروائی کرتا ہے تا کہ لوگ اس کو بڑا آدمی سمجھیں تا کہ لوگ اس کو دولت مند سمجھیں تا کہ لوگ اس کو اپنے سے زیادہ فوقیت والا سمجھیں تو یہ صورت حرام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رہائش حاصل کرنا جائز، آسائش حاصل کرنے کے لئے کوئی کام کرنا جائز، آرائش کے حصول کے لئے کوئی کام کرنا جائز، لیکن "نمائش" اور دکھاوے کے لئے کوئی کام کرنا حرام اور نا جائز ہے اور نمائش کی غرض سے جو چیز بھی حاصل کی جائیگی وہ حرام ہوگی۔

"قناعت" کا صحیح مطلب

یہ تفصیل اس لئے عرض کر دی تا کہ "قناعت" کا صحیح مطلب سمجھ میں آ جائے۔ "قناعت" کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس پر آدمی راضی اور خوش ہو جائے لیکن "قناعت" کے ساتھ اگر آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ میرے مکان میں فلاں تکلیف ہے یہ دور ہو جائے اور میں جائز طریقے سے اور حلال آمدنی سے اس تکلیف کو دور کرنا چاہتا ہوں تو یہ "آسائش" کے اندر داخل ہے اور جائز ہے۔ یہ خواہش "حرص" کے اندر داخل نہیں۔ یا مثلاً اگر ایک شخص نے یہ سوچا کہ میرا مکان ویسے بہت اچھا ہے ماشاء اللہ۔ لیکن جب میں داخل ہوتا ہوں تو مجھے دیکھنے میں اچھا نہیں لگتا۔ اس لئے دل چاہتا ہے کہ اس میں کچھ سبزہ وغیرہ لگا ہوا ہوتا کہ دیکھنے میں اچھا لگے اور میرا دل خوش ہو جایا کرے اب وہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے یہ کام کرتا ہے تو یہ حرص میں داخل نہیں بشرطیکہ اس کام کو کرانے کے لئے جائز اور حلال طریقہ اختیار کرے۔ نا جائز اور حرام طریقہ اختیار نہ کرے تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر مکان میں تمام سہولتیں حاصل ہیں اچھا بھی لگتا ہے آرام بھی ہے لیکن میرے مکان کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو تھرڈ کلاس آدمی ہے یا میں جس محلے میں رہتا ہوں اس میں میرا مکان دوسروں کے مکانوں کے ساتھ میچ نہیں کرتا بلکہ میرے مکان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مالداروں کے محلے میں کوئی نچلے درجے کا آدمی آ گیا ہے اب اس غرض کے لئے مکان کو عمدہ بناتا ہوں تا کہ اس کی نمائش ہو، لوگ اس کی تعریف کریں اور اس کو دیکھ کر لوگ مجھے دولت مند سمجھیں۔ اس وقت یہ کام کرنا حرام ہے، حرص

میں داخل ہے اور یہ کام ''قناعت'' کے خلاف ہے یا اگر کوئی شخص ''آسائش'' اور ''آرائش'' کو حاصل کرنے کے لئے ناجائز اور حرام طریقہ اختیار کرتا ہے۔ مثلاً رشوت کی آمدنی کے ذریعہ وہ یہ آسائش اور آرائش حاصل کرنا چاہتا ہے یا سود لے کر دوسرے کو دھوکہ دے کر یا دوسرے کا حق مار کر یہ چیز حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر یہ حرص میں داخل ہے اور ناجائز اور حرام ہے۔

کم از کم ادنیٰ درجہ حاصل کرلیں

بہرحال صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جو حالات میں نے آپ کو سنائے اس کا مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ وہ تو اعلیٰ درجے کے لوگ تھے۔ اگر ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے صحابہ کرام کے اس اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچ سکتے تو کم از کم اس کا ادنیٰ درجہ تو حاصل کرنے کی فکر کریں جس کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اور یہ درجہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا جب تک دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی فکر اور موت کا دھیان انسان کے اندر پیدا نہ ہو جائے۔ آج انسان سالہا سال کے منصوبے بنا رہا ہے۔ اس کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کل ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ بیٹھے بیٹھے انسان دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے لمبے لمبے منصوبے بنانے سے پرہیز کرے اور صرف بقدر ضرورت دنیا کے مال و اسباب پر قناعت کرے۔ اس قناعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی راحت عطا فرمائیں گے اور آخرت میں بھی سکون ملے گا اور اس کا طریقہ وہ ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا کہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اپنے سے اوپر کی طرف مت دیکھو اس لئے کہ اوپر کی تو کوئی انتہا نہیں ہے۔

دل سے دنیا کی محبت کم کرنے کا طریقہ

اور دنیا کی محبت دل سے نکالنے اور آخرت کی محبت دل میں لانے کا طریقہ یہ ہے کہ تھوڑا سا وقت نکال کر انسان اس بات کا مراقبہ کرے کہ یہ دن رات ہم غفلت میں مبتلا ہیں۔ مرنے سے غافل ہیں اللہ کے سامنے پیش ہونے سے غافل ہیں۔ حساب و کتاب سے غافل ہیں۔ جزا و سزا سے غافل ہیں۔ آخرت سے غافل ہیں اور اس غفلت کی وجہ سے

آخرت اور موت کا خیال بھی نہیں آتا۔ اس لئے تھوڑا سا وقت نکال کر انسان یہ مراقبہ کرے کہ ایک دن مروں گا اس وقت میرا کیا حال ہوگا؟ اور کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہو گی؟ کس طرح سوال و جواب ہوں گے؟ اور مجھے کیا جواب دینا ہوگا۔ روزانہ ان باتوں کا استحضار کرے۔ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی روزانہ ان باتوں کا مراقبہ کرے تو چند ہی ہفتوں میں انشاء اللہ وہ یہ محسوس کرے گا کہ دنیا کی محبت دل سے نکل رہی ہے۔

اس کو پوری دنیا دیدی گئی

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

﴿من اصبح منکم آمنا فی سربہ معافاً فی جسدہ عندہ قوۃ یومہ فکانما خیزت لہ الدنیا﴾ (ترمذی)

یعنی جو شخص اس طرح صبح کرے کہ اس کو تین چیزیں حاصل ہوں ایک یہ کہ وہ اپنے سر چھپانے کی جگہ میں بے خوف ہو یعنی اپنے گھر میں بے خوف ہو اور اس کو کسی دشمن کا یا کسی ظالم کے ظلم کا خطرہ نہ ہو اور دوسرے یہ کہ اس کے بدن میں اس کو تکلیف نہ ہو بلکہ صحت اور عافیت کی حالت میں ہو کوئی بیماری نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کے پاس ایک دن کے کھانے کا انتظام موجود ہو جس شخص کو یہ تین چیزیں حاصل ہوں اس کو گویا کہ پوری کی پوری دنیا تمام اسباب کے ساتھ جمع کر کے دیدی گئی ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو یہ تین چیزیں حاصل ہو گئیں اس کی دنیا کی ضرورت پوری ہو گئی اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس کو عافیت مل گئی اور ضرورت کے مطابق دنیا مل گئی اور ایسے شخص کو ناشکری میں نہیں مبتلا ہونا چاہئے۔

ان نعمتوں پر شکر ادا کرو

اس حدیث میں دو باتوں کی تلقین فرمائی ہے جو ہم سب کے لئے بڑا سبق ہے۔ ایک یہ کہ انسان کو شکر کی عادت ڈالنی چاہئے۔ ناشکری سے بچنا چاہئے۔ ہم لوگ صبح و شام جو ناشکری میں مبتلا رہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے انواع و اقسام کی نعمتیں ہمیں دے رکھی ہیں اس کی نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے۔ لیکن جب ذرا سی کوئی بات طبیعت کے خلاف پیش آ گئی تو

بس اب تمام نعمتوں کو بھول کر ناشکری کرنے لگے اور ان نعمتوں کے مقابلے میں اس ذرا سی تکلیف کو لے کر بیٹھ گئے اور اس کے نتیجے میں ناشکری کرنے لگے۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ اگر تمہیں تین باتیں حاصل ہو گئیں تو تمہیں پوری دنیا مل گئی۔ اگر اس سے زیادہ نہیں ملی تو اس پر شکوہ کرنے اس پر ناشکری کرنے کا کوئی موقع نہیں۔ آج اگر لوگوں سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ کیا حال ہے؟ تو اکثر لوگوں کی زبان پر جملہ آجاتا ہے کہ ''گزر رہی ہے'' ''ٹائم پاس ہو رہا ہے''۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ یہ بڑی ناشکری کا کلمہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں تو مجھے اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت تو میسر نہیں ہے تکلیفوں کا عالم ہے لیکن میرا ہی حوصلہ ہے کہ میں اس کو گزار رہا ہوں اور وقت پاس کر رہا ہوں۔ حالانکہ جب تم سے کوئی پوچھے کہ کیا حال ہے؟ کیسی گزر رہی ہے؟ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں تمہیں میسر ہیں ان کا دھیان کرو اور پہلے ان کا شکر ادا کرو کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے بڑی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور اگر تھوڑی بہت کوئی تکلیف ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ یا اللہ! آپ نے مجھے بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور یہ جو تکلیف ہے یہ بھی حقیقت میں نعمت ہی کا ایک عنوان ہے لیکن میں کمزور ہوں اس تکلیف کا تحمل نہیں کر سکتا۔ یا اللہ اپنی رحمت سے اس تکلیف کو دور فرما دیجئے۔ یہ الفاظ کہو۔ یہ مت کہو کہ میں بڑی مشکل سے زندگی گزار رہا ہوں۔

اونچے اونچے منصوبے مت بناؤ

یہ زندگی کا گزرنا اس لئے مشکل لگتا ہے کہ اپنے ذہن میں پہلے سے ایک بہت بڑا منصوبہ بنالیا کہ دنیا کا یہ سامان اور اسباب حاصل کرنا ہے۔ مثلاً میرے پاس اتنا شاندار بنگلہ ہونا چاہئے ایسی شاندار کار ہونی چاہئے۔ اتنے نوکر چاکر ہونے چاہئیں۔ اتنی اولاد ہونی چاہئے۔ اتنا بینک بیلنس ہونا چاہئے۔ ایسی تجارت ہونی چاہئے یہ منصوبہ پہلے سے بنالیا پھر اگر اس منصوبے کے مطابق کسی چیز میں کمی رہ گئی تو بس اب ناشکری کرنے لگے کہ ہم تو زندگی گزار رہے ہیں اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تم نے یہ جو بڑے

بڑے منصوبے بنا رکھے ہیں یہ بڑی سخت غلطی کی ہے۔ اس لئے کہ اگر تمہیں تین باتیں حاصل ہیں۔ ایک یہ کہ گھر میں تم اطمینان سے ہو دوسرے یہ کہ جسم میں عافیت ہے، تیسرے یہ کہ ایک دن کا اپنا اور اپنے بیوی بچوں کے کھانے کا انتظام موجود ہے تو تمہیں ساری دنیا مل گئی۔ اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں یہ بات بٹھالے کہ بس ان تین چیزوں کا نام دنیا ہے، جو مجھے ملتی ہے تو اس کے بعد اگر اس کو ان تین چیزوں سے زیادہ دنیا ملے گی تو وہ شخص شکر ادا کرے گا کہ میں مستحق تو کم کا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے زیادہ دیدیا اور اگر اس سے زیادہ چیزیں نہیں ملیں گی تو وہ شخص کم از کم ناشکری نہیں کرے گا بلکہ وہ یہ سوچے گا کہ دنیا اتنی ہی تھی جو مجھے ملنی چاہئے تھی اور وہ مل گئی۔ بہرحال، ہماری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ہم پہلے سے بڑے بڑے منصوبے خود بنا لیتے ہیں۔ پھر اس میں جب کوئی کوتاہی رہ جاتی ہے تو ناشکری کر دیتے ہیں۔ اس حدیث میں اس غلطی کا ازالہ فرمادیا کہ ایسے بڑے بڑے منصوبے ہی مت بناؤ۔

اگلے دن کی زیادہ فکر مت کرو

اب ایک سوال ذہن میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک دن کے کھانے کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر تمہارے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہے تو ساری دنیا تمہیں مل گئی تو پھر اگلے دن کیا ہوگا؟ اور اس کے بعد آئندہ کیا ہوگا؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس حدیث کے ذریعہ اشارہ اس بات کی طرف فرمادیا کہ بھائی! اگلے دن کا کیا پتہ کہ وہ آئے گا یا نہیں آئے گا اور جس مالک نے آج عطا فرمایا ہے کہ وہ مالک کل بھی دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا ہے۔

وما من دابة فی الارض الاعلی الله رزقها و یعلم مستقرها و مستودعها

یعنی زمین پر چلنے والا جو کوئی جاندار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رزق اپنے ذمہ لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا مستقل ٹھکانہ بھی جانتے ہیں اور اس کا عارضی ٹھکانہ بھی جانتے ہیں اس کا رزق وہیں پہنچائیں گے لہذا آئندہ کل تم محنت کرنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔ اس محنت اور بھروسے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہیں رزق عطا فرمائیں گے۔ لہذا کل کے لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور آج جو کچھ میسر ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اس لئے کہ شکر کرنے پر

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ: لئن شکرتم لازیدنکم اگر تم شکر کروگے تو تمہیں اور زیادہ دوں گا۔

سکون اور اطمینان قناعت میں ہے

اس حدیث سے دوسرا سبق یہ ملا کہ دنیا میں اطمینان اور عافیت کا راستہ ''قناعت'' کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یعنی جائز طریقے سے مناسب تدبیر کے تحت جتنا کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا اس پر مطمئن ہو جائے زیادہ کی حرص اور ہوس نہ کرے۔ اس کے علاوہ دنیا میں خوش رہنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ مال و دولت کے انبار لگا لو بینک بیلنس کے انبار لگا لو کوٹھیاں بنالو کاریں رکھ لو لیکن اگر قناعت نہیں ہے تو پھر ان کوٹھیوں اور بنگلوں میں بھی تمہیں سکون نہیں ملے گا۔ اس مال و دولت کے ڈھیر میں بھی سکون نہیں ملے گا اور اگر قناعت کی دولت تمہیں حاصل ہے تو پھر یقین رکھو کہ چٹنی روٹی میں بھی تمہیں وہ مزہ آ جائے گا اور وہ اطمینان و سکون میسر آ جائے گا جو بڑی بڑی کوٹھی بنگلوں میں اور اعلیٰ درجے کے کھانوں میں میسر نہیں آئے گا۔ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لو۔

بڑے بڑے دولت مندوں کا حال

آج لوگ دنیا ہی کے پیمانے سے ناپے جاتے ہیں۔ چنانچہ جس کے پاس زیادہ روپے پیسے نہیں ہیں وہ جب کسی بڑے دولت مند کو دیکھتا ہے کہ اس کے پاس پیسے بہت ہیں اس کی فیکٹریاں کھڑی ہوئی ہیں اس کے نوکر چاکر ہیں۔ اس کے پاس بینک بیلنس ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ سب چیزیں دیکھ کر وہ سمجھتا ہے کہ یہ آدمی بڑا خوش نصیب ہے۔ پھر اس کو خوش نصیب سمجھنے کے نتیجے میں اپنے دل میں یہ حسرت پیدا ہوتی ہے کہ مجھے یہ چیزیں میسر نہیں آئیں اور دل چاہتا ہے کہ یہ چیزیں ہمیں بھی مل جائیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اس مال و دولت کے پیچھے اس کوٹھی اور بنگلے کے پیچھے اس کو سکون میسر ہے یا نہیں؟ چونکہ لوگ میرے پاس آ کر اپنے اندرونی حال بتاتے ہیں اس لئے نہ جانے کتنے لوگ خود میرے علم میں ایسے ہیں کہ اگر ایک عام آدمی اس شخص کو اور اس کے ظاہری حالات کو دیکھے گا تو وہ یہی سمجھے گا کہ دنیا کی عظیم ترین دولت اس کو ملی ہوئی ہے۔ کاش میں بھی اس جیسا بن جاؤں۔ اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی اندرونی زندگی میں کیا عذاب برپا ہے اور کس مصیبت میں مبتلا ہے۔ بڑے بڑے امیر اور دولت مندوں نے مجھ

سے رو رو کر یہ کہا کہ کاش ہمیں یہ روپیہ نہ ملا ہوتا۔ کاش! ہمیں یہ دولت میسر نہ آئی ہوتی۔ شاید ہمیں اس کے بغیر زیادہ امن وسکون اور زیادہ عافیت مل جاتی۔

سکون پیسے سے نہیں خریدا جا سکتا

بہرحال، یہ راحت اور سکون پیسے سے نہیں خریدا جا سکتا اور نہ دولت کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ وہ اگر چاہیں تو چٹنی روٹی میں دے دیں اور اگر نہ چاہیں تو کوٹھی اور بنگلے میں بھی نہ دیں۔ لہٰذا کہاں تک اس کے پیچھے دوڑ لگاؤ گے؟ کہاں تک منصوبے بناؤ گے اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ دنیا کی اتنی سی حقیقت سمجھ لو کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ ہی نہیں لہٰذا اگر اس دنیا میں اتنا اگر مل جائے تو بڑی غنیمت کی بات ہے اور جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا اس پر قناعت کر لو پھر اس قناعت کے ذریعہ تمہیں سکون مل جائے گا۔ اگر قناعت میسر نہیں تو پھر دنیا کے مال واسباب میں بڑھتے چلے جاؤ گے۔ مگر سکون میسر نہیں آئے گا۔ بعض لوگ اربوں کے مالک ہیں اگر ساری زندگی بیٹھ کر کھاتے رہیں تب بھی ختم نہ ہو۔ مگر پھر بھی اس فکر میں لگے ہوئے ہیں کہ اور مل جائے اور اس کے لئے جائز اور ناجائز حلال وحرام سب ایک کیا ہوا ہے۔ باوجودیکہ اربوں کے مالک ہیں۔ ارے پہلے یہ دیکھ لو کہ جو دولت تمہارے پاس ہے اس کو کہاں استعمال کرو گے؟

دنیا کا مالدار ترین انسان ''قارون''

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قارون کے خزانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ان مفاتحه لتنوأ بالعصبة اولی القوة (سورہ القصص:۷۶)

یعنی اس کے خزانے کی صرف چابیاں اتنی بھاری تھیں کہ ایک بڑی جماعت مل کر اس کو اٹھایا کرتی تھی۔ اس کی چابیاں اٹھانا ایک آدمی کے بس میں نہیں تھا۔ جب وہ اپنی دولت لے کر لوگوں کے پاس سے گزرا تو بعض لوگوں نے اس کی دولت دیکھ کر کہا:

یالیت لنا مثل ما اوتی قارون انه لذو حظ عظیم

کاش وہ دولت ہمیں بھی ملی ہوتی جیسی دولت قارون کو ملی ہے وہ تو بڑا خوش قسمت آ

ہے۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ قارون کی ظاہری حالت کو دیکھ رہے تھے کہ چونکہ وہ بڑی دولت رکھنے والا ہے اس لئے بڑا قابل رشک ہے۔ لیکن ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کی اس مال و دولت کے پیچھے کیا عذاب چھپا ہے۔ چنانچہ جب بعد میں لوگوں نے قارون کا انجام دیکھا تو انہی لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کتنا کرم ہے کہ اس نے ہمیں قارون جیسا نہیں بنایا۔ بہر حال، دنیا کے مال و اسباب کی کوئی حد تک نہیں۔ کہاں تک تم اس کے پیچھے دوڑو گے؟ کہاں تک تم حسرتیں کرو گے؟ اور یاد رکھنا کہ کسی بھی حد پر جا کر تمہیں قرار نہیں آئے گا اگر قرار آئے گا تو وہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت میں آئے گا کہ قناعت اختیار کرلو۔ "قناعت" کا مطلب یہ ہے کہ مناسب اور جائز تدبیر کے تحت حلال طریقے سے جو کچھ مل رہا ہے اس کو اپنے لئے کافی سمجھو اور اس پر مطمئن ہو جاؤ۔ جس دن یہ "قناعت" حاصل کرلی تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دنیا کا تھوڑا بہت اسباب جو تمہیں میسر ہے اسی اسباب میں وہ راحت حاصل ہو جائے گی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو حاصل نہیں۔ جو بڑے بڑے سرمایہ داروں اور دولت مندوں کو میسر نہیں۔

آمدنی اختیار میں نہیں خرچ اختیار میں ہے

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آمدنی بڑھانا انسان کے اختیار میں نہیں اور خرچ کم کرنا انسان کے اختیار میں ہے۔ لہذا خرچ کم کر کے قناعت اختیار کرلو۔ انشاء اللہ کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ پریشانی اس لئے ہوتی ہے تم نے پہلے سے اپنے ذہن میں یہ منصوبہ بنالیا کہ اتنی آمدنی ہونی چاہئے جب اتنی آمدنی نہیں ہوئی تو اب پریشانی شروع ہوگئی لیکن اگر تم نے اپنا خرچ کم کر کے اپنی زندگی کو سادہ بنالیا اور اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لیا اور یہ سوچ لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کم دیا ہے تو کم پر گزارہ کرلوں گا اور اگر زیادہ دیا ہے تو اس کے مطابق گزارہ کرلوں گا اور اس کے نتیجے میں اپنی آمدنی پر مطمئن ہو گئے تو پھر بس راحت اور عیش کی زندگی گزرے گی اس کا نام "قناعت" ہے۔

یہ دعا کیا کریں

اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی جو بڑی کام کی دعا

ہے۔ ہر مسلمان کو یہ دعا کرنی چاہئے۔ فرمایا:

اللھم قنعنی بما رزقتنی وبارک لی فیہ

یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا عجیب وغریب دعا ہے۔ ایک ایک جملہ پر آدمی قربان ہو جائے۔ اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ جو کچھ آپ نے مجھے رزق عطا فرمایا ہے اس پر مجھے قناعت عطا فرمایئے اور اس میں میرے لئے برکت عطا فرما دیجئے۔ سبحان اللہ۔ اگر یہ دعا ہمارے حق میں قبول ہو جائے تو پھر زندگی کے سارے مسائل حل ہو جائیں۔ اس لئے کہ ''قناعت'' حاصل ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر وقت یہ جو ہمیں زیادہ کمانے اور زیادہ کھانے کی اور دنیا کے اسباب زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی دھن لگی ہوئی ہے یہ دھن ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد سکون اور راحت حاصل ہو جائے گی اور دوسرے جملے میں فرمایا کہ اے اللہ! اس میں برکت عطا فرما۔ برکت دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اگرچہ دیکھنے میں تھوڑی ہو لیکن اس چیز سے فائدہ زیادہ پہنچ جائے۔ برکت کے یہ معنی ہیں۔

برکت کا مطلب

آج کل لوگ ''برکت'' کا لفظ استعمال تو بہت کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے مکان بنالیا یا خرید لیا تو اب لوگ مبارکباد دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک کرے مبارک ہو کار مل گئی۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے، شادی ہوگئی مبارک ہو، اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ یہ برکت اور مبارک کا لفظ استعمال تو ہم بہت کرتے ہیں لیکن اس کا مطلب نہیں معلوم کہ کیا مطلب ہے؟ برکت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو تمہارے لئے باعث راحت بنادے اور ایسا باعث راحت بنادے کہ چاہے یہ چیز مقدار میں تھوڑی ہو لیکن فائدہ اس چیز سے زیادہ پہنچ جائے۔ اسی کا نام برکت ہے۔

حساب کتاب کی دنیا

آج کی دنیا Statistics (اعداد وشمار، حساب کتاب) کی دنیا ہے۔ آج لوگ پیسوں کو گنتے ہیں کہ اتنی آمدنی ہوئی، اتنا پیسہ اور اتنا روپیہ، اتنے ڈالر حاصل ہوئے۔ اتنی تنخواہ ملی۔ لیکن اس گنتی کے نتیجے میں فائدہ کتنا حاصل ہوا اس کو کوئی شمار نہیں کرتا۔ ایک انگریز مسلمان نے ایک

بڑی اچھی کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ہے۔ The Reign of quantity ''گنتی کی حکومت'' یعنی اس وقت دنیا پر جو چیز حکومت کررہی ہے وہ ''گنتی'' اور مقدار ہے کہ اتنے زیادہ پیسے حاصل ہوجائیں لیکن اس گنتی کے پیچھے فائدہ کتنا ہے اس کو کوئی نہیں دیکھتا۔

برکت اور بے برکتی کی مثال

مثلاً ایک شخص نے سو روپے کمائے۔ جب گھر واپس جانے کے لئے بس سٹاپ کی طرف چلا تو راستے میں ایک دوست مل گیا۔ اس نے کہا کہ میں تمہیں اپنی گاڑی میں گھر پہنچا دیتا ہوں مجھے بھی اسی طرف جانا ہے۔ چنانچہ وہ آرام سے گھر پہنچ گیا اور کرائے کے پانچ روپے بچ گئے۔ پانچ روپے بچ جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس سو روپے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہوگئی۔ اگر وہ دوست نہ ملتا تو اس کے پانچ روپے کرائے میں خرچ ہو جاتے۔ جب بازار میں سودا خریدنے گیا تو اللہ تعالیٰ نے سستی چیز دلا دی' یہ برکت ہوگئی۔ اس کے برخلاف ایک آدمی نے ایک لاکھ روپے کمائے اور خوشی خوشی ایک لاکھ روپے لے کر گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ بیٹے کو فلاں بیماری لاحق ہوگئی ہے۔ اس لئے فوراً ہسپتال لے جانا ہے۔ چنانچہ بچے کو لے کر ہسپتال پہنچے ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے ٹیسٹ لکھ دیئے۔ اب صرف ٹیسٹ کرانے پر ہزاروں روپیہ خرچ ہوگیا۔ پھر ڈاکٹر نے کہا کہ اب ہسپتال میں داخل کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ہسپتال میں داخل کر دیا اور اس طرح وہ ایک لاکھ روپیہ ہسپتال کے بل اور ڈاکٹروں کی فیس وغیرہ میں خرچ ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس ایک لاکھ روپے میں بے برکتی ہوگئی۔ برکت نہ ہوئی۔

دعا کا تیسرا جملہ

اس دعا میں تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ:

واخلف علیٰ کل غائبة لی منک بخیر

یعنی اے اللہ! جن چیزوں کے بارے میں میرا دل چاہتا تھا کہ وہ چیزیں مجھے مل جائیں مگر نہیں ملیں اے اللہ مجھے ان کے بدلے میں اور بہتر چیزیں عطا فرما جو آپ کے نزدیک بہتر ہوں گویا کہ اس دعا میں تین جملے ارشاد فرمائے۔ پہلے جملے میں فرمایا کہ

''قناعت دید یجئے''۔ دوسرے میں برکت دے دیجئے اور جن چیزوں کے بارے میں میرا دل چاہتا تھا کہ مجھے ملیں مگر نہیں ملیں آپ نے اپنی تقدیر اور فیصلے سے مجھے عطا نہیں فرمائیں تو ظاہر ہے کہ اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی۔ اے اللہ ان کے بدلے میں وہ چیز دید یجئے جو آپ کے نزدیک میرے حق میں بہتر ہو۔ مثلاً دل چاہتا تھا کہ میرے پاس کار ہو مگر نہیں ملی تو اے اللہ! جب آپ نے مجھے خواہش کے باوجود کار نہیں دی تو یقیناً اس میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ہوگی۔ اے اللہ! اس کے بدلے میں وہ چیز دید یجئے جو آپ کے نزدیک بہتر ہو۔ اگر انسان کے حق میں یہ تین دعائیں قبول ہو جائیں کہ قناعت مل جائے جو کچھ ملا ہے اس میں برکت حاصل ہو جائے اور جو نہیں ملا اس کا نعم البدل مل جائے تو پھر دنیا کے اندر اور کیا چاہئے۔

قناعت بڑی دولت ہے

یہ قناعت بڑی دولت ہے۔ اس سے بڑی دولت کوئی اور چیز نہیں۔ آج لوگ روپے پیسے کو دولت سمجھتے ہیں کوٹھی، بنگلے کو اور مال واسباب کو دولت سمجھتے ہیں یاد رکھئے ان میں سے کوئی چیز دولت نہیں۔ اصل دولت ''قناعت ہے''۔

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لیس الغنیٰ عن کثرۃ العرض ولکن الغنیٰ غنی النفس

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الغنی غنی النفس)

یعنی سامان کی کثرت اور مالداری کا نام غنی نہیں ہے بلکہ نفس کے غنی کا نام ''مالداری'' ہے کہ انسان کا دل بے نیاز ہو۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ کسی کے سامنے اپنی حاجت ظاہر نہ کرے اور ناجائز طریقوں سے دولت جمع کرنے کی فکر نہ کرے۔ بس جو کچھ ملا ہوا ہے اس پر مطمئن ہو اور جو کچھ نہیں ملا اس پر یہ اطمینان ہو کہ وہ میرے حق میں بہتر نہیں تھا۔ اگر میرے حق میں بہتر ہوتا تو ملتا۔ نہیں ملا اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرے لئے اسی میں بہتری ہوگی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور قناعت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک فرشتہ آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ آپ حکم کریں تو یہ احد پہاڑ آپ کے لئے سونے کا بنا دیا جائے اور یہ سارا سونا آپ کی ملکیت ہو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا کہ نہیں۔ ایسا نہ کریں کیونکہ میں تو اس طرح زندگی گزارنا چاہتا ہوں کہ کھانا مل جائے تو شکر کر کے کھالوں اور اگر نہ ملے تو صبر کروں تاکہ شکر کی نعمت بھی حاصل ہو جائے اور صبر کی نعمت بھی حاصل ہو جائے اور مال کی زیادتی مجھے مطلوب نہیں۔ مجھے تو ایسا ''غنیٰ'' چاہئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرانے والا ہو۔ چنانچہ یہ دعا بھی فرمائی۔

اللھم انی اعوذبک من کل غنی یطغینی

''یعنی اے اللہ! میں ایسی مالداری سے پناہ مانگتا ہوں جو مجھے سرکش بنا دے''۔

خلاصہ

خلاصہ عرض کرنے کا یہ ہے کہ یہ احادیث دو چیزوں کا سبق دے رہی ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ ملا ہوا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو۔ چھوٹی سے چھوٹی نعمت جو بظاہر دیکھنے میں چھوٹی معلوم ہو رہی ہے اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور ناشکری سے بچو۔ تھوڑی دیر کے لئے سوچا کرو کہ اللہ تعالیٰ کی کیا کیا نعمتیں اس وقت میرے اوپر برس رہی ہیں۔ میرا وجود، میری زندگی، میری سانسوں کی آمد و رفت، میری آنکھیں، میرے کان، میرے دانت، میرا منہ، میرے ہاتھ، میرے پاؤں۔ یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کر رکھی ہیں۔ یہ ایسی نعمتیں ہیں کہ اگر ان میں سے ایک نعمت بھی چھن جائے تو لاکھوں روپے خرچ کرنے کے باوجود حاصل نہ ہوں۔ صحت، عافیت، گھر، گھر والے، سکون، آرام، راحت ان سب نعمتوں کا تصور کر کے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ دوسرا سبق یہ ملا کہ دنیا کے معاملے میں اپنے سے اوپر والے کو مت دیکھو بلکہ نیچے والے کو دیکھو اور دین کے معاملے میں

اپنے سے اوپر والے کو دیکھو اور تیسرا سبق یہ ملا کہ جو کچھ ملا ہوا ہے اس پر "قناعت" اختیار کرلو۔ لیکن قناعت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جائز تدبیر بھی اختیار مت کرو۔ اس لئے کہ جائز تدبیر اختیار کرنے سے کوئی منع نہیں کرتا۔ مثلاً تجارت کر رہا ہے تو تجارت کرے۔ ملازمت کر رہا ہے تو ملازمت کرے۔ زراعت کر رہا ہے تو زراعت کرے لیکن اس جائز تدبیر کے نتیجے میں حلال طریقے سے جو کچھ مل رہا ہے اس پر مطمئن ہو جائے اور اس پر قناعت اختیار کرلے اور یہ نہ سوچے کہ جو میں نے منصوبہ بنایا ہے اس میں جائز طریقے سے تو کم مل رہا ہے لہذا ناجائز طریقے سے زیادہ حاصل کرلوں۔ ایسا نہ کرے بلکہ قناعت اختیار کرے کیونکہ قناعت کے بغیر گزارا نہیں اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اے اللہ! مجھے قناعت عطا فرما دیجئے اور جو کچھ آپ نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس میں برکت عطا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اپنے فضل سے یہ دولت عطا فرما دے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔

(وعظ راحت کس طرح حاصل ہو از اصلاحی خطبات ج ۸)

حقوق وحدود

(ارشاد حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ عارفی رحمہ اللہ)

فرمایا: حقوق اور حدود ان دو لفظوں میں کل راز بندگی
اور حقیقت زندگی کو بتا دیا ہے۔
کل شریعت یہی ہے۔ کل طریقت یہی ہے۔

معاملات اور معاشرت کے بارے میں جگہ جگہ ''تلک حدود اللہ'' ''تلک حدود اللہ'' کلام پاک میں وارد ہوا ہے۔ جب تک صحیح تعلیمات نہ ہوں حدود کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ اور تقویٰ کی حقیقت ہی ان حدود کی حفاظت ہے اور یہ حدود زندگی کے ہر شعبہ میں ہیں جو بڑی دلیل ہے اسلام کے کامل ہونے کی۔ نادان لوگ اول تو آتے نہیں دین کی طرف، اور اگر آتے ہیں تو فرائض و واجبات ترک ہوتے رہتے ہیں اور ساری بزرگی اور تقویٰ نوافل میں رہ جاتا ہے، حقوق پامال ہوتے رہتے ہیں۔ اپنے تقویٰ سے ان لوگوں نے خود کو بھی ہلاک کر لیا اور دوسروں کو بھی پریشان کر کے رکھ دیا۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اس کی مثال ایسی ہے کہ مطالبات سرکاری تو ادا نہ ہوں اور ایک شخص سخاوت کرتا پھرے، یا اپنا منصبی کام تو انجام نہ دے اور خدمت خلق میں مشغول رہے۔ کیا قیمت ان اعمال کی؟ اگر حدود کی حفاظت نہ ہو اور فرائض و واجبات ادا نہ ہوں۔

امانت کی اہمیت

امانت اور اس کے وسیع مفہوم کی تشریح
خیانت اور اسکی مروجہ صورتوں کی نشاندہی
عہد اور وعدہ کا وسیع مفہوم اور وعدہ خلافی کی
مروجہ صورتوں پر مشتمل حقوق العباد کا ایک اہم باب

امانت کی اہمیت

سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فلاح پانے والے مؤمنوں کی صفات بیان فرمائی ہیں، پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں، دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لغو اور بے ہودہ کاموں اور باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں، تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ زکاۃ انجام دیتے ہیں، اس کے دو معنی عرض کیے تھے، ایک یہ کہ وہ لوگ زکاۃ کا فریضہ انجام دیتے ہیں، اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے اخلاق کا تزکیہ کرتے ہیں، چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، یعنی اپنی عفت اور عصمت کا تحفظ کرنے والے ہیں۔

امانت اور عہد کا پاس رکھنا

اس سے اگلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں، آج اس آیت کریمہ کا بیان اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ یعنی ایک مؤمن کی دنیا وآخرت دونوں کی فلاح کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی امانت کا پاس رکھے اور اپنے عہد کا پاس رکھے، قرآن کریم میں یہ دونوں چیزیں الگ الگ بیان فرمائی ہیں، ایک امانت اور ایک عہد۔ مؤمن کی علامت یہ ہے کہ وہ امانتوں کا پاس کرنے والا ہے، اور اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے۔

امانت قرآن وحدیث میں

ان میں سے پہلی چیز "امانت" ہے، اور فلاح کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ انسان امانت میں کوئی خیانت نہ کرے، بلکہ امانت کو ٹھیک ٹھیک اس کے اہل تک پہنچائے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ اللہَ یَاْمُرُکُم اَن تُؤَدُّوا الاَمَانَاتِ اِلٰی اَھلِھَا (النساء:۵۸)
یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتوں کو ان کے مستحق لوگوں تک پہنچاؤ۔ قرآن وحدیث

میں اس کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثلاث من کن فیه کان منافقاً خالصاً اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان. (بخاری)

یعنی تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی انسان میں پائی جائیں تو وہ خالص منافق ہے۔پہلی یہ ہے کہ جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، دوسری یہ کہ جب وہ کسی سے وعدہ کرے تو وعدے کی خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے یا جب اس کو کسی چیز کا امانت دار بنایا جائے تو وہ اس میں خیانت کرے۔ یہ منافق کی علامات ہیں، مؤمن کا کام نہیں۔اس لئے اس کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔

امانت اٹھ چکی ہے

آج ہمارے معاشرے میں یہ خیانت پھیل گئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہمارے اس دور پر صادق آ رہا ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت ایسا آ جائے گا کہ امانت دنیا سے اٹھ جائے گی، اور لوگ کہا کریں گے کہ فلاں ملک میں فلاں شہر میں فلاں بستی میں ایک شخص رہتا ہے، وہ امانت دار ہے۔یعنی امانت دار لوگ ختم ہو جائیں گے، سب خائن ہو جائیں گے، اِکا دُکا لوگ ہوں گے جو امانت کا پاس رکھنے والے ہونگے۔ ایک مؤمن کی خاصیت یہ ہے کہ وہ خیانت نہیں کرتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امین ہونا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے بھی پورے مکہ میں ''صادق'' اور ''امین'' کے لقب سے مشہور تھے، یعنی آپ سچے تھے، آپ کی زبان پر کبھی جھوٹ نہیں آتا تھا، آپ امانت دار تھے جو لوگ آپ کے پاس امانت رکھواتے تھے ان کو پورا بھروسہ ہوتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس امانت کا حق ادا کریں گے۔ چنانچہ جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمارہے تھے، اس وقت یہ عالم تھا کہ کفار نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہوئے تھے، آپ کے خلاف قتل کے منصوبے بنائے جارہے تھے، اس حالت میں رات کے وقت آپ کو اپنے شہر مکہ مکرمہ سے

نکلنا پڑا۔ اس وقت بھی آپ کو یہ فکر تھی کہ میرے پاس لوگوں کی جو امانتیں رکھی ہوئیں ہیں، ان کو اگر پہنچاؤں گا تو یہ راز کھل جائے گا کہ میں یہاں سے جا رہا ہوں تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساری امانتیں سپرد فرمائیں، اور ان کو اپنے بستر پر لٹایا، اور ان سے فرمایا کہ میں جا رہا ہوں، تم یہ امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچاؤ، اور جب اس کام سے فارغ ہو جاؤ تو پھر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ جانا۔ اور وہ امانتیں صرف مسلمانوں کی نہیں تھیں، بلکہ کافروں کی بھی تھیں، وہ کافر جو آپ کے خون کے پیاسے تھے، جو آپ کے ساتھ دشمنی کا معاملہ کر رہے تھے، ان کی امانتوں کو بھی ان تک واپس پہنچانے کا انتظام فرمایا۔

غزوۂ خیبر کا ایک واقعہ

غزوہ خیبر کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کیا ہوا تھا، خیبر میں یہودی آباد تھے، اور ان کی خصلت شروع ہی سے سازشی ہے، مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بنتے رہتے تھے، اور خیبر ان کی سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سازشوں سے امت مسلمہ کو بچانے کے لئے خیبر شہر کا محاصرہ کیا۔ یہ شہر کئی قلعوں پر مشتمل تھا، یہودی اس محاصرے کے دوران شہر کے اندر بند تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجوں نے اس کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔

اسود چرواہا

جب محاصرے کو چند دن گزر گئے تو ایک چرواہا جس کا نام روایتوں میں "اسود" آتا ہے۔ جو لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ وہ بکریوں کو چرانے کی خاطر قلعے سے باہر نکلا۔ باہر نکل کر اس نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر محاصرہ کئے ہوئے ہے، اس چرواہے کے دل میں خیال آیا کہ میں جا کر دیکھوں کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اور کیا ان کا پیغام ہے؟ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ ان کی دعوت کیا ہے؟ چنانچہ وہ اپنی بکریوں کو چراتے ہوئے لشکر کے قریب آ گیا۔ اور لشکر والوں سے پوچھنے لگا کہ آپ کا بادشاہ کہاں ہے؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں بادشاہ تو کوئی نہیں ہے، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور ان کی

قیادت میں ہم لوگ یہاں آئے ہیں۔ وہ ہمارے قائد ہیں۔ اس چرواہے نے کہا کہ کیا میں ان کو دیکھ سکتا ہوں؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کیوں نہیں دیکھ سکتے؟ چرواہے نے پوچھا کہ ان کا محل کہاں ہے؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ ان کا کوئی محل نہیں ہے، وہ سامنے کھجور کے پتوں کا چھپر ہے، اس کے اندر وہ تشریف فرما ہیں، جاؤ، اور جا کر ان سے مل لو۔ اس چرواہے نے کہا کہ میں جا کر بادشاہ سے مل لوں؟ میں تو ایک غلام آدمی ہوں، سیاہ فام ہوں، میری رنگت کالی ہے، بکریاں چراتا ہوں، میں کسی بادشاہ سے کیسے مل سکتا ہوں؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی سے ملنے میں کوئی عار نہیں ہے چاہے وہ کیسا بھی آدمی ہو۔

حضور سے مکالمہ

چنانچہ وہ چرواہا حیرت کے عالم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے میں پہنچ گیا، اور اندر جا کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ جہاں آرا کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ اس چرواہے نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کیوں آئے ہیں؟ آپ کی دعوت کیا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے توحید کا پیغام لیکر آیا ہوں کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس لئے صرف اللہ کی عبادت کی جائے، یہی میری بنیادی دعوت ہے، اس چرواہے نے کہا کہ اگر میں اس دعوت کو قبول کرلوں اور اللہ کے سوا ہر معبود کا انکار کردوں تو میرا انجام کیا ہو گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے۔ اور یہ موجودہ زندگی تو عارضی ہے، ناپائیدار ہے، ہر ایک کو اس دنیا سے جانا ہے، اور مرنے کے بعد جو زندگی ملے گی وہ دائمی اور ابدی ہوگی، اور اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس ابدی زندگی میں اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اعلیٰ مقام عطا فرمائیں گے۔

اور اسود مسلمان ہو گیا

پھر چرواہے نے سوال کیا کہ اچھا اگر میں مسلمان ہوگیا تو یہ مسلمان مجھے کیا سمجھیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہیں اپنا بھائی سمجھیں گے، اور تمہیں اپنے سینے سے لگائیں

گے، اس چرواہے نے حیرت سے پوچھا کہ مجھے سینے سے لگائیں گے؟ جبکہ میں سیاہ فام آدمی ہوں، اور میرے سینے سے بدبو اٹھ رہی ہے، اس حالت میں کوئی مالدار آدمی مجھے سینے سے لگانے کے لئے تیار نہیں ہے، آپ فرمارہے ہیں کہ یہ مسلمان مجھے گلے لگائیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری بدبو کو خوشبو میں تبدیل کردیں گے، اور تمہارے چہرے کی سیاہی کو تابناکی میں تبدیل کردیں گے۔ اس اللہ کے بندے کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے پورا کلمہ پڑھا:

" اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله "

اور ایمان لے آیا۔

پہلے بکریاں مالکوں تک پہنچاؤ

ایمان لانے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں ایمان لے آیا ہوں اور اب آپ کے ہاتھ میں ہوں، جو آپ حکم دیں گے اس کو بجالاؤں گا۔ لہٰذا اب آپ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلا کام یہ کرو کہ یہ بکریاں جو تم لیکر آئے ہو، یہ تمہارے پاس ان کے مالکوں کی امانت ہیں، تم اس معاہدے کے تحت یہ بکریاں لائے ہو کہ تم ان کو چراؤ گے، اور چرانے کے بعد ان کو واپس کرو گے۔ لہٰذا پہلا کام یہ کرو کہ ان بکریوں کو واپس لے جاؤ، اور خیبر کے اندر لے جا کر ان کے مالکوں تک پہنچا آؤ۔

سخت حالات میں امانت کی پاسداری

ذرا اندازہ لگایئے کہ حالت جنگ ہے، اور دشمن کے قلعے کا محاصرہ کیا ہوا ہے، اور جنگ کی حالت میں نہ صرف یہ کہ دشمن کی جان لینا جائز ہوجاتا ہے، بلکہ جنگ کی حالت میں اس کے مال پر بھی قبضہ کرلینا جائز ہوجاتا ہے، ساری دنیا کا یہی قانون ہے۔ اور اس وقت مسلمانوں کے پاس کھانے کی کمی تھی، اور کھانے کی کمی کا یہ عالم تھا کہ اس غزوہ خیبر کے موقع پر بعض صحابہ کرامؓ نے مجبور ہوکر گدھے ذبح کر کے ان کا گوشت پکا کر کھانے کی کوشش کی، بعد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ گدھے کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے، چنانچہ گدھے کے گوشت کی پکی

ہوئی دیگیں الٹی گئیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کس حالت میں تھے، لیکن چونکہ وہ چرواہا ایک معاہدے کے تحت وہ بکریاں لے کر آیا تھا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے وہ بکریاں واپس کرو۔ اس کے بعد میرے پاس آنا۔

تلوار کے سائے میں عبادت

چنانچہ وہ چرواہا قلعے کے اندر گیا، اور قلعے کے اندر بکریاں چھوڑیں، اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ اب کیا کروں؟ اب صورت حال یہ تھی کہ نہ تو اس وقت کسی نماز کا وقت تھا کہ آپ اس کو نماز کا حکم دیتے، نہ رمضان کا مہینہ تھا کہ آپ اس کو روزے کا حکم دیتے۔ اور نہ وہ اتنا مالدار تھا کہ اس کو زکوٰۃ کا حکم دیتے، نہ حج کا موسم تھا کہ اس سے حج کرایا جاتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تو ایک عبادت ہو رہی ہے، جو تلواروں کے سائے میں انجام دی جا رہی ہے وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ۔ لہٰذا تم اس جہاد میں شامل ہو جاؤ اس چرواہے نے کہا کہ اگر میں اس جہاد میں شامل ہو گیا تو اس میں امکان یہ بھی ہے کہ میں مر جاؤں۔ اگر میں مر گیا تو میرا کیا ہو گا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرما دیں گے، اور تمہارے بدن کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل کر دیں گے۔ چنانچہ وہ اللہ کا بندہ جہاد میں شامل ہو گیا، اور مسلمانوں کی طرف سے لڑا، اور شہید ہو گیا۔

جنت الفردوس میں پہنچ گیا

جب غزوہ خیبر ختم ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ کا جائزہ لینے کے لئے باہر نکلے ہوئے تھے، ایک جگہ دیکھا کہ صحابہ کرامؓ کا ہجوم ہے، آپ قریب پہنچے اور پوچھا کیا بات ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ جو لوگ اس جہاد میں شہید ہوئے ہیں، اس میں ہمیں ایک لاش نظر آ رہی ہے، جو ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھی، اس آدمی سے ہم لوگ واقف نہیں ہیں۔ اس لئے سب آپس میں رائے زنی کر رہے ہیں کہ یہ کون آدمی ہے؟ اور کس

طرح شہید ہوا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ، آپ نے دیکھا تو یہ وہی اسود چرواہا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم اس کو نہیں پہچانتے، لیکن میں اس کو پہچانتا ہوں۔ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی زندگی میں اللہ کے واسطے ایک سجدہ بھی نہیں کیا، اور جس نے اپنی زندگی میں اللہ کے واسطے ایک پیسہ خرچ نہیں کیا، لیکن میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سیدھا جنت الفردوس میں پہنچا دیا ہے، اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے جسم کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرما دیا ہے اور اس کے جسم کی بدبو کو مشک وعنبر سے زیادہ حسین خوشبو سے تبدیل کر دیا ہے۔

امانت کی اہمیت کا اندازہ لگائیں

اب دیکھئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عین حالت جنگ میں جہاں میدان کارزار کھلا ہوا ہے، جہاں لوگ ایک دوسرے کے خلاف جانیں لینے کے لئے تیار ہیں۔ وہاں پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو گوارا نہیں فرمایا کہ یہ چرواہا امانت میں خیانت کرے، اور مسلمان ان بکریوں پر قبضہ کرلیں۔ بلکہ ان بکریوں کو واپس فرمایا، یہ ہے امانت کی اہمیت اور اسکی پاسداری۔ جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک عمل سے ثابت کیا، لہٰذا امانت میں خیانت کرنا یہ مؤمن کا کام نہیں۔ اسی لئے حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ کسی شخص میں پائی جائیں تو وہ پکا منافق ہے، ایک یہ کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو اس وعدے کی خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھوائی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے۔ یہ تین اوصاف جس انسان میں پائے جائیں گے تو وہ مؤمن نہیں کہلائے گا، بلکہ منافق ہے۔ (وعظ امانت کی اہمیت از اصلاحی خطبات ج ۱۵)

امانت کا وسیع مفہوم

ہمارے ذہنوں میں امانت

عام طور سے لوگ امانت کا جو مطلب سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنے کچھ پیسے یا اپنی کوئی چیز ہمارے پاس لاکر رکھوادی، اور ہم نے اس کو حفاظت سے رکھ دی، اور اس چیز کو خود استعمال نہیں کیا، اور کوئی گڑبڑ نہیں کی، خیانت نہیں کی۔ بس امانت کا یہی مفہوم سمجھتے ہیں، بے شک امانت کا ایک پہلو یہ بھی ہے، لیکن قرآن و حدیث میں جہاں امانت کا لفظ آیا ہے اس معنی اور اس کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اور بہت کشادہ ہے، بہت ساری چیزیں اس کے اندر آجاتی ہیں۔

یہ زندگی اور جسم امانت ہیں

سب سے پہلی چیز جو امانت کے اندر داخل ہے، وہ ہماری ''زندگی'' ہے، یہ ہماری زندگی جو ہمارے پاس ہے۔ اسی طرح ہمارا پورا جسم سر سے لیکر پاؤں تک یہ امانت ہے، ہم اس جسم کے مالک نہیں، اللہ جل شانہ نے یہ جسم جو ہمیں عطا فرمایا ہے، اور یہ اعضاء جو ہمیں عطا فرمائے ہیں، یہ آنکھیں جس سے ہم دیکھتے ہیں، یہ کان جس سے ہم سنتے ہیں، یہ ناک جس سے ہم سونگھتے ہیں، یہ منہ جس سے ہم کھاتے ہیں، یہ زبان جس سے ہم بولتے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، بتاؤ! کیا تم یہ اعضاء کہیں بازار سے خرید کر لائے تھے؟ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی معاوضے کے اور بغیر کسی محنت اور مشقت کے پیدا ہونے کے وقت سے ہمیں دیدیے ہیں، اور ہمیں یہ فرمادیا کہ ان اعضاء سے اور ان قوتوں سے لطف اٹھاؤ۔ ان اعضاء کو استعمال کرنے کی تمہیں کھلی اجازت ہے۔ البتہ ان اعضاء کو ہماری معصیت اور گناہ میں مت استعمال کرنا۔

خودکشی کیوں حرام ہے

چونکہ یہ زندگی یہ جسم اور یہ اعضاء امانت ہیں، اسی وجہ سے انسان کے لئے خودکشی کرنا حرام ہے، اور اپنے آپ کو قتل کر دینا حرام ہے، کیوں حرام ہے؟ اسلئے کہ یہ جان اور یہ جسم

ہماری اپنی ملکیت ہوتا تو ہم جو چاہتے کرتے، چاہے اس کو تباہ کرتے یا برباد کرتے یا آگ میں جلادیتے۔ لیکن چونکہ یہ جان اور یہ جسم اللہ کی امانت ہے، اس لئے یہ امانت اللہ کے سپرد کرنی ہے، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پاس بلائیں گے، اس وقت ہم جائیں گے، پہلے سے خودکشی کرکے اپنی جان کو ختم کرنا امانت میں خیانت ہے۔

اجازت کے باوجود قتل کی اجازت نہیں

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے سے یہ کہدے کہ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم مجھے قتل کردو، یا میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ میرا ہاتھ کاٹ لو، میرا پاؤں کاٹ لو۔ کوئی شخص چاہے کتنی ہی اجازت دیدے، اور اسٹامپ پیپر پر لکھ دے کہ میں اس سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا۔ لیکن دوسرے شخص کے لئے اس کی اس پیش کش کو قبول کرنا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے، البتہ اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے یہ میرے پیسے ہیں تم لیلو، اور تم ان پیسوں کو جو چاہو کرو، تو دوسرے شخص کو یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ پیسے لے لے اور جو چاہے کرے۔ لیکن جان لینے اور اعضاء کاٹنے کا حق حاصل نہیں ہوگا، اس سے پتہ چلا کہ یہ جسم اور جان ہمارے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہیں۔ اور جب امانت ہیں تو اس کو اس کام میں استعمال کرنا ہے جس کی مالک اجازت دے، اور اس کام سے ان کو بچانا ہے جس سے مالک ناراض ہو، اور جو مالک کو ناپسند ہو۔

اوقات امانت ہیں

اسی طرح زندگی کے یہ لمحات جو گزر رہے ہیں، اس کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، ان لمحات کو ایسے کام میں صرف کرنا ہے جو دنیا کے لحاظ سے یا آخرت کے لحاظ سے فائدہ مند ہو، اور جو کام اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہو، اگر ان لمحات کو اس کے خلاف کاموں میں خرچ کریں گے تو یہ امانت میں خیانت ہو جائے گی۔

قرآن کریم میں امانت

یہی وہ امانت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب کے آخری رکوع میں فرمایا ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ ، اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْماً جَھُوْلاً ۔ (الاحزاب:۷۲)

فرمایا کہ اس امانت کو ہم نے آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا کہ یہ امانت تم اٹھا لو تو ان سب نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کیا کہ نہیں یہ ہمارے بس کا کام نہیں ہے، اور اس امانت کے اٹھانے سے ڈرے، وہ امانت کیا تھی؟ وہ امانت یہ تھی کہ ان سے کہا گیا کہ ہم تمہیں عقل دیں گے، اور سمجھ دیں گے، تمہیں زندگی دیں گے، اور یہ عقل، یہ سمجھ اور یہ زندگی تمہارے پاس ہماری امانت ہوگی، اور ہم تمہیں بتادیں گے کہ فلاں کام میں اس زندگی کو خرچ کرنا ہے، اور فلاں کام میں نہیں کرنا، اگر تم اس زندگی کو ہمارے احکام کے مطابق استعمال کرو گے تو تمہارے لئے جنت ہوگی، اور اگر ہمارے احکام کے خلاف استعمال کرو گے تو تمہارے لئے جہنم ہوگی، اور دائمی عذاب ہوگا۔

آسمان، زمین اور پہاڑ ڈر گئے

جب اس امانت کی پیش کش آسمانوں پہ کی گئی کہ تم یہ امانت اٹھالو تو آسمانوں نے کہا کہ ہم موجودہ حالت میں بہتر ہیں، اگر یہ امانت ہم نے لے لی تو پتہ نہیں کہ اس کو سنبھال سکیں گے یا نہیں۔ اور اگر نہ سنبھال سکے تو آپ کے فرمان کے مطابق دائمی جہنم کے مستحق ہوں گے، اور ہمیشہ کے لئے ایک عذاب کھڑا ہو جائے گا اس لئے یہ بہتر ہے کہ نہ ہمیں جنت ملے، اور نہ جہنم ملے، اس وقت عافیت سے تو ہیں۔ چنانچہ آسمانوں نے انکار کر دیا۔

پھر اس امانت کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر پیش کیا کہ تو بہت بڑا اور ٹھوس کرہ ہے، تیرے اندر پہاڑ ہیں، سمندر ہیں، درخت، جمادات، نباتات تیرے اندر ہیں، تم یہ امانت لے لو، تو زمین نے کہا کہ میں اس کے اٹھانے کے قابل نہیں ہوں، اگر یہ امانت میں نے اٹھالی تو خدا جانے میرا کیا حشر بنے گا، لہٰذا اس نے بھی انکار کر دیا۔

اس کے بعد پہاڑوں پر اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو پیش کیا کہ تم سخت جان ہو، اور لوگ سخت جان ہونے میں پہاڑوں سے تشبیہ دیتے ہیں، تم یہ امانت اٹھالو، انہوں نے بھی انکار کر دیا کہ ہم یہ امانت نہیں لیتے، موجودہ حالت ہماری بہتر ہے، اور اگر اس آزمائش میں پڑ گئے تو پتہ نہیں کامیاب ہوں گے، یا ناکام ہوں گے، اور اگر ناکام ہوئے تو ہمارے اوپر مصیبت آ جائے گی۔

انسان نے امانت قبول کر لی

اس کے بعد ہم نے امانت انسان پر پیش کی کہ تم یہ امانت اٹھالو، حدیث شریف میں

آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ازل میں انسانوں کی تخلیق سے ہزار ہا سال پہلے ان تمام روحوں سے جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھیں، ان سب روحوں کو جمع فرمایا، اور ہر روح ایک چھوٹی سی چیونٹی کی شکل میں سامنے آئی، اور اس وقت ان کے سامنے یہ امانت پیش کی کہ آسمان، زمین اور پہاڑ تو سب اس امانت کے اٹھانے سے انکار کر گئے، تم یہ امانت لیتے ہو؟ اس انسان نے کہا کہ ہاں میں لیتا ہوں، جب انسان نے قبول کرلیا تو یہ امانت اس کے پاس آ گئی۔

لہٰذا یہ زندگی امانت ہے، یہ جسم امانت ہے، یہ اعضاء امانت ہیں، اور عمر کا ایک ایک لمحہ امانت ہے، اب جو اس امانت کا پاس کرے گا وہ انسان دنیا اور آخرت دونوں جگہ فلاح یافتہ ہے، یہی وہ امانت ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمایا: يٰاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا اَمَانَاتِكُم وَاَنتُم تَعلَمُونَ. (الانفال:۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو کہ تم نے اللہ تعالیٰ سے امانت لی تھی، اور اللہ کے رسول نے تمہیں اس امانت کے بارے میں بتا دیا تھا، اس امانت کے خلاف خیانت نہ کرو، اور جو امانتیں تمہارے پاس موجود ہیں ان کو ٹھیک ٹھیک استعمال کرو۔ امانت کا سب سے پہلا مفہوم یہ ہے۔

ملازمت کے فرائض امانت ہیں

امانت کا دوسرا مفہوم اس کے علاوہ ہے جس کو عام طور پر لوگ امانت نہیں سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ فرض کرو کہ ایک شخص نے کہیں ملازمت اختیار کی ہے، اس ملازمت میں جو فرائض اس کے سپرد کئے گئے ہیں وہ امانت ہیں، ان فرائض کو وہ ٹھیک ٹھیک بجا لائے۔ اور جن اوقات میں اس کو ڈیوٹی دینے کا پابند کیا گیا ہے، ان اوقات کا ایک ایک لمحہ امانت ہے۔ لہٰذا جو فرائض اس کے سپرد کئے گئے ہیں، اگر وہ ان فرائض کو ٹھیک ٹھیک انجام نہیں دیتا، بلکہ کام چوری کرتا ہے تو ایسا شخص اپنے فرائض میں کوتاہی کر رہا ہے، اور امانت میں خیانت کر رہا ہے۔

وہ تنخواہ حرام ہوگئی

مثلاً ایک شخص سرکاری دفتر میں ملازم ہے، اس کو اس کام پر لگایا گیا ہے کہ جب فلاں

کام کے لئے لوگ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کا کام کر دینا۔ یہ کام اس کے ذمہ ایک فریضہ ہے جسکی وہ تنخواہ لے رہا ہے، اب کوئی شخص اس کے پاس اس کام کے لئے آتا ہے، وہ اس کو ٹلا دیتا ہے، اس کو چکر کھلا رہا ہے، تا کہ یہ تنگ آ کر مجھے کچھ رشوت دیدے۔ آج کے سرکاری دفتر اس بلا سے بھرے پڑے ہیں، آج سرکاری ملازم جس عہدے پر بھی ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو شخص میرے پاس آ رہا ہے اس کی کھال اتارنا اور اس کا خون نچوڑنا میرے لئے حلال ہے۔ یہ امانت میں خیانت ہے، اور وہ اس کام کی جو تنخواہ لے رہا ہے، وہ تنخواہ بھی حرام ہوگئی۔ اگر وہ اپنے فرائض ٹھیک ٹھیک انجام دیتا، اور پھر تنخواہ لیتا تو یہ تنخواہ اس کے لئے حلال ہوتی، اور برکت کا سبب ہوتی۔ لہٰذا اس کام کرنے پر جو رشوت لے رہا تھا وہ تو حرام ہی تھی، لیکن اس نے حلال تنخواہ کو بھی حرام کر دیا، اس لئے کہ اس نے اپنے فریضے کو صحیح طور پر انجام نہیں دیا۔

ملازمت کے اوقات امانت ہیں

اسی طرح ملازمت کے لئے یہ طے کیا تھا کہ میں آٹھ (۸) گھنٹے ڈیوٹی دونگا، اب اگر اس آٹھ (۸) گھنٹے کی ڈیوٹی میں سے کچھ چوری کر گیا، اور کچھ وقت اپنے ذاتی کام میں استعمال کر لیا تو جتنا وقت اس نے اپنے ذاتی کام میں استعمال کیا، اس وقت میں اس نے امانت میں خیانت کی، کیونکہ یہ آٹھ (۸) گھنٹے اس کے پاس امانت تھے، اس کے لئے جائز نہیں تھا کہ اس میں اپنا کوئی ذاتی کام کرے، یہ اوقات بک چکے، اب اگر اس وقت میں دوستوں سے باتیں شروع کر دیں یہ امانت میں خیانت ہے۔ اور جتنی دیر یہ خیانت کی اتنی دیر کی تنخواہ اس کے لئے حلال نہیں۔

پسینہ نکلا یا نہیں؟

میں کہا کرتا ہوں کہ آجکل جب لوگ کہیں ملازمت کرتے ہیں یا مزدوری کرتے ہیں تو یہ حدیث بہت یاد رہتی ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو، مگر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ بھی تو دیکھو کہ پسینہ نکلا بھی یا نہیں؟ ہمیں پسینہ نکلنے کی تو کوئی فکر نہیں ہے کہ جس کام میں میرا پسینہ نکلنا چاہیے تھا وہ نکلا یا نہیں؟ اور واقعۃً ہم اجرت کے حق دار بنے یا نہیں؟ اس کو تو کوئی نہیں دیکھتا، بس یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ مزدوری ادا کرو۔ بہرحال! یہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی، اور یہ اوقات کا چرانا یہ سب امانت میں خیانت ہے، اور اس کے عوض جو پیسے

مل رہے ہیں وہ حرام ہیں وہ انسان اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے کھا رہا ہے۔

خانقاہ تھانہ بھون کا اصول

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ کی خانقاہ میں اور مدرسہ میں یہ طریقہ تھا کہ استادوں کے لئے گھنٹے مقرر تھے کہ فلاں وقت میں وہ استاد آئیگا اور فلاں کتاب پڑھے گا، اور مدرسہ کی طرف کوئی قانون اور ضابطہ مقرر نہیں تھا، مگر ہر شخص کا مزاج بنا دیا گیا تھا۔ اس لئے جب کوئی استاد تاخیر سے آتا تو وہ رجسٹر پر نوٹ لکھ دیتا کہ آج میں اتنی تاخیر سے آیا، اور اگر مدرسہ کے اوقات کے درمیان کوئی دوست یا کوئی عزیز رشتہ دار ملاقات کے لئے آ گیا، اور اس کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہو گئے تو اس وقت گھڑی دیکھ کر استاد وقت نوٹ کر لیتا کہ یہ دوست اس وقت آیا، اور اس وقت واپس گیا، اور آدھا گھنٹہ دوست کے ساتھ بات چیت میں صرف ہو گیا، اور جب تنخواہ وصول کرنے کا وقت آتا تو وہ پورے مہینے کا گوشوارا پیش کرتا اور ایک درخواست پیش کرتا کہ ہم سے اس ماہ میں یہ کوتاہی ہوئی ہے، اور ہم نے اتنا وقت اپنی ذاتی مصروفیات میں خرچ کر دیا تھا، لہٰذا اتنے وقت کی تنخواہ ہماری کاٹ لی جائے۔ اس طرح ہر استاد مہینے کے ختم پر درخواست دیکر اپنی تنخواہ کٹواتا تھا۔

تنخواہ کاٹنے کی درخواست

الحمدللہ، ہم نے دارالعلوم میں بھی یہ طریقہ رکھا ہوا ہے، اور صدر سے لیکر چپراسی تک ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جاتا ہے کہ جتنا وقت ذاتی مصروفیات میں استعمال ہوا ہے، اس کی تنخواہ کٹوا دیتے ہیں۔ آج کے دور میں تنخواہ بڑھانے کی مثالیں تو بہت ملیں گی، لیکن کوئی درخواست آپ نے ایسی نہیں دیکھی ہوگی جس میں اس نے یہ درخواست دی ہو کہ میں نے ملازمت کے اوقات کے دوران اتنی دیر اپنا ذاتی کام کر لیا تھا، لہٰذا میری اتنی تنخواہ کاٹ لو، کیونکہ وہ حرام ہے، وہ میرے لئے حلال نہیں۔ آج اس کا کسی کو خیال نہیں۔

اپنے فرائض صحیح طور پر انجام دو

اس کی وجہ یہ ہے کہ آج یہ نعرہ تو لگایا جاتا ہے کہ ہمارا حق ہمیں پورا ملنا چاہیے، لیکن ہم

اپنا فریضہ پورا ادا کریں، اور ہمارے ذمہ جو واجبات ہیں ان کو ادا کریں، اس کی کسی کو فکر نہیں۔ قرآن و حدیث یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص اپنے فرائض بجالانے کی فکر کرے، جب ہر انسان اپنے فرائض صحیح طور پر بجالائے گا تو دوسروں کے حقوق خود بخود ادا ہو جائیں گے۔ بہرحال، اوقات میں چوری کرنا امانت میں خیانت ہے، اور اس کے نتیجے میں اچھی خاصی حلال ملازمت کی آمدنی کو حرام بنالیتے ہیں۔ اگر یہی سرکاری ملازم صبح کو صحیح وقت پر آئے، اور شام کو صحیح وقت پر جائے، اور اپنے فرائض کو صحیح طور پر بجالائے، اور دل میں یہ نیت کرے کہ یا اللہ! میں آپ کی مخلوق کی خدمت کے لئے یہاں بیٹھا ہوں، چونکہ اپنا پیٹ اور اپنی بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے تنخواہ ضروری ہے اس وجہ سے تنخواہ لیتا ہوں، لیکن میری نیت یہ ہے کہ میں مخلوق کی خدمت کروں، تو اس صورت میں یہ پورے آٹھ (۸) گھنٹے اس کیلئے عبادت اور اجر و ثواب کا باعث بن جائیں گے، اور تنخواہ بھی حلال ہوگی۔ لیکن اگر اوقات کی چوری کرلی، یا اپنے فرائض پورے طور پر انجام نہیں دیے تو اس نے حلال آمدنی کو حرام بنالیا، اس تنخواہ کو آگ کے انگارے بنالئے۔

حلال اور حرام میں فرق ہے

آج ان پیسوں میں فرق نظر نہیں آرہا ہے، بلکہ حلال اور حرام دونوں دیکھنے میں یکساں نظر آرہے ہیں، لیکن جب یہ ہماری ظاہری آنکھیں بند ہوں گی، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ حرام آمدنی جو لے کر آیا تھا وہ آگ کے انگارے تھے، جو وہ اپنے پیٹ میں بھر رہا تھا، قرآن کریم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ الَّذِینَ یَاکُلُونَ اَموَالَ الیَتٰمٰی ظُلماً اِنَّمَا یَاکُلُونَ فِی بُطُونِھِم نَاراً. (النساء:۱۰)

یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ آج ہماری پوری قوم عذاب میں مبتلا ہے، کسی کو سکون نہیں ہے، کسی کو چین نہیں ہے، کسی کو آرام نہیں ہے، کسی کا مسئلہ حل نہیں ہوتا، ہر ایک انسان بھاگ دوڑ میں مبتلا ہے، یہ سب اس لئے ہے کہ امانت میں خیانت کرنا اس قوم کی گھٹی میں پڑگئی ہے، اور جس قوم کو حلال اور حرام کی پرواہ باقی نہ رہی ہو، وہ فلاح کہاں سے پائے گی، قرآن کریم کا فرمان یہ ہے کہ فلاح

ان لوگوں کو ملے گی جو امانتوں کا اور عہد کا پاس کرنے والے ہیں۔

عاریت کی چیز امانت ہے

امانت کی ایک اہم قسم یہ ہے کہ کسی دوسرے کی کوئی چیز آپ کے پاس عاریتاً آ گئی ہے، ”عاریت“ کا مطلب یہ ہے کہ جیسے کسی سے کوئی چیز استعمال کے لئے لے لینا، مثلاً کوئی کتاب دوسرے سے پڑھنے کے لئے لے لی، یا دوسرے کا قلم لے لیا، یا گاڑی لے لی، یہ چیزیں امانت ہیں، لہٰذا پہلی بات تو اس میں یہ ہے کہ جب ضرورت پوری ہو جائے اس کے بعد جلد از جلد اس چیز کو اس کے مالک تک پہنچانا ضروری ہے، آج لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے، چنانچہ ایک چیز وقتی ضرورت کے ساتھ آپ نے دوسرے سے لے لی تھی، اب ضرورت ختم ہو گئی لیکن وہ چیز آپ کے پاس پڑی ہوئی ہے، واپس پہنچانے کی فکر نہیں ہے۔ اور اصل مالک بعض اوقات مانگتے ہوئے شرماتے ہیں کہ اگر میں نے مانگا تو اس کو برا لگے گا، لیکن اس کو ضرورت ہے اور اس کے دل پر ایک تشویش ہے کہ میری یہ چیز فلاں کے پاس ہے، اور آپ نے بے پرواہی میں وہ چیز ڈال رکھی ہے، تو جتنی دیر وہ چیز اس کے مالک کی خوش دلی کے بغیر آپ کے پاس رہے گی، اتنی دیر آپ امانت میں خیانت کے مرتکب ہوں گے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور امانت کی فکر

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ، جب آخری عمر میں بہت زیادہ بیمار ہو گئے تھے، اور صاحب فراش ہو گئے تھے، اور دل کی تکلیف تھی، چارپائی سے اٹھ کر چلنا مشکل ہوتا تھا، اس لئے اپنی چارپائی پر ہی سارا کام انجام دیتے تھے، کھانا بھی چارپائی پر کھاتے تھے، اور جب کھانے سے فارغ ہوتے تو ہمیں حکم دیتے کہ یہ برتن فوراً باورچی خانے میں پہنچا دو، بعض اوقات ہم مصروف ہوتے اور برتن پہنچانے میں کچھ تاخیر ہو جاتی تو ناراض ہو جاتے۔ اسی طرح کوئی دوسری چیز دوسرے کمرے سے اس کمرے میں آ جاتی تو ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً واپسی کا حکم دیتے کہ اس کو اپنی جگہ رکھ دو۔ ایک دن میں نے پوچھ لیا کہ حضرت! یہ سب آخر گھر ہی کی چیزیں ہیں اگر ان

چیزوں کو اپنی جگہ رکھنے میں تھوڑی تاخیر ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ اور آپ تاخیر کی وجہ سے اتنے پریشان کیوں ہو جاتے ہیں؟

اس وقت جو جواب دیا اس سے اندازہ ہوا کہ یہ اللہ والے کتنی دور کی بات سوچتے ہیں۔ فرمانے لگے کہ اصل بات یہ ہے کہ میں نے اپنے وصیت نامے میں یہ لکھ دیا ہے کہ جتنی اشیاء اس کمرے میں ہیں، وہ صرف میری ملکیت ہیں، اور باقی گھر کی ساری اشیاء میں اپنی اہلیہ کی ملکیت کر چکا ہوں، وہ میری ملکیت میں نہیں ہیں، اب اگر کوئی چیز باہر سے یہاں آ جاتی ہے تو وہ ان کی ملکیت ہے، اور میرے پاس امانت ہے، اور امانت کا حکم یہ ہے کہ اسے اس کے اصل مالک تک جلد از جلد پہنچاؤ۔

موت کا دھیان ہر وقت

دوسری بات یہ ہے کہ اگر میرا اس حالت میں انتقال ہو جائے، اور وہ چیز میرے کمرے میں پڑی رہ جائے، اور جبکہ وصیت نامے میں میں نے یہ لکھ دیا ہے کہ جو چیزیں میرے کمرے میں ہیں، وہ سب میری ملکیت ہیں، تو اس وصیت کے اعتبار سے جو چیزیں میری ملکیت نہیں وہ میری ملکیت میں شمار ہو جائیں گی، اور اندیشہ ہے اس کے نتیجے میں حقدار کا حق فوت ہو جائے گا، اس وجہ سے میں یہ چاہتا ہوں کہ جو چیز باہر سے آئے وہ جلد از جلد اپنی جگہ پر پہنچ جائے...... اب آپ امانت کی اہمیت کا اندازہ لگائیں۔ یہ سب شریعت کے احکام ہیں، جن کا شریعت نے حکم دیا ہے لیکن ہم لوگ دن رات ان احکام سے لاپرواہی میں مبتلا ہیں، دوسروں کی چیز ہمارے پاس پڑی ہوئی ہے، ہمیں اس کو واپس کرنے کی کوئی فکر نہیں۔ کسی بیچارے نے آپ کے پاس اپنے برتنوں میں کھانا بھیج دیا تھا، اب آپ کھانا کھا کر ختم کر چکے، لیکن برتن پڑے ہوئے ہیں، ان کو بھجوانے کا کوئی اہتمام نہیں، حالانکہ وہ برتن آپ کے پاس امانت ہیں، اگر اس دوران وہ برتن آپ کے پاس ٹوٹ جائے تو اس کا وبال آپ کے ذمے ہوگا، چونکہ آپ نے بروقت واپس کرنے کا اہتمام نہیں کیا۔

دوسرے کی چیز کا استعمال

ایک بات یہ ہے کہ اگر دوسرے کی چیز ہمارے استعمال میں ہے تو اس چیز کو مالک کی مرضی

کے خلاف استعمال کرنا بھی امانت میں خیانت ہے، مالک نے جس کام کے لئے دی، اس کام میں استعمال کرنا تو جائز ہے، کیونکہ اس کی مرضی اس میں شامل ہے، لیکن اس کی مرضی کے خلاف چوری چھپے استعمال کیا جائے گا تو یہ امانت میں خیانت ہوگی، یہ بڑا گناہ ہے، مثلاً کسی نے آپ کو کسی خاص مقصد کے استعمال کے لئے گاڑی دیدی تو اب خاص مقصد میں استعمال کرنا تو جائز ہے، لیکن اس خاص مقصد کے علاوہ دوسرے کسی کام میں استعمال کرلی تو ناجائز، حرام اور امانت میں خیانت ہے۔

دفتری اشیاء کا استعمال

جو لوگ دفتر میں ملازم ہوتے ہیں، ان کو دفتر کی طرف سے بہت سی چیزیں استعمال کرنے کے لئے ملتی ہیں، اب دفتر کے قواعد وضوابط کے تحت تو ان اشیاء کو استعمال کرنا جائز ہے، اور اگر ان قواعد وضوابط کے خلاف استعمال کیا جائے تو یہ حرام ہے، اور امانت میں خیانت ہے۔ مثلاً دفتر کی طرف سے آپ کو پین ملا ہے، پیڈ ملا ہے، لفافے ملے ہیں، یا دفتر میں آپکے لئے فون لگا ہوا ہے، یا دفتر کی طرف سے آپ کو گاڑی ملی ہوئی ہے، یا موٹر سائیکل ملی ہوئی ہے۔ اور اب ان چیزوں کے استعمال کے بارے میں دفتر کے کچھ قواعد ہیں کہ ان قواعد کے تحت ان اشیاء کو استعمال کیا جائے، تو اب قواعد کے دائرے میں ان اشیاء کو استعمال کرنا جائز ہے، ان قواعد سے الگ ہٹ کر آپ نے ان اشیاء کو اپنے کسی ذاتی کام میں استعمال کرلیا تو خیانت ہے، اور اس کے نتیجے میں خیانت کا عظیم گناہ انسان کے ذمے لازم آجاتا ہے، کہاں تک شمار کیا جائے ورنہ زندگی کے ہر شعبے میں کہیں نہ کہیں ہمارے پاس امانت موجود ہے۔

دواؤں کا غلط استعمال

ایک صاحب نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے علاج کرانا بہت آسان کردیا ہے، میں نے پوچھا کہ کیسے آسان کردیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پڑوس میں ایک صاحب ہیں وہ ہم پر بڑے مہربان ہیں، ان کو اپنے دفتر سے علاج کی سہولت ملی ہوئی ہے، وہ جو دوا خریدتے ہیں، اس کا بل دفتر میں جمع کرادیتے ہیں، دفتر والے وہ رقم ان کو ادا کردیتے ہیں۔ انہوں نے ہم سے کہہ دیا ہے کہ تمہیں جب بھی کوئی دوائی خریدنی ہو، تم خرید کر بل مجھے دے دیا کرو، میں دفتر سے اس کی رقم وصول کرکے تمہیں

دیدیا کروں گا، اس طرح تمہیں یہ دوائیاں مفت مل جایا کریں گی۔

اب دیکھئے کہ ان صاحب کو دفتر والوں نے یہ سہولت دے رکھی تھی کہ ان کے گھر کا کوئی آدمی بیمار ہو جائے، اور اس کے علاج پر جو خرچہ آئے تو اس کا بل جمع کرا دیں تو ان کو دفتر سے پیسے مل جائیں گے۔ لیکن انہوں نے یہ سخاوت شروع کر دی کہ اپنے پڑوسیوں کو اور اپنے دوستوں کو اس میں شامل کرلیا، اب جھوٹ اس کے اندر موجود ہے، دغابازی اس کے اندر موجود ہے، اور امانت میں خیانت اس میں موجود ہے، اس لئے کہ جو رقم تمہیں مل رہی ہے وہ امانت ہے، جہاں استعمال کرنے کی اجازت ہے بس وہیں پر استعمال کرنا آپ کے لئے حلال ہے، اس کے علاوہ حرام ہے، وہ صاحب یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نیکی کر رہے ہیں دوسروں کے ساتھ، لیکن حقیقت میں وہ بہت بڑا گناہ ہے، جس کے نتیجے میں آخرت میں گردن پکڑی جائے گی۔

حرام آمدنی کا ذریعہ

یہ تو صرف سخاوت کی حد تک بات تھی، جب کہ بہت سے لوگوں نے اس کو آمدنی کا ذریعہ بنا رکھا ہے، مثلاً دوسرے سے کہہ دیا کہ تم دوا خرید کر بل ہمیں دیدو جو پیسے ملیں گے، اس میں سے آدھے تمہارے، آدھے ہمارے۔ آج امانت کا لحاظ نہ رکھنے کے نتیجے میں معاشرہ تباہ ہو چکا ہے، اور یہ جو دن رات مصیبتیں، پریشانیاں، بیماریاں اور دشمنوں کے حملے، بدامنیاں اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے، یہ سب کیوں نہ ہو، جبکہ ہم نے اپنے آپ کو ان کاموں کے لئے منتخب کرلیا ہے جو کافروں کے تھے، ان کافروں نے کم از کم اپنی حد تک امانت اور دیانت کو اپنالیا ہے، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں عروج دیدیا۔ اور ہم نے قرآن کریم کی ہدایات کو ترک کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ہر جگہ پست اور ذلیل ہو رہے ہیں۔

باطل مٹنے کے لئے آیا ہے

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ ایک بڑی خوب صورت بات فرمایا کرتے تھے، جو ہر مسلمان کو یاد رکھنی چاہیے، فرمایا کرتے تھے کہ باطل میں ابھرنے کی صلاحیت ہی نہیں، قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ:

اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقاً. (بنی اسرائیل:۸۱)

یعنی باطل تو دبنے کے لئے اور مٹنے کے لئے آیا ہے، ابھرنے کے لئے نہیں آیا، لیکن اگر کسی باطل قوم کو تم دیکھو کہ وہ دنیا کے اندر ابھر رہی ہے اور ترقی کر رہی ہے تو سمجھ لو کہ کوئی حق چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے، جس نے اس کو ابھارا ہے۔ باطل میں ابھرنے کا دم نہیں تھا۔

حق صفات نے ابھار دیا ہے

لہٰذا یہ ہمارے دشمن جن کو ہم روزانہ بُرا بھلا کہتے ہیں، چاہے وہ امریکہ ہو، یا برطانیہ ہو، انہوں نے دنیا کے اندر جو مقام حاصل کیا ہے وہ باطل کی وجہ سے حاصل نہیں کیا، بلکہ کچھ حق کی صفات ان کے ساتھ لگ گئی ہیں جو انہوں نے ہم سے لی ہیں، وہ یہ کہ ان کے اندر آپس کے معاملوں میں امانت داری ہے، اور خیانت سے حتیٰ الامکان اکثر و بیشتر لوگ پرہیز کرتے ہیں، وہاں بھی سب لوگ ایک جیسے نہیں ہیں، وہاں پر بھی بڑے بڑے دھوکہ باز پڑے ہوئے ہیں، لیکن عام طور پر آپس کے معاملات میں انہوں نے امانت اور دیانت کو اپنایا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر یہ قانون بنایا ہے کہ جو شخص صحیح راستہ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں عروج دیں گے، آخرت میں اگرچہ ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، لیکن دنیا میں ان کو ترقی دیدی جائے گی، اور مسلمانوں نے یہ چیزیں چھوڑ دیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ آج دنیا کے اندر ذلیل ہو رہے ہیں۔

مجلس کی باتیں امانت ہیں

ایک اور چیز ہے جس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کے ساتھ توجہ دلائی، چنانچہ آپ نے فرمایا: ''اَلْمَجَالِسُ بِاالْأَمَانَةِ ''یعنی انسانوں کی مجلسوں میں کہی گئی بات بھی ''امانت'' ہے، مثلاً دو چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے کسی ایک نے کوئی بات کہی، تو آپ کے لئے جائز نہیں کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی بات کو کہیں اور جا کر نقل کر دیں، اس لئے کہ جو بات اس کے منہ سے نکل کر آپ کے کان میں پڑی ہے، وہ آپ کے پاس اس کی امانت ہے، لہٰذا اگر وہ بات کسی اور سے بیان کرنی ہے تو پہلے اس سے اجازت لو کہ میں تمہاری یہ بات فلاں سے نقل کرنا چاہتا ہوں، آپ کی اجازت ہے یا نہیں؟ اس کی اجازت کے بغیر اس بات کو کہیں اور جا کر بیان کرنا امانت میں خیانت ہے۔

راز کی بات امانت ہے

اسی طرح کسی نے آپ کو اپنے راز کی کوئی بات کہہ دی، اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ اس کو اپنی حد تک رکھنا، تو جب تک اس کی مرضی نہ ہو، اس بات کو کہیں اور جا کر نقل کرنا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق امانت میں خیانت ہے۔ آج ہم لوگوں کا حال یہ ہے اگر دوسرے کے راز کی کوئی بات معلوم ہوگئی تو اب اس کو ساری دنیا میں گاتے پھر رہے ہیں، یہ سب امانت میں خیانت کے اندر داخل ہے۔

اعضاء امانت ہیں

اگر ذرا گہری نظر سے دیکھو تو انسان کا اپنا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، یہ جسم سر سے لیکر پاؤں تک ہماری ملکیت نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے استعمال کے لئے ہمیں دیا ہوا ہے، یہ ہمارے ہاتھ، یہ ہمارے پاؤں، یہ ہماری آنکھیں، یہ ہمارے کان کیا ہم ان کو کہیں بازار سے خرید کر لائے تھے؟ یا خود ہم نے بنائے تھے؟ بلکہ یہ سب اللہ جل جلالہ کی عطا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں مفت دیے ہیں۔ یہ آنکھیں بھی امانت ہیں، ہمارے کان بھی امانت ہیں، ہمارے ہاتھ بھی امانت، ہمارے پاؤں بھی امانت، لہٰذا جب امانت ہیں تو اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف استعمال کیا جائے گا وہ امانت میں خیانت ہوگی۔

آنکھ کی خیانت

مثلاً اگر آنکھ سے ان چیزوں کو دیکھا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہیں، اور نامحرم پر لذت لینے کے لئے نگاہ ڈالی جا رہی ہے، ایسی فلمیں دیکھی جا رہی ہیں جن کا دیکھنا حرام ہے، تو یہ آنکھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت میں استعمال ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ آنکھ تمہیں اس لئے دی تھی کہ تم اس سے نفع اٹھاؤ، دنیا کے حسین مناظر اس کے ذریعے دیکھو، اس کے ذریعے اپنی بچوں کو دیکھ کر خوش ہو، اس کے ذریعے اپنے والدین کو دیکھ کر خوش ہو، اس کے ذریعے اپنے بھائی، بہن اور دوست احباب کو دیکھ کر خوش ہو، اور اس کے ذریعے دنیا کے کام چلاؤ۔ لیکن تم نے اس آنکھ کو فساد میں استعمال کر لیا، گناہ اور معصیت میں استعمال کر لیا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت ہوئی۔

کان اور ہاتھ کی خیانت

یہ کان تمہیں اس لئے دیے گئے تھے کہ اس کے ذریعے ضرورت کی باتیں سنو، اچھی باتیں بھی سنو، اور تفریح کی باتیں بھی سنو، لیکن معصیت کی باتیں سننے سے تمہیں روکا گیا تھا۔ لیکن تم نے اس کان کو معصیت کی باتیں سننے میں استعمال کیا، یہ اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت ہوئی۔

یہ ہاتھ اللہ تعالیٰ نے اس لئے دیے تھے تاکہ تم اس کے ذریعے جائز مقاصد کا حل کر سکو، کماؤ، محنت کرو، جدوجہد کرو۔ لیکن تم نے یہ ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے سامنے پھیلا دیے، جہاں پھیلانا تمہارے لئے جائز نہیں تھا، یہ ہاتھ کا غلط استعمال ہے، جو امانت میں خیانت ہے۔ یا ان ہاتھوں سے ایسی چیز پکڑ لی جس کا پکڑنا تمہارے لئے جائز نہیں تھا، یہ امانت میں خیانت ہے۔

چراغ سے چراغ جلتا ہے

ہر انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دہ ہے، لوگ کیا کر رہے ہیں، ان کو دیکھ کر میں بھی ان جیسا بن جاؤں، اس کا کوئی جواز نہیں۔ اگر ہر انسان کے دل میں ضمیر کی شمع روشن ہو جائے، تقویٰ کی شمع روشن ہو جائے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے۔ اگر ایک آدمی کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے، اور دوسرے سے تیسرا چراغ جلتا ہے اور اس طرح ماحول میں اجالا ہو جاتا ہے، لہٰذا ہر انسان اپنی جگہ پر امانت کا پاس کرنے کی فکر کرے، یہ نہ سوچے کہ ساری دنیا ایک طرف جا رہی ہے، میں اکیلا کیا کروں گا۔ بات یہ ہے کہ دنیا میں جب بھی کوئی کام ہوا ہے وہ اکیلے ہی انسان سے ہوا ہے، پیغمبر جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو وہ تنہا ہوتے ہیں، کوئی ان کے ساتھ نہیں ہوتا، لیکن جب کام شروع کر دیتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے ؎

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ کچھ ملتے گئے ، اور قافلہ بنتا گیا

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور امانتوں کا پاس رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(وعظ امانت کا وسیع مفہوم از اصلاحی خطبات ج ۱۵)

خیانت اور اسکی مروجہ صورتیں

امانت کی تاکید

منافق کی تیسری علامت جو بیان فرمائی، وہ ہے ''امانت میں خیانت''، یعنی مسلمان کا کام نہیں ہے کہ وہ امانت میں خیانت کرے، بلکہ یہ منافق کا کام ہے۔ بہت سی آیات اور احادیث میں امانت پر زور دیا گیا ہے، اور امانت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا (۵۸: سورۃ النساء)

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتوں کو ان کے اہل تک اور ان کے مستحقین تک پہنچاؤ، اور اس کی اتنی تاکید فرمائی گئی ہے کہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لا ایمان لمن لا امانۃ لہ (مسند احمد۔ جلد ۳ ص ۱۳۵)

یعنی جس کے اندر امانت نہیں، اس کے اندر ایمان بھی نہیں۔ گویا کہ ایمان کا لازمی تقاضہ ہے کہ آدمی امین ہو۔ امانت میں خیانت نہ کرتا ہو۔

امانت کا تصور

لیکن آج کی مجلس میں جس بات کی طرف توجہ دلانی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم لوگوں نے ان تمام چیزوں کا مطلب اور مفہوم بہت محدود سمجھا ہوا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں امانت کا صرف اتنا تصور ہے کہ کوئی شخص پیسے لے کر آئے۔ اور یہ کہے کہ یہ پیسے آپ بطور امانت اپنے پاس رکھ لیجئے۔ جب ضرورت ہو گی اس وقت میں آپ سے واپس لے لوں گا۔ تو یہ امانت ہے۔ اور اگر کوئی شخص امانت میں خیانت کرتے ہوئے ان پیسوں کو کھا کر ختم کر دے۔ یا جب وہ شخص اپنے پیسے مانگنے آئے تو اس کو دینے سے انکار کر دے تو یہ خیانت

ہوئی۔ ہمارے ذہنوں میں امانت اور خیانت کا بس اتنا ہی تصور ہے۔ اس سے آگے نہیں ہے۔ بیشک یہ بھی امانت میں خیانت کا حصہ ہے۔ لیکن قرآن و حدیث کی اصطلاح میں ''امانت'' اس حد تک محدود نہیں، بلکہ ''امانت'' کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اور بہت ساری چیزیں امانت میں داخل ہیں، جن کے بارے میں اکثر و بیشتر ہمارے ذہنوں میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ یہ بھی امانت ہے۔ اور اس کے ساتھ ''امانت'' جیسا سلوک کرنا چاہئے۔

امانت کے معنی

عربی زبان میں ''امانت'' کے معنی یہ ہے کہ کسی شخص پر کسی معاملے میں بھروسہ کرنا۔ لہٰذا ہر وہ چیز جو دوسرے کو اس طرح سپرد کی گئی ہو، کہ سپرد کرنے والے نے اس پر بھروسہ کیا ہو کہ یہ اس کا حق ادا کرے گا، یہ ہے امانت کی حقیقت، لہٰذا کوئی شخص کوئی کام یا کوئی چیز یا کوئی مال جو دوسرے کے سپرد کرے، اور سپرد کرنے والا اس بھروسے پر سپرد کرے کہ یہ شخص اس سلسلے میں اپنے فریضے کو صحیح طور پر بجالائے گا۔ اور اس میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ یہ امانت ہے۔ لہٰذا ''امانت'' کی اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو بیشمار چیزیں اس میں داخل ہو جاتی ہیں۔

یوم الست میں اقرار

اللہ تعالیٰ نے ''یوم الست'' میں انسانوں سے جو عہد لیا تھا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں یا نہیں؟ اور تم میری اطاعت کرو گے یا نہیں؟ تمام انسانوں نے اقرار کیا کہ ہم آپ کی اطاعت کریں گے، اس عہد کو قرآن کریم نے سورۃ احزاب کے آخری رکوع میں امانت سے تعبیر فرمایا ہے، فرمایا کہ:

انا عرضنا الامانة علی السمٰوات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوماً جهولاً (الاحزاب ۷۲)

یعنی، ہم نے زمین پر امانت پیش کی، اور اس سے پوچھا کہ تم اس امانت کے بوجھ کو اٹھاؤ گی؟ تو اس نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ پھر آسمانوں پر پیش کی کہ تم یہ امانت اٹھاؤ گے؟ انہوں نے بھی انکار کر دیا، اور پھر پہاڑوں پر یہ امانت پیش کی کہ تم اس

امانت کے بوجھ کو اٹھاؤ گے؟ انہوں نے بھی اس امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ سب اس امانت کو اٹھانے سے ڈر گئے۔ لیکن جب یہ امانت اس حضرت انسان پر پیش کی گئی تو یہ بڑے بہادر بن کر آگے بڑھ کر اقرار کر لیا کہ میں اس امانت کو اٹھاؤں گا۔ چنانچہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ انسان بڑا ظالم اور جاہل تھا کہ اتنے بڑے بوجھ کو اٹھانے کے لئے آگے بڑھ گیا، اور یہ نہ سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس امانت کے بوجھ کو اٹھانے سے عاجز رہ جاؤں، جس کی وجہ سے میرا انجام خراب ہو جائے۔

یہ زندگی امانت ہے

بہر حال، اس بوجھ کو اللہ تعالیٰ نے ''امانت'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ یہ امانت کیا چیز تھی جو انسان پر پیش کی جا رہی تھی؟ چنانچہ مفسرین نے فرمایا کہ یہاں امانت کے معنی یہ ہیں کہ اس انسان سے یہ کہا جا رہا تھا کہ تمہیں ایک زندگی دی جائے گی، اور اس میں تمہیں اچھے کام کرنے کا بھی اختیار دیا جائے گا۔ اور برے کام کرنے کا بھی، اور جب اچھے کام کرو گے تو ہماری خوشنودی حاصل ہوگی، جنت کی ابدی اور دائمی نعمتیں تمہیں حاصل ہوں گی۔ اور اگر برے کام کرو گے تو اس کے نتیجے میں تم پر ہمارا غضب ہوگا، اور جہنم کا ابدی عذاب تم پر ہوگا، اب بتاؤ تمہیں ایسی زندگی منظور ہے یا نہیں؟ چنانچہ اور سب نے انکار کر دیا، لیکن انسان اس کے لئے تیار ہو گیا، حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو بیان فرماتے ہیں کہ ؎

آسمان بار امانت نتو انذ کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زد

یعنی آسمان سے تو یہ بوجھ نہیں اٹھا، اس نے تو انکار کر دیا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے، لیکن یہ حضرت انسان، مشت استخوان نے یہ بوجھ اٹھا لیا، اور قرعہ فال میرے نام پر پڑ گیا۔ بہر حال! قرآن کریم نے اس کو ''امانت'' سے تعبیر فرمایا ہے۔

یہ جسم ایک امانت ہے

یہ پوری زندگی ہمارے پاس امانت ہے اور اس امانت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس زندگی کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق گزار دیں، لہٰذا سب سے بڑی

امانت جو ہر انسان کے پاس ہے، جس سے کوئی انسان بھی مستثنیٰ نہیں۔ وہ امانت خود اس کا ''وجود'' اور اس کی ''زندگی'' اور اس کے اعضاء و جوارح، اس کے اوقات، اس کی توانائیاں ہیں، یہ سب کی سب امانت ہیں، کیا کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے اس ہاتھ کا مالک ہوں، یہ آنکھ جو مجھے ملی ہوئی ہے، میں اس کا مالک ہوں، ایسا نہیں، بلکہ یہ سارے اعضاء ہمارے پاس امانت ہیں، ہم اس کے مالک نہیں ہیں کہ جس طرح چاہیں ان کو استعمال کریں، بلکہ اعضاء کی یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں استعمال کے لئے عطا فرمائی ہیں۔ لہٰذا اس امانت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان اعضاء کو، اپنے اس وجود کو، اپنی صلاحیتوں کو اور اپنی توانائیوں کو اسی کام میں صرف کریں' جس کام کے لئے یہ دی گئی ہیں' اس کے علاوہ دوسرے کاموں میں صرف کریں گے تو یہ امانت میں خیانت ہوگی۔

آنکھ ایک نعمت ہے

مثلاً آنکھ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جو اس نے ہمیں عطا فرمائی ہے اور یہ ایسی نعمت ہے کہ ساری دنیا کی مال و دولت خرچ کر کے اس کو حاصل کرنا چاہے تو حاصل نہیں ہو سکتی، لیکن اس کی قدر اس لئے نہیں ہے کہ پیدائش کے وقت سے یہ سرکاری مشین لگی ہوئی ہے۔ اور کام کر رہی ہے، اس کے حاصل کرنے میں نہ تو کوئی پیسہ لگا ہے، اور نہ محنت کرنی پڑی ہے، لیکن جس دن...... خدا نہ کرے...... اس آنکھ کی بینائی پر ادنیٰ سا نقص آ جائے، اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ کہیں میری یہ بینائی نہ چلی جائے، اس وقت اس کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے اور اس وقت آدمی ساری دولت ایک آنکھ کی بینائی کے لئے خرچ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اور یہ ایسی سرکاری مشین ہے کہ نہ اس کی سروس کی ضرورت ہے، نہ اس کی اوور ہالنگ کی ضرورت۔ نہ اس کا ماہانہ خرچ، نہ ٹیکس، نہ کرایہ، بلکہ مفت ملی ہوئی ہے۔

آنکھ ایک امانت ہے

لیکن یہ مشین اللہ تعالیٰ نے بطور امانت کے دے رکھی ہے، اور یہ فرما دیا ہے کہ اس مشین کو استعمال کرو، اس کے ذریعہ دنیا کو دیکھو، دنیا کا نظارہ کرو، دنیا کے مناظر سے لطف اٹھاؤ، سب

کچھ کرو، لیکن صرف چند چیزوں کو دیکھنے سے منع کر دیا کہ اس سرکاری مشین کو ان کاموں میں استعمال نہ کریں مثلاً حکم دے دیا کہ اس کے ذریعہ نامحرم پر نگاہ نہ ڈالی جائے، اب اگر اس کے ذریعہ ہم نے نامحرم کی طرف نگاہ ڈالی تو یہ اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت ہوئی۔ اسی لئے قرآن کریم نے نامحرم کی طرف نگاہ کرنے کو خیانت سے تعبیر فرمایا، چنانچہ فرمایا کہ:

یعلم خائنة الاعین (غافر)

یعنی آنکھوں کی خیانت کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم نے اس کو ایسی جگہ استعمال کیا جہاں استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا تھا، یہ ایسا ہے جیسا کہ کسی شخص نے دوسرے کے پاس اپنا مال بطور امانت رکھوایا، اور اب وہ چوری چھپے آنکھ بچا کر اس کا مال استعمال کرنا چاہتا ہے، وہی معاملہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کے ساتھ بھی کرتا ہے، اور بے وقوف کو یہ پتہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی عمل چھپ نہیں سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کی خیانت کو بہت بڑا گناہ اور جرم قرار دیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر وعیدیں بیان فرمائیں۔

اور اگر آنکھ کی اس امانت اور نعمت کو صحیح جگہ استعمال کرو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ اگر ایک شخص باہر سے گھر کے اندر داخل ہوا۔ اور اس نے اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور بیوی نے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس لئے کہ اس نے اس امانت کو صحیح جگہ پر استعمال کیا، اگرچہ اپنی ذاتی لذت کے لئے اپنے فائدے کیلئے کیا۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کیا۔ اس لئے ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوئی۔

”کان“ ایک امانت ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کان سننے کے لئے عطا فرمایا ہے، اور پھر ہر چیز سننے کی اجازت دے دی، صرف چند چیزوں پر پابندی لگا دی کہ تم گانا بجانا مت سننا، موسیقی مت سننا، غیبت مت سننا، غلط اور جھوٹی باتیں مت سننا، لہٰذا اگر کان ان چیزوں کے سننے میں استعمال ہو رہا ہے تو یہ امانت میں خیانت ہے۔

زبان ایک امانت ہے

''زبان'' اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے جو پیدائش کے وقت سے چل رہی ہے، اور مرتے دم تک چلتی رہتی ہے، زبان کی ذرا سی حرکت سے نہ جانے کیا کیا کام انسان لے رہا ہے، یہ زبان اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر ایک مرتبہ زبان کو حرکت دے کر یہ کہہ دو:

سبحان الله، الحمد لله

حدیث شریف میں ہے کہ اس کے ذریعہ سے میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر جاتا ہے، اس لئے اس کے ذریعہ آخرت کی تیاری کرنی چاہئے، لیکن اگر اس زبان کو جھوٹ بولنے میں استعمال کیا۔ غیبت کرنے میں استعمال کیا۔ مسلمان کی دل آزاری کرنے میں استعمال کیا۔ دوسروں کو تکلیف پہنچانے میں استعمال کیا تو یہ امانت میں خیانت ہے۔

خودکشی کیوں حرام ہے

یہ تو صرف اعضاء کی بات تھی۔ ہمارا یہ پورا وجود، پورا جسم اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ جسم ہمارا اپنا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ ہم جو چاہیں کریں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ جسم اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اسی لئے شریعت میں خودکشی کرنا حرام ہے۔ اگر یہ جسم ہمارا اپنا ہوتا تو خودکشی کیوں حرام ہوتی۔ وہ اس لئے حرام ہے کہ یہ جان، یہ جسم، یہ وجود، یہ اعضاء، حقیقت میں ہماری ملکیت نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملکیت ہیں۔

مثلاً یہ کتاب میری ملکیت ہے۔ اب اگر میں کسی شخص سے کہوں کہ یہ کتاب تم لے جاؤ۔ میرے لئے ایسا کرنا جائز ہے، لیکن اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ مجھے قتل کر دو، میری جان لے لو، اب اس نے قتل کرنے کی اجازت دے دی۔ اسٹامپ پیپر پر لکھ کر دے دیا۔ دستخط کر دیئے مہر بھی لگا دی۔ سب کچھ کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود جس کو قتل کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے لئے قتل کرنا جائز نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ جان اس کی ملکیت ہی نہیں ہے۔ اگر اس کی ملکیت ہوتی، تب وہ دوسرے کو اس کے لینے کی اجازت دے سکتا تھا، لہٰذا جب ملکیت نہیں، تو پھر دوسرے کو اجازت دینے کا بھی حق حاصل نہیں ہے۔

گناہ کرنا خیانت ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ پورا وجود، پوری جان، اور یہ صلاحیتیں اور توانائیاں یہ سب ہمیں امانت کے طور پر عطا فرمائی ہیں، لہٰذا اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ پوری زندگی امانت ہے، اس لئے زندگی کا کوئی کام، اور ان اعضاء سے کیا جانے والا کوئی عمل، کوئی قول، کوئی فعل ایسا نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس امانت میں خیانت کا سبب بنے، لہٰذا امانت کا جو محدود تصور ہمارے ذہنوں میں ہے کہ کوئی شخص آ کر پیسے رکھوائے گا، اور ہم صندوقچی کھول کر اس میں وہ پیسے رکھیں گے، اور تالہ لگا دیں گے، اب اگر ان پیسوں کو نکال کر خرچ کر لیا تو یہ خیانت ہوگی۔ امانت کا اتنا محدود تصور غلط ہے۔ بلکہ یہ پوری زندگی ایک امانت ہے۔ اور زندگی کا ایک ایک قول و فعل امانت ہے۔

لہٰذا یہ جو فرمایا کہ امانت میں خیانت کرنا نفاق کی علامت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنے بھی گناہ ہیں، چاہے وہ آنکھ کا گناہ ہو، یا کان کا گناہ ہو، یا زبان کا گناہ ہو، یا کسی اور عضو کا گناہ ہو، وہ سارے امانت میں خیانت کے اندر داخل ہیں، اور وہ مومن کے کام نہیں ہیں۔ بلکہ منافق کے کام ہیں۔

”عاریت“ کی چیز امانت ہے

یہ تو امانت کے بارے میں عام باتیں تھیں۔ لیکن امانت کے کچھ خاص خاص شعبے بھی ہیں، بعض اوقات ہم ان کو امانت نہیں سمجھتے، اور امانت جیسی حفاظت نہیں کرتے۔ مثلاً ”عاریت“ کی چیز ہے، ”عاریت“ اس کو کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو ایک چیز کی ضرورت تھی۔ وہ چیز اس کے پاس نہیں تھی۔ اس لئے اس نے وہ چیز استعمال کرنے کے لئے دوسرے سے مانگ لی کہ مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے، تھوڑی دیر کے لئے دے دو، اب یہ ”عاریت“ کی چیز ”امانت“ ہے۔ مثلاً میرا ایک کتاب پڑھنے کو دل چاہ رہا تھا، لیکن وہ کتاب میرے پاس نہیں تھی، اس لئے میں نے دوسرے شخص سے پڑھنے کے لئے وہ کتاب مانگ لی کہ میں پڑھ کر واپس کر دوں گا، اب یہ کتاب میرے پاس ”عاریت“ ہے، شریعت کی اصطلاح میں

اس کو عاریت کہا جاتا ہے، اور یہ عاریت کی چیز امانت ہوتی ہے، لہٰذا اس لینے والے شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو مالک کی مرضی کے خلاف استعمال کرے۔ بلکہ اسے چاہئے کہ اس عاریت کی چیز کو اس طرح استعمال نہ کرے، جس سے مالک کو تکلیف ہو، اور دوسرے یہ کہ اس کو بروقت مالک کے پاس لوٹانے کی فکر کرے۔

یہ برتن امانت ہیں

حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے بیشمار مواعظ میں اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ لوگ بکثرت ایسا کرتے ہیں کہ جب ان کے گھر کسی نے کھانا بھیج دیا، اس بیچارے بھیجنے والے سے یہ غلطی ہوگئی کہ اس نے آپ کے گھر کھانا بھیج دیا، اب صحیح طریقہ تو یہ تھا کہ وہ کھانا تم دوسرے برتن میں نکال لو، اور وہ برتن اس کو فوراً واپس کردو، مگر ہوتا یہ ہے کہ وہ بیچارہ کھانا بھیجنے والا برتن سے بھی محروم ہوگیا، چنانچہ وہ برتن گھر میں پڑے ہوئے ہیں، واپس پہنچانے کی فکر نہیں، بلکہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ان برتنوں کو خود اپنے استعمال میں لانے شروع کردیئے، یہ امانت میں خیانت ہے، اس لئے کہ وہ برتن آپ کے پاس بطور عاریت کے آئے تھے، آپ کو ان کا مالک نہیں بنایا گیا تھا، لہٰذا ان برتنوں کو استعمال کرنا، اور ان کو واپس پہنچانے کی فکر نہ کرنا امانت میں خیانت ہے۔

یہ کتاب امانت ہے

یا مثلاً آپ نے کسی سے کتاب پڑھنے کے لئے لے لی، اور کتاب پڑھ کر اس کو مالک کے پاس واپس نہیں پہنچائی یہ امانت میں خیانت ہے، حتیٰ کہ اب تو لوگوں میں یہ مقولہ بھی مشہور ہوگیا ہے کہ ”کتاب کی چوری جائز ہے“ اور جب کتاب کی چوری جائز ہوگئی تو امانت میں خیانت بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔ اگر کسی نے کوئی کتاب پڑھنے کے لئے دے دی تو اب لوٹانے کا کوئی سوال نہیں، حالانکہ یہ سب باتیں امانت میں خیانت کے اندر داخل ہیں۔ اسی طرح جتنی عاریت کی چیزیں ہیں، جو آپ کے پاس کسی بھی طریقے سے آئی ہوں۔ ان کو حفاظت سے رکھنا، اور ان کو مالک کی مرضی کے خلاف استعمال نہ کرنا واجب اور فرض ہے، اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں۔

ملازمت کے اوقات امانت ہیں

اسی طرح ایک شخص نے کہیں ملازمت کرلی۔ اور ملازمت میں آٹھ گھنٹے ڈیوٹی دینے کا معاہدہ ہوگیا، یہ آٹھ گھنٹے آپ نے اس کے ہاتھ فروخت کردیئے، لہٰذا یہ آٹھ گھنٹے کے اوقات آپ کے پاس اس شخص کی امانت ہے جس کے یہاں آپ نے ملازمت کی ہے۔ لہٰذا اگر ان آٹھ گھنٹوں میں سے ایک منٹ بھی آپ نے کسی ایسے کام میں صرف کردیا، جس میں صرف کرنے کی مالک کی طرف سے اجازت نہیں تھی۔ تو یہ امانت میں خیانت ہے، مثلاً ڈیوٹی کے اوقات میں دوست احباب ملنے کے لئے آگئے اب ان کے ساتھ ہوٹل میں بیٹھ کر باتیں ہو رہی ہیں۔ یہ وقت اس میں صرف ہو رہا ہے۔ حالانکہ یہ وقت تمہارا بکا ہوا تھا۔ تمہارے پاس امانت تھا، تم نے اس وقت کو باتوں میں اور ہنسی مذاق میں گزار دیا تو یہ امانت میں خیانت ہے۔

اب بتایئے، ہم لوگ کتنے غافل ہیں کہ جو اوقات ہمارے بکے ہوئے ہیں، ہم ان کو دوسرے کاموں میں صرف کر رہے ہیں، یہ امانت میں خیانت ہو رہی ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مہینے کے آخر میں جو تنخواہ مل رہی ہے، وہ پوری طرح حلال نہیں ہوئی، اس لئے کہ وقت پورا نہیں دیا۔

دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کا معمول

دارالعلوم دیوبند کے حضرات اساتذہ کرام کو دیکھئے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ صحابہ کرام کے دور کی یادیں تازہ کرائیں، ان حضرات اساتذہ کرام کی تنخواہ دس ۱۰ روپے ماہانہ یا پندرہ روپے ماہانہ ہوتی تھی، لیکن چونکہ جب تنخواہ مقرر ہوگئی، اور اپنے اوقات مدرسے کے ہاتھ فروخت کردیئے، اس لئے ان حضرات اساتذہ کا یہ معمول تھا کہ اگر مدرسے کے اوقات کے دوران مہمان یا دوست احباب ملنے کے لئے آتے تو جس وقت وہ مہمان آتے تو فوراً گھڑی دیکھ کر وقت نوٹ کرلیتے۔ اور پھر ان کو جلد از جلد نمٹانے کی فکر کرتے۔ اور جس وقت وہ مہمان چلے جاتے، اس وقت گھڑی دیکھ کر وقت نوٹ کرلیتے۔ پورا مہینہ اس طرح وقت نوٹ کرتے رہتے پھر جب مہینہ پورا ہو جاتا تو وہ اساتذہ باقاعدہ درخواست دیتے کہ اس ماہ کے دوران ہم نے اتنا وقت مدرسے کے کام کے علاوہ دوسرے

کاموں میں صرف کیا ہے۔ لہٰذا براہ کرام میری تنخواہ میں سے اتنے وقت کے پیسے کاٹ لئے جائیں، وہ حضرات اساتذہ اس لئے ایسا کرتے تھے اگر ہم نے اس وقت کی تنخواہ لے لی اور تنخواہ ہمارے لئے حرام ہوگئی۔ اس لئے واپس کر دیتے۔ آج تنخواہ لینے کے لئے تو درخواستیں دی جاتی ہیں۔ تنخواہ کٹوانے کے لئے درخواست دینے کا آج تصور بھی مشکل ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی تنخواہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ، جو دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم ہیں، جن کے ذریعہ دارالعلوم دیوبند کا آغاز ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کو علم میں، تقویٰ میں، معرفت میں بہت اونچا مقام بخشا تھا۔ جس زمانے میں آپ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث تھے، اس وقت آپ کی تنخواہ ماہانہ دس روپے تھی، پھر جب آپ کی عمر زیادہ ہوگئی اور تجربہ بھی زیادہ ہوگیا، تو اس وقت دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے یہ طے کیا کہ حضرت والا کی تنخواہ بہت کم ہے۔ جبکہ آپ کی عمر زیادہ ہوگئی ہے۔ ضروریات بھی زیادہ ہیں، مشاغل بھی زیادہ ہیں، اس لئے تنخواہ بڑھانی چاہئے۔ چنانچہ مجلس شوریٰ نے یہ طے کیا کہ اب آپ کی تنخواہ دس روپے کے بجائے پندرہ روپے ماہانہ کر دی جائے، جب تنخواہ تقسیم ہوئی تو حضرت والا نے یہ دیکھا کہ اب دس کے بجائے پندرہ روپے ملے ہیں۔ حضرت والا نے پوچھا کہ یہ پندرہ روپے مجھے کیوں دیئے گئے۔ لوگوں نے بتایا کہ مجلس شوری نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کی تنخواہ دس روپے کے بجائے پندرہ روپے کر دی جائے، آپ نے وہ تنخواہ لینے سے انکار کر دیا، اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم صاحب کے نام ایک درخواست لکھی کہ حضرت! آپ نے میری تنخواہ دس روپے کے بجائے پندرہ روپے کر دی ہے۔ حالانکہ اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں، پہلے تو میں نشاط کے ساتھ دو تین گھنٹے سبق پڑھا لیتا تھا۔ اور اب تو میں کم پڑھاتا ہوں۔ وقت کم دیتا ہوں۔ لہٰذا میری تنخواہ میں اضافے کا کوئی جواز نہیں، لہٰذا جو اضافہ آپ حضرات نے کیا ہے یہ واپس لیا جائے۔ اور میری تنخواہ اسی طرح دس روپے کر دی جائے۔

لوگوں نے آکر حضرت والا سے منت سماجت شروع کر دی کہ حضرت! آپ تو اپنے تقویٰ اور ورع کی وجہ سے اضافہ واپس کر رہے ہیں۔ لیکن دوسرے لوگوں کے لئے یہ مشکل

ہو جائے گی کہ آپ کی وجہ سے ان کی ترقیاں رک جائیں گی۔ لہٰذا آپ اس کو منظور کرلیں۔ مگر انہوں نے اپنے لئے اس کو گوارا نہ کیا، کیوں؟ اس لئے کہ ہر وقت یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ یہ دنیا تو چند روز کی ہے۔ خدا جانے آج ختم ہو جائے۔ یا کل ختم ہو جائے۔ لیکن یہ پیسہ جو میرے پاس آرہا ہے، کہیں یہ پیسہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر وہاں شرمندگی کا سبب نہ بن جائے۔

دارالعلوم دیوبند عام یونیورسٹی کی طرح نہیں تھا کہ استاذ نے سبق پڑھا دیا۔ اور طالب علم نے سبق پڑھ لیا۔ بلکہ وہ ان اداؤں سے دارالعلوم دیوبند بنا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کی فکر سے بنا ہے۔ اس ورع اور تقویٰ سے بنا ہے۔ لہٰذا یہ اوقات جو ہم نے بیچ دیئے ہیں۔ یہ امانت ہیں۔ اس میں خیانت نہ ہونی چاہئے۔

آج حقوق کے مطالبے کا دور ہے

آج سارا زور حقوق کے حاصل کرنے پر ہے، حقوق حاصل کرنے کے لئے جلوس اور جلسے ہو رہے ہیں، نعرے لگائے جارہے ہیں۔ اور اس بات پر احتجاج ہو رہا ہے کہ ہمیں ہمارا حق دو، ہر شخص یہ مطالبہ کررہا ہے کہ مجھے میرا حق دو۔ لیکن کسی کو یہ فکر نہیں کہ دوسروں کے حقوق جو مجھ پر عائد ہو رہے ہیں وہ میں ادا کررہا ہوں یا نہیں؟ آج یہ مطالبہ تو ہر شخص کررہا ہے کہ میری تنخواہ بڑھنی چاہئے۔ مجھے ترقی ملنی چاہئے، یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ مجھے اتنی چھٹیاں ملنی چاہئیں، مجھے اتنا الاونس ملنا چاہئے۔ لیکن جو فرائض مجھے سونپے گئے ہیں۔ وہ میں ادا کررہا ہوں یا نہیں؟ اس کی کوئی فکر نہیں۔

ہر شخص اپنے فرائض کی نگرانی کرے

حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ جب تک ہماری یہ ذہنیت برقرار رہے گی کہ میں دوسرے سے حقوق کا مطالبہ کرتا رہوں، اور مجھ سے کوئی حقوق کا مطالبہ نہ کرے، میں اپنے فرائض سے غافل رہوں، اور دوسروں سے حقوق کا مطالبہ کرتا ہوں۔ یاد رکھو! اس وقت تک دنیا میں کسی کا حق ادا نہیں ہوگا۔ حق ادا ہونے کا صرف ایک رستہ ہے، جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی نگرانی کرے، میرے ذمہ جو فریضہ ہے، میں اس کو ادا کررہا ہوں یا نہیں؟ جب اس بات کا احساس دل میں ہوگا تو پھر سب کے حقوق ادا

ہو جائیں گے۔ اگر شوہر کے دل میں یہ احساس ہو کہ میرے ذمے بیوی کے جو فرائض ہیں، میں ان کو ادا کر دوں، بس بیوی کا حق ادا ہو گیا۔ بیوی کے دل میں احساس ہو کہ میرے ذمے شوہر کے جو فرائض ہیں۔ میں ان کو ادا کر دوں۔ بس شوہر کا حق ادا ہو گیا۔ مزدور کے دل میں یہ احساس ہو کہ مالک کے میرے ذمے جو فرائض ہیں۔ میں ان کو ادا کر دوں، مالک کا حق ادا ہو گیا۔ اور مالک کے دل میں یہ احساس ہو کہ مزدور کے میرے ذمے جو حقوق ہیں، وہ میں ادا کر دوں، مزدور کا حق ادا ہو گیا۔ جب تک دلوں میں یہ احساس پیدا نہیں ہوگا۔ اس وقت تک حقوق کے مطالبے کے صرف نعرے ہی لگتے رہیں گے اور تحفظ حقوق کی انجمنیں ہی قائم ہوتی رہیں گی۔ اور جلسے جلوس نکلتے رہیں گے، لیکن اس وقت تک کسی کا حق ادا نہ ہوگا، جب تک اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے مجھے اس کے حقوق کا جواب دینا ہے۔ بس دنیا میں امن وسکون کا یہی راستہ ہے۔ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

یہ بھی ناپ تول میں کمی ہے

لہٰذا یہ اوقات ہمارے پاس امانت ہیں، قرآن کریم نے فرمایا کہ:

ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون. واذا کالوھم اووزنوھم یخسرون. (المطففین: ۳)

فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، جب دوسروں سے وصول کرنے کا وقت آتا ہے تو پورا پورا وصول کرتے ہیں۔ تاکہ ذرا بھی کمی نہ ہو جائے، لیکن جب دوسروں کو دینے کا وقت آتا ہے تو اس میں کم دیتے ہیں اور ڈنڈی مارتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اب لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ناپ تول میں کمی اس وقت ہوتی ہے۔ جب آدمی کوئی سودا بیچے، اور اس میں ڈنڈی مار جائے، حالانکہ علماء نے فرمایا کہ:

"التطفیف فی کل شیٔ"

یعنی ناپ تول میں کمی ہر چیز میں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص آٹھ گھنٹے کا ملازم ہے۔ اور وہ پورے آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی نہیں دے رہا ہے، وہ بھی ناپ تول میں کمی کر رہا ہے۔ اور اس

عذاب کا مستحق ہو رہا ہے، اس کا لحاظ کرنا چاہئے۔

”منصب“ اور ”عہدہ“ ذمہ داری کا پھندا

آج ہم پر یہ بلا جو مسلط ہے کہ اگر کسی کو سرکاری دفتر میں کوئی کام پڑ جائے تو اس پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے، اس کا کام آسانی سے نہیں ہوتا، بار بار دفتروں کے چکر لگانے پڑتے ہیں، کبھی افسر صاحب سیٹ پر موجود نہیں ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ آج کام نہیں ہو سکتا کل آنا، جب دوسرے دن پہنچے تو کہا کہ پرسوں آنا، چکر پر چکر لگوائے جا رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے فرض کا احساس اور امانت کا احساس ختم ہو گیا ہے، اگر کسی کے پاس کوئی منصب ہے تو وہ کوئی منفعت نہیں ہے۔ وہ کوئی پھولوں کی سیج نہیں ہے، بلکہ وہ ذمہ داری کا ایک پھندا ہے، حکومت، اقتدار، منصب، عہدہ یہ سب ذمہ داری کے پھندے ہیں، یہ ایسی ذمہ داری ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا پیاسا مر جائے تو مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ قیامت کے روز مجھ سے سوال نہ ہو جائے کہ اے عمر! تیرے عہد خلافت میں فلاں کتا بھوکا پیاسا مر گیا تھا۔

کیا ایسے شخص کو خلیفہ بنا دوں؟

روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اور آپ شدید زخمی ہو گئے تو کچھ صحابہ کرام آپ کی خدمت میں آئے، اور عرض کیا کہ حضرت آپ دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں، آپ اپنے بعد کسی کو خلیفہ اور جانشین نامزد فرما دیں، تاکہ آپ کے بعد وہ حکومت کی باگ دوڑ سنبھال لے، اور بعض حضرات نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر کو نامزد فرما دیں تاکہ آپ کی وفات کے بعد وہ خلیفہ بن جائیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پہلے تو جواب میں فرمایا کہ نہیں، تم مجھ سے ایسے شخص کو خلیفہ بنوانا چاہتے ہو، جسے اپنی بیوی کو طلاق دینی بھی نہیں آتی۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۱۳)

واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض یعنی ماہواری کے ایام میں طلاق دیدی تھی، اور مسئلہ یہ ہے کہ جب عورت ایام کی حالت میں ہو، اس وقت عورت کو طلاق

دینا شرعاً ناجائز ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ غلط کیا، اس لئے اب رجوع کرلو، اور پھر سے اگر طلاق دینی ہو تو پاکی کی حالت میں طلاق دینا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ تم ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتے ہو جسے اپنی بیوی کو طلاق دینی بھی نہیں آتی۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۱۱۳ و تاریخ الطبری ۳: ۲۹۲)

حضرت عمر اور احساس ذمہ داری

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو دوسرا جواب یہ دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ خلافت کے بوجھ کا پھندا خطاب کی اولاد میں سے ایک شخص کے گلے میں پڑ گیا تو یہ بھی کافی ہے، مراد اپنی ذات تھی کہ بارہ سال تک یہ پھندا میرے گلے میں پڑا رہا۔ وہی کافی ہے۔ اب اس خاندان کے کسی اور فرد کے گلے میں یہ پھندا میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اس واسطے کہ کچھ پتہ نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے جب مجھے اس ذمہ داری کا حساب دینا ہوگا، اس وقت میرا کیا حال ہوگا...... حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ شخص ہیں جو خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانی یہ خوشخبری سن چکے ہیں کہ: ''عمر فی الجنۃ'' کہ عمر جنت میں جائے گا۔ اس بشارت کے بعد اس بات کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا کہ جنت میں نہ جائیں، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب و کتاب کا ڈر اور اس امانت کا کتنا احساس ہے۔ (تاریخ الطبری ج ۳ صفحہ ۲۹۲)

ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز اگر میں اس امانت کے حساب کے نتیجے میں برابر سرابر بھی چھوٹ جاؤں کہ میرے اوپر نہ کوئی گناہ ہو، اور نہ ثواب ہو اور مجھے ''اعراف'' میں بھیج دیا جائے (جو جنت اور جہنم کے درمیان ایک علاقہ ہے جس میں ان لوگوں کو رکھا جائے گا، جن کے گناہ اور ثواب برابر ہوں گے) تو میرے لئے یہ بھی کافی، اور میں خلاصی پا جاؤں گا۔ حقیقت یہ ہے اس امانت کا احساس جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، اگر اس احساس کا تھوڑا ذرہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے تو ہمارے سارے مسئلے حل ہو جائیں۔

پاکستان کا مسئلہ نمبر ایک ''خیانت'' ہے

ایک زمانے میں یہ بحث چلی تھی کہ پاکستان کا مسئلہ نمبر ایک کیا ہے؟ یعنی سب سے بڑی مشکل کیا ہے، جس کو حل کرنے میں اولیت دی جائے حقیقت میں مسئلہ نمبر ایک ''خیانت'' ہے آج امانت کا تصور ہمارے ذہنوں میں موجود نہیں ہے۔ اپنے فرائض ادا کرنے کا احساس دل سے اتر گیا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس باقی نہیں رہا، زندگی تیزی سے چلی جارہی ہے۔ جس میں پیسے کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ کھانے کی دوڑ لگی ہے، اقتدار کی دوڑ ہے۔ اس دوڑ میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کی کوئی فکر نہیں۔ آج سب سے بڑا مسئلہ، اور ساری بیماریوں کی جڑ یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کے اندر یہ احساس پیدا فرمادے تو مسائل درست ہوجائیں۔

دفتر کا سامان امانت ہے

جس دفتر میں آپ کام کر رہے ہیں۔ اس دفتر کا جتنا سامان ہے۔ وہ سب آپ کے پاس امانت ہے اس لئے کہ وہ سامان آپ کو اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کو دفتری کاموں میں استعمال کریں لہٰذا آپ اس کو ذاتی کاموں میں استعمال نہ کریں۔ اس لئے کہ یہ بھی امانت میں خیانت ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر دفتر کی معمولی چیز اپنے ذاتی کام میں استعمال کرلی اس میں کیا حرج ہے؟ یاد رکھو خیانت چھوٹی چیز کی ہو یا بڑی چیز کی ہو، دونوں حرام ہیں، اور گناہ کبیرہ ہیں۔ دونوں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اس لئے ان دونوں سے بچنا ضروری ہے۔

سرکاری اشیاء امانت ہیں

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ ''امانت'' کے صحیح معنی یہ ہیں کہ کسی شخص نے آپ پر بھروسہ کرکے اپنا کوئی کام آپ کے سپرد کیا، اور پھر آپ نے وہ کام اس کے بھروسہ کے مطابق انجام نہ دیا تو یہ خیانت ہوگی، یہ سڑکیں جن پر آپ چلتے ہیں۔ یہ بسیں جن میں آپ سفر کرتے ہیں۔ یہ ٹرینیں جن میں آپ سفر کرتے ہیں۔ یہ سب امانت ہیں۔ یعنی ان کو جائز طریقے پر استعمال کیا جائے اور اگر ان کو اس جائز طریقے سے ہٹ کر استعمال کیا جارہا ہے۔ تو وہ خیانت

کے اندر داخل ہے۔ مثلاً اس کو استعمال کرتے وقت گندہ اور خراب کر دیا۔ آج کل تو لوگوں نے سڑکوں کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ رکھا ہے۔ کسی نے کھود کر نالی نکال لی اور پانی جانے کا راستہ بنا دیا۔ کسی نے سڑک گھیر کر شامیانہ لگا دیا۔ حالانکہ فقہاء کرام نے یہاں تک مسئلہ لکھا ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنے گھر کا پرنالہ باہر سڑک کی طرف نکال دیا، تو اس شخص نے ایک ایسی فضا استعمال کی جو اس کی ملکیت میں نہیں تھی، اس لئے اس شخص کے لئے سڑک کی طرف پرنالہ نکالنا جائز نہیں، حالانکہ وہ پرنالہ کوئی جگہ نہیں گھیر رہا ہے۔ بلکہ فضاء کے ایک حصے میں وہ پرنالہ نکلا ہوا ہے اس پر فقہاء کرام نے تفصیلی بحث کی ہے کہاں پرنالہ نکالنا جائز ہے کتنا نکالنا جائز ہے کتنا نکالنا حرام ہے، اس لئے کہ وہ جگہ امانت ہے اپنی ملک کا حصہ نہیں ہے۔

حضرت عباسؓ کا پرنالہ

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں ان کے پرنالے کا قصہ مشہور ہے ان کا گھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل ساتھ ملا ہوا تھا، ان کے گھر کا ایک پرنالہ مسجد نبوی کے صحن میں گرتا تھا ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس پرنالے پر نظر پڑی تو دیکھا کہ وہ پرنالہ مسجد میں نکلا ہوا ہے۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ پرنالہ کس کا ہے جو مسجد کے صحن کی طرف لگا ہوا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا پرنالہ ہے، آپ نے حکم فرمایا کہ اس کو توڑ دو۔ مسجد کی طرف کسی کو پرنالہ نکالنا جائز نہیں، جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو ملاقات کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ عمر یہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ پرنالہ مسجد نبوی میں نکلا ہوا تھا۔ اس لئے گرا دیا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ پرنالہ میں نے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لگایا تھا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا کہ حضور کی اجازت سے لگایا تھا تو فوراً فرمایا کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔ چنانچہ مسجد نبوی میں تشریف لا کر خود جھک کر رکوع کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عباس! خدا کے لئے میری

کمر پر سوار ہو کر اس پرنالے کو دوبارہ لگاؤ، اس لئے کہ خطاب کے بیٹے کی یہ مجال کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجازت دیئے ہوئے پرنالے کو توڑ دے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں لگوالوں گا۔ آپ رہنے دیں، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، جب میں نے توڑا ہے لہذا اب میں ہی اس کی سزا بھگتونگا۔ بہرحال! شریعت کا اصل مسئلہ تو یہی تھا کہ حاکم کی اجازت کے بغیر وہ پرنالہ لگانا جائز نہیں تھا۔ لیکن چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لگانے کی اجازت دیدی تھی۔ اس لئے اس کو لگانا ان کے لئے جائز ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۴ صفحہ ۲۰)

آج یہ حال ہے کہ جس شخص کا جتنی زمین پر قبضہ کرنے کا دل چاہا قبضہ کر لیا۔ اور اس کی کوئی فکر نہیں کہ یہ ہم گناہ کے کام کر رہے ہیں۔ نمازیں بھی ہو رہی ہیں، اور یہ خیانت بھی ہو رہی ہے۔ یہ سب کام امانت میں خیانت کے اندر داخل ہیں، اس سے پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔

مجلس کی گفتگو امانت ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

" المجالس بالامانة " (جامع الاصول ۶:۵۴۵)

یعنی مجلسوں میں جو بات کی گئی ہو، وہ بھی سننے والوں کے پاس امانت ہے مثلاً دو تین آدمیوں نے آپس میں مل کر باتیں کیں۔ بے تکلفی میں باہم اعتماد کی فضاء میں راز کی باتیں کر لیں۔ اب ان باتوں کو ان کی اجازت کے بغیر دوسروں تک پہنچانا بھی خیانت کے اندر داخل ہے۔ اور ناجائز ہے۔ جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے ادھر کی بات ادھر لگا دی۔ اور ادھر کی بات ادھر لگا دی۔ یہ سارا فتنہ فساد اسی طرح پھیلتا ہے۔ البتہ اگر مجلس میں کوئی ایسی بات کہی گئی ہو جس سے دوسروں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، مثلاً دو تین آدمیوں نے مل کر یہ سازش کی فلاں وقت پر فلاں شخص کے گھر پر حملہ کریں گے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ بات ایسی نہیں ہے۔ جس کو چھپایا جائے، بلکہ اس شخص کو بتا دیا جائے کہ تمہارے خلاف یہ سازش ہوئی ہے۔ لیکن جہاں اس قسم کی بات نہ ہوئی ہو وہاں کسی کے راز کی بات دوسروں تک پہنچانا ناجائز ہے۔

راز کی باتیں امانت ہیں

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ راز کی بات مجلس میں ایک شخص نے سنی، اس نے جا کر دوسرے کو یہ تاکید کر کے سنادی کہ یہ راز کی بات بتا رہا ہوں۔ تمہیں تو بتادی، لیکن کسی اور سے مت کہنا، اب وہ سمجھ رہا ہے کہ یہ تاکید کر کے میں نے راز کا تحفظ کر لیا کہ آگے یہ بات کسی اور کو مت بتانا۔ اب وہ سننے والا آگے تیسرے شخص کو وہ راز کی بات اس تاکید کے ساتھ بتا دیتا ہے۔ کہ یہ راز کی بات ہے۔ تم آگے کسی اور سے مت کہنا، یہ سلسلہ آگے اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم نے امانت کا خیال کر لیا۔ حالانکہ جب وہ بات راز تھی، اور دوسروں سے کہنے کو منع کیا گیا تھا تو پھر اس تاکید کے ساتھ کہنا بھی امانت کے خلاف ہے یہ خیانت ہے اور جائز نہیں۔

یہ وہ چیزیں ہیں جنہوں نے ہمارے معاشرے میں فساد برپا کر رکھا ہے۔ آپ غور کر کے دیکھیں گے تو یہی نظر آئے گا کہ فساد اسی طرح برپا ہوتے ہیں کہ فلاں شخص تو آپ کے بارے میں یہ کہہ رہا تھا، اب اس کے دل میں اس کے خلاف غصہ اور بغض اور عناد پیدا ہو گیا، اس لئے اس لگائی بجھائی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

ٹیلیفون پر دوسروں کی باتیں سننا

دو آدمی آپ سے علیحدہ ہو کر آپس میں سرگوشی کر رہے ہیں۔ اور آپ چھپ کر ان کی باتوں کو سننے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں کہ میں ان کی باتیں سن لوں کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ یہ امانت میں خیانت ہے۔

یا ٹیلیفون کرتے وقت کسی کی لائن آپ کے فون سے مل گئی اب آپ نے ان کی باتوں کو سننا شروع کر دیا۔ یہ سب امانت میں خیانت ہے، تجسس میں داخل ہے، اور ناجائز ہے، حالانکہ آج اس پر بڑا فخر کیا جاتا ہے۔ مجھے فلاں کا راز معلوم ہو گیا۔ اس کو بڑا ہنر اور بڑا فن سمجھا جاتا ہے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ کہ یہ خیانت کے اندر داخل ہے، اور ناجائز ہے۔

خلاصہ

غرض یہ ہے کہ امانت میں خیانت کے مصداق اتنے ہیں کہ شاید زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں ہمیں امانت کا حکم نہ ہو۔ اور خیانت سے ہمیں روکا نہ گیا ہو، یہ ساری باتیں جو میں نے ذکر کیں ہیں، یہ سب امانت کے خلاف ہیں اور نفاق کے اندر داخل ہیں، لہٰذا یہ حدیث ہر وقت مستحضر رہنی چاہئے کہ تین چیزیں منافق کی علامت ہیں۔ بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ اور اگر اس کے پاس کوئی امانت آئے تو اس میں خیانت کرے، اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ سب کی اس سے حفاظت فرمائے، یہ سب دین کا حصہ ہے، ہم لوگوں نے دین کو بہت محدود کر رکھا ہے، اور اپنی روزمرہ کی زندگی میں ان باتوں کو فراموش کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں فکر پیدا فرما دے۔ اور اس کی توفیق عطا فرما دے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اس طریقے پر ہم عمل کریں۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عہد اور وعدہ کا وسیع مفہوم

ملکی قانون کی پابندی لازم ہے

اس کی مثال یہ ہے کہ جو کوئی شخص جس ملک کا باشندہ ہوتا ہے، اور اس کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ عملاً اس بات کا عہد کرتا ہے کہ میں اس ملک کے قانون کی پابندی کروں گا، اب اگر آپ کسی ملک کی شہریت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور درخواست دیتے ہوئے یہ کہہ دیں کہ میں آپ کے ملک کی شہریت تو چاہتا ہوں، لیکن آپ کے قانون پر عمل نہیں کروں گا، تو کیا دنیا کا کوئی ملک ایسا ہے جو آپ کو شہریت دینے پر تیار ہو جائے؟ لہٰذا جب کوئی انسان کسی ملک کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ یا تو زبان سے یا عملاً یہ معاہدہ کرتا ہے کہ میں اس ملک کے قوانین کی پابندی کروں گا، جیسے ہم اس ملک کے اندر پیدا ہوئے ہیں، تو شہریت حاصل کرنے کے لئے ہمیں زبانی درخواست دینے کی ضرورت تو پیش نہیں آئی، لیکن عملاً یہ معاہدہ کر لیا کہ ہم اس ملک کے قوانین کی پابندی کریں گے، لہٰذا شہری ہونے کے ناطے ہم اس ملک کے قانون کی پابندی کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔

خلاف شریعت قانون کی مخالفت کریں

البتہ مسلمان کا جو عہد ہوتا ہے، چاہے وہ کسی شخص سے ہو، یا کسی ادارے سے ہو، یا حکومت سے ہو۔ وہ ایک بنیادی عہد کا پابند ہوتا ہے، یہ بنیادی عہد وہ ہے جو ایک مسلمان نے کلمہ شہادت ''اشهدان لا اله الا الله واشهدان محمداً رسول الله'' پڑھتے ہوئے کیا، اس عہد کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود مانتا ہوں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتا ہوں، لہٰذا آپ کے ہر حکم کی اطاعت کروں گا۔ یہ سب سے پہلا عہد ہے جو انسان نے مسلمان ہوتے

ہی کر لیا ہے، یہ عہد تمام عہدوں پر بالا ہے، اس کے اوپر کوئی اور عہد نہیں ہو سکتا ہے، لہٰذا اگر اس کے بعد آپ کسی سے کوئی عہد کرتے ہیں مثلاً کسی حکومت سے یا کسی ادارے سے یا کسی شخص سے کوئی عہد کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب تک آپ کا قانون مجھے اللہ کے کسی قانون کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہ کرے اس وقت تک میں آپ کی اطاعت کروں گا۔ اگر کوئی قانون ایسا ہے جو مجھے اللہ کی نافرمانی پر مجبور کرتا ہے، تو اس قانون کی اطاعت واجب نہیں۔ بلکہ اس قانون کی مخالفت واجب ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قانون

اس کی مثال میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ملک میں رہتے تھے، اور نبی بننے سے پہلے ایک قبطی کو مکا مار کر قتل کر دیا تھا، جس کا واقعہ مشہور ہے، اور قرآن کریم نے بھی اس واقعہ کو ذکر کیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قتل پر استغفار کیا کرتے تھے، اور فرماتے تھے: **لهم علی ذنب** (سورۃ الشعراء:۱۴)

یعنی میرے اوپر ان کا ایک گناہ ہے اور میں نے ان کا ایک جرم کیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو جرم اور گناہ قرار دیتے تھے اور اس پر استغفار فرمایا کرتے تھے، اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ قتل جان بوجھ کر نہیں کیا تھا، بلکہ ایک مظلوم کی مدد فرمائی تھی اور یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایک مکا مارنے سے وہ مر جائے گا، اس لئے یہ حقیقۃً گناہ نہیں تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عصمت کے منافی بھی نہیں تھا، لیکن چونکہ صورت گناہ کی سی تھی، اس لئے آپ نے اسے گناہ سے تعبیر فرمایا، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ قبطی جس کو موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا تھا وہ تو کافر تھا، اور کافر بھی حربی تھا، لہٰذا اگر اسے جان بوجھ کر بھی قتل کرتے تو اس حربی کافر کو قتل کرنے میں کیا گناہ ہوا؟ حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اس لئے گناہ ہوا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے شہر میں رہ رہے ہیں تو عملاً اس بات کا وعدہ کر رکھا ہے کہ ہم آپ کے ملک کے قوانین کی پابندی کریں گے، اور ان کا

قانون یہ تھا کہ کسی کو قتل کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو قتل کیا، وہ اس قانون کی خلاف ورزی میں کیا، لہٰذا ہر حکومت کا ہر شہری، چاہے حکومت مسلمان ہو یا غیر مسلم حکومت ہو، عملاً اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس ملک کے قوانین کی پابندی کرے گا، جب تک وہ قانون کسی گناہ پر مجبور نہ کرے۔

ویزا لینا ایک معاہدہ ہے

لیکن جو قانون مجھے اللہ تعالیٰ کے قانون کی خلاف ورزی کرنے پر مجبور نہیں کر رہا ہے، بلکہ کوئی ایسا حکم مجھ پر عائد کر رہا ہے جس سے کوئی معصیت اور گناہ لازم نہیں آتا تو اس قانون کی پابندی بحیثیت اس ملک کے شہری ہونے کے مجھ پر واجب ہے، اس میں مسلمان ملک ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ اگر آپ کسی غیر مسلم ملک کا ویزا لے کر وہاں جاتے ہیں۔ تو ویزا لینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس ملک سے درخواست کی ہے کہ میں آپ کے ملک میں آنا چاہتا ہوں، اور آپ کے ملک کے قانون کی پابندی کروں گا جب تک وہ قانون مجھے کسی گناہ پر مجبور نہیں کرے گا۔ یہ ایک عہد ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس ملک میں انسان رہتا ہے، اس ملک کے قانون کی پابندی بھی اس پر اس کے عہد کی پابندی کی وجہ سے لازم ہوگی۔

اس وقت قانون توڑنے کا جواز تھا

آج ہمارے معاشرے میں یہ فضا عام ہو گئی ہے کہ قانون شکنی کو ہنر سمجھا جاتا ہے، قانون کو علانیہ توڑا جاتا ہے، اور اس کو بڑی ہوشیاری اور چالاکی سمجھا جاتا ہے، یہ ذہنیت درحقیقت اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ جب ہم ہندوستان میں رہتے تھے، اور وہاں انگریز کی حکومت تھی، انگریز غاصب تھا، اس نے ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ کیا تھا، اور مسلمانوں نے اس کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی، ۱۸۵۷ء کے موقع پر اور بعد میں بھی اس کے ساتھ لڑائی کا سلسلہ جاری رہا، اور انگریز کی حکومت کو مسلمانوں نے کبھی دل و جان سے تسلیم نہیں کیا۔ لہٰذا ہندوستان میں انگریز کی حکومت کے خلاف علماء کرام نے یہ فتویٰ بھی دیا کہ قانون توڑو، کیونکہ انگریز کی حکومت جائز حکومت نہیں ہے، اگرچہ بعض علماء اس فتویٰ کی مخالفت کرتے تھے،

بہر حال! اس وقت قانون توڑنے کا ایک جواز تھا۔

اب قانون توڑنا جائز نہیں

لیکن انگریز کے چلے جانے کے بعد جب پاکستان بنا، تو یہ ایک معاہدے کے تحت وجود میں آیا، اس کا ایک دستور اور قانون ہے، اور پاکستان کے قانون پر بھی یہی حکم عائد ہوتا ہے کہ جب تک وہ قانون ہمیں کسی گناہ پر مجبور نہ کرے اس وقت تک اس کی پابندی واجب ہے، اس لئے کہ ہم نے عہد کیا ہے کہ ہم اس ملک کے شہری ہیں، اس لئے ہم اس کے قانون کی پابندی کریں گے۔

ٹریفک کے قانون کی پابندی

اب آپ ٹریفک کے قوانین لے لیجئے۔ قانوناً بعض مقامات پر گاڑی کھڑی کرنا جائز ہے، اور بعض مقامات پر ناجائز ہے، جہاں گاڑی کھڑی قانوناً منع ہے وہاں گاڑی کھڑی کرنے میں قانون کی بھی خلاف ورزی ہے، اور عہد کی بھی خلاف ورزی ہے، اس لئے کہ آپ نے یہ عہد کیا ہے کہ میں اس قانون کی پابندی کروں گا۔ بعض مقامات پر گاڑی کی رفتار متعین کر دی جاتی ہے کہ اس رفتار پر گاڑی چلا سکتے ہیں، اس سے زیادہ رفتار پر گاڑی چلانے میں قانون کی خلاف ورزی تو ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ عہد کی خلاف ورزی ہونے کی وجہ سے شرعاً بھی گناہ ہے۔ یا مثلاً سگنل بند تھا، مگر آپ سگنل توڑ کر نکل گئے، آپ اس کو بڑی دلاوری اور بہادری سمجھ رہے ہیں کہ ہم سگنل توڑ کر نکل گئے۔ لیکن یہ بھی درحقیقت گناہ ہے، گناہ اس لئے ہے کہ آپ ایسے قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہیں جو ہمیں کسی گناہ پر مجبور نہیں کر رہا ہے، بلکہ فلاح عامہ سے متعلق ایک قانون ہے، اس کی خلاف ورزی کرنا معاہدے کی خلاف ورزی ہے، اور اس آیت کی خلاف ورزی ہے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی۔

ویزے کی مدت سے زیادہ قیام کرنا

اسی طرح جب آپ دوسرے کسی ملک میں ویزا لے کر جاتے ہیں تو گویا کہ آپ نے

معاہدہ کیا ہے کہ ویزے کی جو مدت ہے اس مدت تک میں وہاں ٹھہروں گا، اس کے بعد واپس آ جاؤں گا۔ اب اگر آپ مدت گزرنے کے بعد مزید وہاں قیام کر رہے ہیں تو معاہدے کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اور جتنے دن آپ وہاں قیام کر رہے ہیں وعدہ کی خلاف ورزی کا گناہ آپ پر لازم آ رہا ہے۔

آج ہماری پاکستانی قوم ساری دنیا میں بدنام ہے، لوگ پاکستانی کا نام سن کر بدکتے ہیں، پاکستانی پاسپورٹ دیکھ کر شک میں پڑ جاتے ہیں کہ معلوم نہیں یہ کیا دھوکہ دے رہا ہوگا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں سے گئے، اور وہاں جا کر ان کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ہمارے ویزے کی مدت ختم ہو چکی ہے، پھر ذلیل وخوار ہو کر نکالے جاتے ہیں، بعض اوقات جیلوں میں بند کر دیے جاتے ہیں، تکلیفیں بھی اٹھاتے ہیں۔ اس طرح دنیا کا بھی خسارہ اور آخرت کا بھی خسارہ، دنیا کے اندر یہ ذلت حاصل ہو رہی ہے، اور آخرت میں عہد شکنی کا گناہ ہو رہا ہے۔

ظالم حکومت کے قوانین کی پابندی بھی لازم ہے

بعض لوگ آج کل یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ آج کل ہمارے ملک میں جو حکومتیں ہیں، وہ خود ظالم حکومتیں ہیں، رشوت خور ہیں، بدعنوان ہیں، مفاد پرست ہیں، اپنے مفاد کی خاطر پیسے لوٹ رہے ہیں، لہٰذا ایسی حکومت کے قوانین کی پابندی ہم کیوں کریں؟

خوب سمجھ لیجئے! جیسا کہ پچھلے جمعہ میں عرض کیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ابوجہل سے کئے ہوئے معاہدے کا بھی احترام کیا تھا، کیا ابوجہل سے زیادہ گمراہ کوئی ہوگا؟ کیا ابوجہل سے بڑا کافر کوئی ہوگا؟ لیکن وہ وعدہ جو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد نے ابوجہل سے کیا تھا، اور ابوجہل نے زبردستی ان وعدہ لیا تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم چونکہ ابوجہل سے وعدہ کر چکے ہو، لہٰذا اس وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ معلوم ہوا کہ جس شخص سے آپ عہد کر رہے ہیں وہ چاہے کافر ہی کیوں نہ ہو، چاہے وہ فاسق ہو، بدعنوان ہو، رشوت خور ہو، لیکن

جب آپ نے اس سے عہد کیا ہے تو اب اس عہد کی پابندی آپ کے ذمے لازم ہوگی۔ ان کے ظلم اور ان کے فسق و فجور کا گناہ ان کے سر ہے، ان کی بدعنوانیوں کا بدلہ اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں دیں گے، وہ جانیں ان کا اللہ جانے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم نے جو معاہدہ کیا ہے، ہم اس کی پابندی کریں۔

خیانت کرنے والے سے خیانت مت کرو

حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ولا تخن من خانک"

دو لفظوں کا جملہ ہے، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسا عظیم اور سنہرا اصول ان دو لفظوں میں بیان فرما دیا، فرمایا کہ جو تم سے خیانت کرے، تم اس کے ساتھ خیانت کا معاملہ مت کرو، وہ اگر خیانت کر رہا ہے، وہ اگر دھوکہ باز ہے، وہ اگر بدعنوان ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم بھی بدعنوانی شروع کر دو تم بھی اس کے ساتھ خیانت کرو، تم بھی اس کے ساتھ عہد شکنی کرو، تم بھی گناہ کا ارتکاب کرو۔ بلکہ ان کا عمل ان کے ساتھ ہے، تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے، لہٰذا حکومت چاہے کتنی ہی بُری کیوں نہ ہو، لیکن اگر آپ نے اس کے ساتھ کوئی معاہدہ کر لیا ہے تو اس معاہدے کی پابندی تمہارے اوپر لازم ہے۔

صلح حدیبیہ کی ایک شرط

آپ نے سنا ہوگا کہ "صلح حدیبیہ" کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ سے ایک صلح نامہ لکھا تھا، اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ جائے گا تو مسلمانوں پر اس شخص کو واپس کرنا واجب ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آ جائے گا تو مکہ والوں پر یہ واجب نہیں ہوگا کہ اس کو واپس کریں۔ یہ ایک امتیازی قسم کی شرط تھی جو مشرکین مکہ نے رکھی تھی، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مصلحت کے لحاظ سے اس شرط کو بھی قبول کر لیا تھا، اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ انشاء اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ سے تو کوئی شخص مرتد ہو کر

مکہ مکرمہ نہیں جائے گا، اس وجہ سے آپ نے یہ شرط قبول کر لی تھی، لیکن یہ شرط کہ اگر کوئی شخص ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے گا تو اس کو واپس مکہ مکرمہ بھیجا جائے گا، یہ شرط بھی مصلحتاً آپ نے قبول فرمائی تھی۔

حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی التجاء

ابھی صلح نامہ لکھا جا رہا تھا، اور ابھی بات چیت ہو رہی تھی کہ اس دوران حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک صحابی تھے، اور مکہ مکرمہ میں مسلمان ہو گئے تھے، اور ان کا باپ کافر تھا، اس نے ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں، اور روزانہ ان کو مارتا تھا، یہ بیچارے روزانہ اسلام کی خاطر اپنے باپ کے ظلم وستم کا سامنا کرتے تھے، جب ان کو پتہ چلا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر آئے ہوئے ہیں۔ اور وہاں ان کا لشکر ٹھہرا ہوا ہے تو وہ کسی طرح ان بیڑیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حدیبیہ پہنچ گئے، اب آپ اندازہ لگائیں کہ وہ کس طرح وہاں پہنچے ہوں گے جبکہ ''حدیبیہ'' کا مقام مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔ وہ کس مشقت اور تکلیف کے ساتھ پاؤں میں بیڑیاں ہونے کے باوجود وہاں پہنچے ہوں گے۔ اور آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری زندگی اجیرن ہو چکی ہے، باپ نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی ہوئی ہیں، وہ صبح شام مجھے مارتا ہے، خدا کے لئے مجھے اس ظلم سے بچایئے، میں آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں۔

ابو جندل کو واپس کرنا ہو گا

وہ شخص جس کے ساتھ معاہدہ ہو رہا تھا، وہ اس وقت وہاں موجود تھا، اس شخص سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص بہت ستم رسیدہ ہے، کم از کم اس کی اجازت دیدو کہ میں اس شخص کو اپنے پاس رکھ لوں۔ اس شخص نے کہا کہ اگر آپ اس کو اپنے پاس رکھیں گے تو آپ سب سے پہلے غداری کے مرتکب ہوں گے، کیونکہ آپ نے عہد کر لیا ہے کہ جو شخص بھی مکہ مکرمہ سے آپ کے پاس آئے گا آپ اس کو واپس کریں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص مظلوم ہے، اس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی

ہیں، اور ابھی معاہدہ مکمل بھی نہیں ہوا ہے، اس پر ابھی دستخط ہونا باقی ہے۔ اس لئے اس شخص کو تم چھوڑ دو۔ اس شخص نے کہا کہ میں کسی قیمت پر اس شخص کو نہیں چھوڑوں گا، اس کو واپس بھیجنا ہوگا، اب اس وقت صحابہ کرام کے جوش وخروش کا ایک عجیب عالم تھا کہ ایک شخص مسلمان ہے، کافروں کے ہاتھوں ظلم وستم کی چکی میں پس رہا ہے، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر پناہ چاہتا ہے۔ لیکن اس کو پناہ نہیں ملتی۔

میں معاہدہ کر چکا ہوں

چونکہ معاہدہ ہو چکا تھا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے ابوجندل! میں نے تمہیں اپنے پاس رکھنے کی بہت کوشش کی، لیکن میں معاہدہ کر چکا ہوں، اور اس معاہدے کی وجہ سے مجبور ہوں، اور میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے کہ تمہیں واپس بھیجوں۔ انہوں نے فرمایا: یارسول اللہ آپ مجھے درندوں کے پاس واپس بھیجیں گے؟ جو صبح شام میرے ساتھ درندگی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مجبور ہوں، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی راستہ نکالیں گے۔ میں چونکہ عہد کر چکا ہوں، اس عہد کی پابندی کرنی ضروری ہے۔

عہد کی پابندی کی مثال

آپ اندازہ لگایئے، اس سے زیادہ عہد کی پابندی کی کوئی مثال شاید دنیا نہ پیش کر سکے کہ ایسے ستم رسیدہ شخص کو واپس کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی رہائی کے لئے اور اسباب پیدا کر دیئے، جس کا لمبا واقعہ ہے۔ بہرحال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے ساتھ بھی عہد کی کس قدر پابندی فرمائی۔ لہٰذا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ جس کے ساتھ ہم نے عہد کیا ہے وہ کافر ہے، یا فاسق ہے، یا بدعنوان ہے، یا رشوت خور ہے، جب عہد کر لیا تو اب اس کی پابندی ضروری ہے۔ ہاں، یہ ضروری ہے کہ ایسے رشوت خور کرپٹ حکام کو ہٹا کر ان کی جگہ دوسرے عادل حکمران لانے کی کوشش اپنی جگہ لازم اور ضروری ہے، لیکن جہاں تک عہد کا

تعلق ہے، اگر ان حکام کے ساتھ کوئی عہد کیا ہے تو اس عہد کی پابندی ضروری ہے۔

جیسے اعمال ویسے حکمران

یاد رکھیے: ہم ہر وقت یہ جو حکومت کا رونا روتے رہتے ہیں، اس بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن لیں۔ کاش کہ ہماری سمجھ میں آ جائے، اور ہمارے دل میں اتر جائے۔ آپ نے فرمایا: "اِنَّمَا اَعمَالُکم عُمَّالُکُم"

یعنی تمہارے حکمران تمہارے اعمال کا عکس ہیں۔ اگر تمہارے اعمال درست ہوں گے تو تمہارے حکمران بھی درست ہوں گے، اگر تمہارے اعمال خراب ہوں گے تو تمہارے حکام بھی خراب ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے۔ لہٰذا اگر ہم اپنے معاملات، اپنی عبادات، اپنی معاشرت، اپنے اخلاق کو دین کے مطابق کر لیں تو میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ کرپٹ اور بدعنوان اور خطا کار حکمران جو ہم پر مسلط ہو رہے ہیں، انشاء اللہ ثم انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی جگہ عادل حکمران عطا فرمائیں گے۔ لیکن پہلے ہم اپنے حصے کا کام کریں اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگیں، اللہ تعالیٰ ضرور فضل فرمائیں گے۔

(وعظ عہد اور وعدہ کا وسیع مفہوم از اصلاحی خطبات ج ۹)

وعدہ خلافی کی مروّجہ صورتیں

قرآن وحدیث میں عہد

''عہد کا لحاظ'' رکھنا، یعنی مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ جو عہد کر لیتا ہے یا جو وعدہ کر لیتا ہے وہ اس کا پورا پاس کرتا ہے، پورا لحاظ کرتا ہے، اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ''وعدہ'' اور ''عہد'' کی پاسداری کا حکم دیا ہے، ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَوْفُوا بِالعَهدِ اِنَّ العَهدَ كَانَ مَسؤُلاً. (بنی اسرائیل:۳۴)

یعنی جو عہد کر واس کو پورا کرو، کیونکہ اس عہد کے بارے میں تم سے آخرت میں سوال ہوگا۔ کہ تم نے فلاں وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کیا یا نہیں کیا؟ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" يٰاَيُّهَا الَّذِينَ افوا بِالعُقُودِ " (المائدہ:۱)

اے ایمان والو! تم آپس میں کسی کے ساتھ عہد و پیمان باندھ لو تو اس کو پورا کرو۔ بہر حال، قرآن کریم میں جگہ جگہ اس کی تاکید آئی ہے، اور یہ بھی مسلمان کے مسلمان ہونے کی علامت قرار دی گئی کہ مسلمان کبھی عہد شکنی نہیں کرتا، جو وعدہ کرتا ہے اس کو پورا کرتا ہے۔ اور وعدہ کو پورا نہ کرنا یہ منافق کی علامت قرار دی گئی ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: آيةُ المُنافِقِ ثَلاثٌ

" اذا حدث كذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان "

منافق کی تین علامتیں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدے کی خلاف ورزی کرے، اور جب اسکے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (بخاری)

وعدہ کرنے سے پہلے سوچ لو

اس سے معلوم ہوا کہ ان تینوں میں سے کوئی کام بھی مؤمن کا کام نہیں، مسلمان کا

کام نہیں کہ وہ جھوٹ بولے، یا وعدہ خلافی کرے، یا امانت میں خیانت کرے۔ آدمی وعدہ کرنے سے پہلے سو مرتبہ سوچ لے کہ میں اس وعدے کو پورا کر سکوں گا یا نہیں، وعدہ کرنے میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن جب سوچ سمجھ کر مشورہ کر کے تمام نتائج کو سامنے رکھنے کے بعد جب ایک وعدہ کر لیا تو اب مسلمان کا کام یہ ہے کہ اس وعدے پر قائم رہے۔ صرف ایک صورت ہے جو شریعت نے جائز قرار دی ہے، وہ یہ ہے کہ کسی کام کے کرنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن کوئی حقیقی عذر پیش آ گیا، اور عذر کی حالت کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمائی ہے، اس صورت میں دوسرے آدمی کو بتا دے کہ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا، لیکن مجھے کچھ عذر پیش آ گیا ہے، جس کی وجہ سے میں یہ وعدہ پورا کرنے سے قاصر ہوں۔

عذر کی صورت میں اطلاع دے

مثلاً فرض کریں کہ آپ نے کسی سے وعدہ کر لیا کہ میں کل تمہارے گھر آؤں گا، اور ارادہ بھی تھا کہ کل اس کے گھر جائیں گے، لیکن بعد میں تم بیمار ہو گئے، یا گھر میں کوئی اور بیمار ہو گیا، اور اس کی دیکھ بھال کے لئے اس کے پاس رہنا ضروری ہے، اور جانا ممکن نہیں ہے، تو یہ ایک عذر ہے اور عذر کی صورت میں اگر کوئی شخص وعدہ پورا نہ کرے تو شریعت میں اس کی گنجائش ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتے ہیں۔ البتہ اس صورت میں حتی الامکان اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ سامنے والے کو ایسے وقت میں بتا دیا جائے کہ وہ کسی الجھن اور پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔ بہر حال، وعدہ پورا کرنا ایمان کی علامت ہے، اور وعدے کی خلاف ورزی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاق کی علامت قرار دی ہے۔

ایک صحابی کا واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک صحابی کسی بچے کو اپنے پاس بلانا چاہتے تھے، اور وہ بچہ ان کے پاس نہیں آ رہا تھا، اور آنے سے انکار کر رہا تھا ان صحابی نے اس بچے کو ترغیب دینے کے لئے یہ کہہ دیا کہ آؤ بیٹا ہمارے پاس آ جاؤ، ہم تمہیں ایک چیز دیں گے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے یہ

الفاظ سنے ''کہ ہم تمہیں ایک چیز دیں گے'' تو آپ نے ان صحابی سے پوچھا کہ یہ بتاؤ تمہارا واقعی اس بچے کو چیز دینے کا ارادہ تھا یا ویسے ہی بہلانے کے لئے آپ نے اس سے یہ کہہ دیا تھا؟ ان صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس ایک کھجور تھی، اور میرا ارادہ تھا کہ جب وہ آئے گا تو اس کو کھجور دیدوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر واقعی تمہارا کھجور دینے کا ارادہ تھا، تب تو ٹھیک ہے، لیکن اگر تمہارا دل میں اس کو کچھ دینے کا ارادہ نہیں تھا، بلکہ محض اس کو اپنے پاس بلانے کے لئے اس کو یہ کہہ دیا کہ ہم تمہیں ایک چیز دیں گے تو یہ تمہاری طرف سے وعدہ خلافی ہوگی۔

بچے کے ساتھ وعدہ کر کے پورا کریں

اور بچے کے ساتھ وعدہ خلافی کرنے میں دوہرا نقصان ہے، ایک نقصان تو وعدہ خلاف کے گناہ کا ہے، اور دوسرا نقصان یہ ہے کہ پہلے دن سے ہی بچے کے ذہن میں آپ یہ بات ڈال رہے ہیں کہ وعدہ کر کے مکر جانا کوئی خرابی کی بات نہیں، بچہ کا ذہن ایسا صاف ہوتا ہے جیسے سادہ پتھر، اس پر جو چیز نقش کر دی جائے تو ہمیشہ کے لئے وہ چیز نقش ہو جاتی ہے۔ گویا کہ پہلے دن سے آپ نے وعدہ خلافی کا بیج بچے کے ذہن میں بو دیا، اب اگر وہ بچہ آئندہ کبھی بھی وعدہ خلافی کرے گا تو اس وعدہ خلافیوں کے گناہ میں آپ بھی حصہ دار ہوں گے، اس لئے کہ آپ نے اپنے طرز عمل سے اس کو وعدہ خلاف بنایا، اس لئے بچے کے ساتھ خاص طور پر اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ یا تو بچہ سے وعدہ کرو نہیں، اگر وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو، تاکہ بچے کو یہ احساس ہو کہ جب کوئی وعدہ کیا جاتا ہے تو اس کو پورا کیا جاتا ہے۔

بچے کے اخلاق بگاڑنے میں آپ مجرم ہیں

ہمارے معاشرے میں اس معاملے کے اندر غفلت اور بے احتیاطی بہت عام ہے، کہ بچے کو تعلیم دلانے کے لئے اچھے سے اچھے اسکول میں داخل کر دیا، لیکن گھر کا ماحول ایسا بنایا ہوا ہے جس سے اس بچے کا مزاج و مذاق اس کے اخلاق و کردار خراب ہو رہے ہیں۔ مثلاً آپ گھر سے باہر کہیں جا رہے ہیں، اور بچہ ضد کر رہا ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔

اب آپ نے اس بچے سے جان چھڑانے کی خاطر کوئی وعدہ کرلیا کہ میں تمہارے لئے ایک چیز لے کر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ چلے گئے، آپ نے اس بچے کو بہلا تو دیا، لیکن جو وعدہ آپ نے اس بچے کے ساتھ کیا تھا، وہ پورا نہیں کیا تو ایک طرف تو آپ وعدہ خلافی کے مجرم بنے، دوسرے یہ کہ اس بچے کی تربیت خراب کرنے کے مجرم بنے، اس بچے کا ذہن پہلے دن سے آپ نے خراب کر دیا۔ لہٰذا بچے کے ساتھ معاملات کرنے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے۔

بچوں کے ذریعے جھوٹ بلوانا

ہمارے معاشرے میں یہ بات بھی بکثرت عام ہے کہ ایک شخص آپ کے گھر پر آپ سے ملنے کے لئے آیا، یا کسی کا فون آیا، اور بچے نے آ کر آپ کو اطلاع دی کہ فلاں صاحب آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں، یا فلاں صاحب آپ سے فون پر بات کرنا چاہتے ہیں۔ اب آپ کا ان صاحب سے بات کرنے کو اور ملنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے، اس لئے آپ نے بچے سے کہہ دیا کہ جاؤ ان سے کہہ دو کہ ابو گھر پر نہیں ہیں۔ اب بچہ تو یہ دیکھ رہا ہے کہ ابا جان گھر پر موجود ہیں، لیکن میرے ابا گھر پر موجود ہونے کے باوجود مجھ سے کہلوا رہے ہیں کہ جا کر جھوٹ بول دو کہ گھر پر موجود نہیں ہیں، تو آج جب آپ اس سے جھوٹ بلوائیں گے تو کل جب وہ جھوٹ بولے گا تو کس منہ سے آپ اس کو جھوٹ بولنے سے روکیں گے۔ اس لئے کہ آپ نے تو خود اس کو جھوٹ بولنے کا عادی بنا دیا، اپنے ذرا سے مفاد کی خاطر جھوٹ کی سنگینی اس بچے کے دماغ سے مٹا دی تو اب اگر وہ بچہ جھوٹ بولے گا، اور اس بچے کو جھوٹ کی عادت پڑ جائے گی تو اس گناہ میں آپ بھی برابر کے شریک ہوں گے، اور آپ نے اس بچے کی زندگی تباہ کر دی۔ اس لئے کہ جو آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہوتا ہے تو دنیا میں کہیں بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا، اس پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ اس لئے بچوں کے ساتھ معاملات کرنے میں خاص طور پر بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ بچوں کو سچائی سکھائی جائے، ان کو امانت داری سکھائی جائے، ان کو وعدے کی پابندی سکھائی جائے۔

حضور کا تین دن انتظار کرنا

روایات میں ایک واقعہ آتا ہے، جو نبوت کے عطا ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی شخص کے ساتھ معاملہ ہوا، اور آپس میں یہ طے ہوا کہ فلاں جگہ پر کل کو آپس میں ملاقات کریں گے۔ دن، جگہ اور وقت سب طے ہو گیا۔ جب وقت مقررہ آیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ پر پہنچ گئے، اب آپ وہاں جا کر کھڑے ہو گئے، مگر وہ شخص جس سے وعدہ کیا ہوا تھا، وہ اس جگہ نہیں آیا، انتظار کرتے ہوئے کئی گھنٹے گزر گئے، مگر وہ شخص نہیں آیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کھڑے رہے، روایات میں آتا ہے کہ تین دن تک متواتر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا انتظار کیا، صرف ضرورت کے لئے گھر جاتے، پھر واپس اس جگہ آ جاتے۔ تین دن بعد جب وہ صاحب آئے تو آپ نے صرف اتنا کہا کہ تم نے وعدے پر نہ آ کر مجھے تکلیف پہنچائی۔ تو صرف وعدے کو پورا کرنے کے لئے کہ کہیں اس وعدے کی خلاف ورزی نہ ہو جائے، تین دن تک متواتر آپ نے وہاں انتظار فرمایا۔

حضرت حذیفہ کا ابوجہل سے وعدہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ایسے وعدوں کو نبھایا کہ۔ اللہ اکبر آج اس کی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدار ہیں۔ جب یہ اور ان کے والد یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے، تو مسلمان ہونے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ آ رہے تھے۔ راستے میں ان کی ملاقات ابوجہل اور اس کے لشکر سے ہو گئی۔ اس وقت ابوجہل اپنے لشکر کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کیلئے جا رہا تھا، جب حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ابوجہل سے ہوئی تو اس نے پکڑ لیا اور پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ جا رہے ہیں، ابوجہل نے کہا کہ پھر تو ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے، اس لئے کہ تم مدینہ جا کر ہمارے خلاف جنگ میں حصہ لو گے، انہوں نے کہا کہ ہمارا مقصد تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور زیارت ہے۔ ہم جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔ ابوجہل نے کہا کہ

اچھا ہم سے وعدہ کرو کہ وہاں جا کر صرف ملاقات کرو گے، لیکن جنگ میں حصہ نہیں لو گے، انہوں نے وعدہ کرلیا۔ چنانچہ ابوجہل نے آپ کو چھوڑ دیا، آپ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ غزوہ بدر کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہو چکے تھے، اور راستے میں ملاقات ہوگئی۔

حق اور باطل کا پہلا معرکہ ''غزوہ بدر''

اب اندازہ لگایئے کہ اسلام کا پہلا حق و باطل کا معرکہ (غزوہ بدر) ہو رہا ہے۔ اور یہ وہ معرکہ ہے جس کو قرآن کریم نے ''یوم الفرقان'' فرمایا، یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دینے والا معرکہ، وہ معرکہ ہو رہا ہے جس میں جو شخص شامل ہو گیا۔ وہ ''بدری'' کہلایا، اور صحابہ کرام میں ''بدری'' صحابہ کا بہت اونچا مقام ہے۔ اور ''اسمائے بدریین'' بطور وظیفے کے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے نام پڑھنے سے اللہ تعالیٰ دعائیں قبول فرماتے ہیں۔ وہ ''بدریین'' جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشن گوئی فرمادی کہ اللہ تعالیٰ نے سارے اہل بدر، جنہوں نے بدر کی لڑائی میں حصہ لیا۔ بخشش فرمادی، ایسا معرکہ ہونے والا ہے۔

گردن پر تلوار رکھ کر لیا جانے والا وعدہ

بہر حال: جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا قصہ سنا دیا کہ اس طرح راستے میں ہمیں ابوجہل نے پکڑ لیا تھا۔ اور ہم نے وعدہ کر کے بمشکل جان چھڑائی کہ ہم لڑائی میں حصہ نہیں لیں گے، اور پھر درخواست کی کہ یا رسول اللہ! یہ بدر کا معرکہ ہونے والا ہے، آپ اس میں تشریف لے جارہے ہیں۔ ہماری بڑی خواہش ہے کہ ہم بھی اس میں شریک ہو جائیں، اور جہاں تک اس وعدے کا تعلق ہے، وہ تو انہوں نے ہماری گردن پر تلوار رکھ کر ہم سے وعدہ لیا تھا کہ ہم جنگ میں حصہ نہیں لیں گے، اور اگر ہم وعدہ نہ کرتے تو وہ ہمیں نہ چھوڑتے، اس لئے ہم نے وعدہ کر

لیا، لیکن آپ ہمیں اجازت دیدیں۔ کہ ہم اس جنگ میں حصہ لے لیں، اور فضیلت اور سعادت ہمیں حاصل ہو جائے۔ (الاصابۃ)

تم وعدہ کر کے زبان دے کر آئے ہو

لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ نہیں، تم وعدہ کر کے آئے ہو، اور زبان دے کر آئے ہو، اور اسی شرط پر تمہیں رہا کیا گیا ہے کہ تم وہاں جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرو گے، لیکن ان کے ساتھ جنگ میں حصہ نہیں لو گے، اس لئے میں تم کو جنگ میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دیتا۔

یہ وہ مواقع ہیں جہاں انسان کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان اور اپنے وعدے کا کتنا پاس کرتا ہے۔ اگر ہم جیسا آدمی ہوتا تو ہزار تاویلیں کر لیتا، مثلاً یہ تاویل کر لیتا کہ ان کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا۔ وہ سچے دل سے تو نہیں کیا تھا، وہ تو ہم سے زبردستی لیا گیا تھا۔ اور خدا جانے کیا کیا تاویلیں ہمارے ذہنوں میں آ جاتیں۔ یا یہ تاویل کر لیتا کہ یہ حالت عذر ہے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شامل ہونا ہے اور کفر کا مقابلہ کرنا ہے۔ جبکہ وہاں ایک ایک آدمی کی بڑی قیمت ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے لشکر میں صرف ۳۱۳ نہتے افراد ہیں۔ جن کے پاس صرف ۷۰ اونٹ دو گھوڑے، اور ۸ تلواریں ہیں۔ باقی افراد میں سے کسی نے لاٹھی اٹھالی ہے، کسی نے ڈنڈے اور کسی نے پتھر اٹھالیے ہیں، یہ لشکر ایک ہزار مسلح سورماؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے جا رہا ہے، اس لئے ایک ایک آدمی کی جان قیمتی ہے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بات کہہ دی گئی ہے، اور جو وعدہ کر لیا گیا ہے، اس وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

جہاد کا مقصد حق کی سر بلندی

یہ جہاد کوئی ملک حاصل کرنے کے لئے نہیں ہو رہا ہے، کوئی اقتدار حاصل کرنے کے لئے نہیں ہو رہا ہے، بلکہ یہ جہاد حق کی سر بلندی کے لئے ہو رہا ہے۔ اور حق کو پامال کر کے جہاد کیا جائے؟ گناہ کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کا کام کیا جائے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔

آج ہم لوگوں کی یہ ساری کوششیں بے کار جا رہی ہیں۔ اور ساری کوششیں بے اثر ہو رہی ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ گناہ کر کے اسلام کی تبلیغ کریں، گناہ کر کے اسلام کو نافذ کریں، ہمارے دل و دماغ پر ہر وقت ہزاروں تاویلیں مسلط رہتی ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت مصلحت کا یہ تقاضہ ہے، چلو، شریعت کے اس حکم کو نظر انداز کر دو، اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت مصلحت اس کام کے کرنے میں ہے۔ چلو، یہ کام کر لو۔

یہ ہے وعدہ کا ایفاء

لیکن وہاں تو ایک ہی مقصود تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا، نہ مال مقصود ہے، نہ فتح مقصود ہے، نہ بہادر کہلانا مقصود ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں، اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں ہے کہ جو وعدہ کر لیا جائے، اس کو نبھاؤ، چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دونوں کو غزوہ بدر جیسی فضیلت سے محروم رکھا گیا، اس لئے کہ یہ دونوں جنگ میں شرکت نہ کرنے پر زبان دے کر آئے تھے۔ یہ ہے وعدہ کا ایفاء۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اگر آج اس کی مثال تلاش کریں تو اس دنیا میں ایسی مثالیں کہاں ملیں گی؟ ہاں! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں ایسی مثالیں مل جائیں گی۔ انہوں نے یہ مثالیں قائم کیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ کرام میں سے ہیں جن کے بارے میں لوگوں نے معلوم نہیں کیا، کیا غلط قسم کے پروپیگنڈے کئے ہیں، اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین۔ لوگ ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ ان کا ایک قصہ سن لیجئے۔

فتح حاصل کرنے کے لئے جنگی تدبیر

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ شام میں تھے۔ اس لئے روم کی حکومت سے ان کی ہر وقت جنگ رہتی تھی۔ ان کے ساتھ برسر پیکار رہتے تھے۔ اور روم اس وقت کی سپر پاور سمجھی جاتی تھی، اور بڑی عظیم الشان عالمی طاقت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کرلیا، اور ایک تاریخ متعین کر لی کہ اس تاریخ تک ہم ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے، ابھی جنگ بندی کی مدت ختم نہیں ہوئی تھی کہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ جنگ بندی کی مدت تو درست ہے لیکن اس مدت کے اندر میں اپنی فوجیں رومیوں کی سرحد پر لیجا کر ڈال دوں، تاکہ جس وقت جنگ بندی کی مدت ختم ہو اس وقت میں فوراً حملہ کر دوں، اس لئے کہ دشمن کے ذہن میں تو یہ ہوگا کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگی۔ پھر کہیں جا کر لشکر روانہ ہوگا، اور یہاں آنے میں وقت لگے گا۔ اس لئے معاہدے کی مدت ختم ہوتے ہی فوراً مسلمانوں کا لشکر حملہ آور نہیں ہوگا، اس لئے وہ اس حملے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اگر میں اپنا لشکر سرحد پر ڈال دوں گا اور مدت ختم ہوتے ہی فوراً حملہ کر دوں گا تو جلدی فتح حاصل ہو جائے گی۔

یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوجیں سرحد پر ڈال دیں، اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندر ان کے علاقے میں ڈال دیا، اور حملے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور جیسے ہی جنگ بندی کے معاہدے کی آخری تاریخ کا سورج غروب ہوا، فوراً حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دیدیا، چنانچہ جب لشکر نے پیش قدمی کی تو یہ چال بڑی کامیاب ثابت ہوئی، اس لئے کہ وہ لوگ اس حملے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر شہر کے شہر، بستیاں کی بستیاں فتح کرتا ہوا چلا جارہا تھا، اب فتح کے نشے کے اندر پورا لشکر آگے بڑھتا جارہا تھا کہ اچانک دیکھا کہ پیچھے سے ایک گھوڑا سوار دوڑتا چلا آرہا ہے، اس کو دیکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے انتظار میں رک گئے کہ شاید یہ امیر المؤمنین کا کوئی نیا پیغام لے کر آیا ہو، جب وہ گھوڑا سوار قریب آیا تو اس نے آوازیں دینا شروع کر دیں: "اللہ اکبر، اللہ اکبر، قفوا عباد اللہ قفوا عباد اللہ"

اللہ کے بندو، ٹھہر جاؤ، اللہ کے بندو، ٹھہر جاؤ، جب وہ اور قریب آیا تو حضرت معاویہ نے دیکھا کہ وہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ: "وفاء لا غدر وفاء لا غدر"

مؤمن کا شیوہ وفاداری ہے، غداری نہیں، عہد شکنی نہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تو کوئی عہد شکنی نہیں کی ہے۔ میں نے تو اس وقت حملہ کیا ہے جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگئی تھی، حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ جنگ بندی کی مدت ختم ہوگئی تھی۔ لیکن آپ نے اپنی فوجیں جنگ بندی کے دوران ہی سرحد پر ڈال دیں۔ اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندر بھی داخل کر دیا تھا۔ اور یہ جنگ بندی کے معاہدے کی خلاف ورزی تھی، اور میں نے اپنے کانوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ: **من كان بينه وبين قوم عهد فلا يحلنه ولا يشدنه الى ان يمضى اجل له اوينبذ اليهم على سواء.** (ترمذی)

یعنی جب تمہارا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو تو اس وقت تک عہد نہ کھولے، اور نہ باندھے یہاں تک کہ اس کی مدت نہ گزر جائے۔ یا ان کے سامنے پہلے کھلم کھلا یہ اعلان کر دے کہ ہم نے وہ عہد ختم کر دیا، لہٰذا مدت گزرنے سے پہلے یا عہد کے ختم کرنے کا اعلان کئے بغیر ان کے علاقے کے پاس لیجا کر فوجوں کو ڈال دینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق آپ کے لئے جائز نہیں تھا۔

سارا مفتوحہ علاقہ واپس کر دیا

اب آپ اندازہ لگایئے کہ ایک فاتح لشکر ہے، جو دشمن کا علاقہ فتح کرتا ہوا جا رہا ہے، اور بہت بڑا علاقہ فتح کر چکا ہے، اور فتح کے نشے میں چور ہے۔ لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کان میں پڑا کہ اپنے عہد کی پابندی مسلمان کے ذمے لازم ہے۔ اسی وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیدیا کہ جتنا علاقہ فتح کیا ہے۔ وہ سب واپس کر دو، چنانچہ پورا علاقہ واپس کر دیا، اور اپنی سرحد میں دوبارہ واپس آ گئے۔ پوری دنیا کی تاریخ میں کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی کہ اس نے صرف عہد شکنی کی بنا پر اپنا مفتوحہ علاقہ اس طرح واپس کر دیا ہو۔ لیکن یہاں پر چونکہ کوئی زمین کا حصہ حاصل کرنا پیش نظر نہیں تھا۔ کوئی اقتدار اور سلطنت مقصود نہیں تھی۔ بلکہ مقصود اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تھا، اس لئے جب اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم ہوگیا کہ وعدہ کی خلاف ورزی درست نہیں ہے، اور چونکہ یہاں وعدہ کی

خلاف ورزی کا تھوڑا سا شائبہ پیدا ہو رہا تھا۔ اس لئے واپس لوٹ گئے۔ یہ ہے وعدہ، کہ جب زبان سے بات نکل گئی، تو اب اس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

حضرت فاروق اعظم اور معاہدہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو اس وقت وہاں پر جو عیسائی اور یہودی تھے، ان سے یہ معاہدہ ہوا کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے، تمہاری جان و مال کی حفاظت کریں گے، اور اس کے معاوضے میں تم ہمیں جزیہ ادا کرو گے۔ ''جزیۃ'' ایک ٹیکس ہوتا ہے، جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب معاہدہ ہو گیا تو وہ لوگ ہر سال جزیہ ادا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مسلمانوں کا دوسرے دشمنوں کے ساتھ معرکہ پیش آ گیا، جس کے نتیجے میں وہ فوج جو بیت المقدس میں متعین تھی ان کی ضرورت پیش آئی۔ کسی نے یہ مشورہ دیا کہ اگر فوج کی کمی ہے تو بیت المقدس میں فوجیں بہت زیادہ ہیں اس لئے وہاں سے ان کو محاذ پر بھیج دیا جائے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ یہ مشورہ اور تجویز تو بہت اچھی ہے اور فوجیں وہاں سے اٹھا کر محاذ پر بھیج دو، لیکن اس کے ساتھ ایک کام اور بھی کرو۔ وہ یہ کہ بیت المقدس کے جتنے عیسائی اور یہودی ہیں۔ ان سب کو ایک جگہ جمع کرو، اور ان سے کہو کہ ہم نے آپ کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، اور یہ معاہدہ کیا تھا کہ آپ کی جان و مال کی حفاظت کریں گے، اور اس کام کے لئے ہم نے وہاں فوج ڈالی ہوئی تھی۔ لیکن اب ہمیں دوسری جگہ فوج کی ضرورت پیش آ گئی ہے، اس لئے ہم آپ کی حفاظت نہیں کر سکتے لہٰذا اس سال آپ نے ہمیں جو جزیہ بطور ٹیکس کے ادا کیا ہے، وہ ہم آپ کو واپس کر رہے ہیں، اور اس کے بعد ہم اپنی فوجوں کو یہاں سے لے جائیں گے۔ اور اب آپ اپنی حفاظت کا انتظام خود کریں۔ یہ مثالیں ہیں، اور میں کسی تردید کے خوف کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی کہ کسی نے اپنے مخالف مذہب والوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا ہو۔ بہر حال، مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ عہد اور وعدے کی پابندی کرے۔ (وعظ وعدہ خلافی کی مروجہ صورتیں از اصلاحی خطبات ج ۳)

بیوی سب سے بڑی مصلح ہے

(ارشاد حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئیؒ عارفی رحمہ اللہ)

فرمایا: معاملات کا معاملہ بڑا کٹھن ہے۔ سارا غصہ گھر کے ناتوانوں پر آتا ہے۔ یہ کیوں کر دیا اور یہ کیا ہو گیا۔ اگر وہ بھی تیز ہو تو کیا کہنا۔ سب سے زیادہ اصلاح جو اگر کوئی ہے تو بیوی ہے، جو عقل درست کر دیتی ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ کی بیوی صاحبہ بہت تیز زبان تھیں۔ آپ نے ایک مرید پٹھان کو سودا لانے پر مقرر کر دیا تھا۔ وہ بار بار واپس کراتی تھیں۔ اور ڈانٹتی بھی تھیں۔ ایک دن انہوں نے کہا کہ نہ تیرا شیخ سلیقے والا ہے۔ اور نہ تو۔ نالائق کہیں کا۔ پٹھان نے کہا دیکھو میرے شیخ کو کچھ نہ کہنا۔ مجھے جو چاہو کہو۔ پٹھان نے آکر حضرت شیخ سے شکایت کی اور کہا کہ اس طرح سے انہوں نے مجھ کو اور آپ کو کہا اور میں نے اس طرح سے ان کو جواب میں کہہ دیا۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ ایسی بیوی کو طلاق دیدو۔ آپ نے کہا۔ انہی کی برکت سے تم مجھے بزرگ سمجھتے ہو۔ یہ سب مراتب انہی کی وجہ سے ملے ہیں۔ **تو** بھائی اگر تصدیق اور سند لینی ہے تو درسیات کی سند دارالعلوم سے لو، اور طریقت کی سند اپنی بیوی سے لو۔ کیونکہ یہ سب کچھ کچا چٹھا جانتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں:

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ!

تمہاری ساری شریعت۔ سارا علم۔ سارا تقویٰ۔ ارے مجھ سے پوچھو میں جانتی ہوں۔ تم بڑے پاک طینت بڑے صاف باطن آپ کو کچھ ہم ہی جانتے ہیں۔

جھوٹ اور اس کی مروجہ صورتیں

معاشرہ میں رائج جھوٹ اور اس کی صورتیں بحث
مباحثہ، ناپ تول اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی
کے بارہ میں اسلامی احکام و آداب

جھوٹ اور اس کی مروّجہ صورتیں

منافق کی تین علامتیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں، جو منافق ہونے کی نشانی ہیں۔ یعنی کسی مسلمان کا کام نہیں ہے کہ وہ یہ کام کرے، اگر کسی انسان میں یہ باتیں پائی جائیں تو سمجھ لو کہ وہ منافق ہے۔ وہ تین باتیں یہ ہیں کہ جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ اور جب وعدہ کرے، تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے تو وہ خیانت کرے۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ چاہے وہ نماز بھی پڑھتا ہو، اور روزے بھی رکھتا ہو اور چاہے وہ دعویٰ کرتا ہو کہ وہ مسلمان ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں، اس لئے کہ مسلمان ہونے کی جو بنیادی صفات ہیں، وہ ان کو چھوڑے ہوئے ہے۔

اسلام ایک وسیع مذہب ہے

خدا جانے یہ بات ہمارے ذہنوں میں کہاں سے بیٹھ گئی ہے، اور ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دین بس! نماز روزے کا نام ہے، نماز پڑھ لی، روزہ رکھ لیا، اور نماز روزے کا اہتمام کرلیا، بس مسلمان ہو گئے، اب مزید ہم سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں ہے، چنانچہ جب بازار گئے تو اب وہاں جھوٹ فریب اور دھوکے سے مال حاصل ہو رہا ہے، حرام اور حلال ایک ہو رہے ہیں، اس کی کوئی فکر نہیں، زبان کا بھروسہ نہیں، امانت میں خیانت ہے۔ وعدہ کا پاس نہیں۔ لہٰذا اسلام کے بارے میں یہ تصور کہ یہ بس نماز روزہ کا نام ہے۔ یہ بڑا خطرناک اور غلط تصور ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ ایسا شخص چاہے نماز بھی پڑھ رہا ہو، اور روزے بھی رکھ رہا ہو، لیکن وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں، چاہے اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگاؤ، اس لئے کہ کفر کا فتویٰ لگانا بڑی سنگین چیز ہے، اور فتویٰ کے اعتبار سے اس کو کافر نہ قرار دو، دائرہ اسلام سے

اس کو خارج نہ کرو لیکن ایسا شخص سارے کام کافروں جیسے اور منافق جیسے کر رہا ہے۔

فرمایا کہ تین چیزیں منافق کی علامت ہیں، نمبر ایک جھوٹ بولنا، دوسرے وعدہ خلافی کرنا، تیسرے امانت میں خیانت کرنا، ان تینوں کی تھوڑی سی تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں، اس لئے کہ عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں ان تینوں کا تصور بہت محدود ہے، حالانکہ ان تینوں کا مفہوم بہت وسیع اور عام ہے۔ اس لئے ان کی تھوڑی سی تفصیل کرنے کی ضرورت ہے۔

زمانہ جاہلیت اور جھوٹ

چنانچہ فرمایا کہ سب سے پہلی چیز جھوٹ بولنا۔ یہ جھوٹ بولنا حرام ہے ایسا حرام ہے کہ کوئی ملت، کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں جھوٹ بولنا حرام نہ ہو، یہاں تک کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بھی جھوٹ بولنے کو برا سمجھتے تھے، واقعہ یاد آیا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے بادشاہ کی طرف اسلام کی دعوت کے لئے خط بھیجا تو خط پڑھنے کے بعد اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ ہمارے ملک میں اگر ایسے لوگ موجود ہوں، جو ان (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) سے واقف ہوں تو ان کو میرے پاس بھیج دو، تاکہ میں ان سے حالات معلومات کروں کہ وہ کیسے ہیں، اتفاق سے اسی وقت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ایک تجارتی قافلہ لے کر وہاں گئے ہوئے تھے، چنانچہ لوگ ان کو بادشاہ کے پاس لے آئے، یہ بادشاہ کے پاس پہنچے تو بادشاہ نے ان سے سوالات کرنا شروع کئے پہلا سوال یہ کیا کہ یہ بتاؤ کہ یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں؟ وہ کیسا خاندان ہے؟ اس کی شہرت کیسی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ خاندان تو بڑے اعلیٰ درجے کا ہے، اعلیٰ درجے کے خاندان میں وہ پیدا ہوئے۔ اور سارا عرب اس خاندان کی شرافت کا قائل ہے۔ اس بادشاہ نے تصدیق کرتے ہوئے کہا بالکل ٹھیک ہے، جو اللہ کے نبی ہوتے ہیں، وہ اعلیٰ خاندان سے ہوتے ہیں پھر دوسرا سوال بادشاہ نے یہ کیا کہ ان کی پیروی کرنے والے معمولی درجے کے لوگ ہیں یا بڑے بڑے رؤسا ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ان کے متبعین کی اکثریت کم درجے کے معمولی قسم کے لوگ

ہیں، بادشاہ نے تصدیق کی نبی کے متبعین ابتداءً ضعیف اور کمزور قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ پھر سوال کیا کہ تمہاری ان کے ساتھ جب جنگ ہوتی ہے تو تم جیت جاتے ہو یا وہ جیت جاتے ہیں؟ اس وقت تک چونکہ صرف دو جنگیں ہوئی تھیں۔ ایک جنگ بدر، اور ایک احد، اور غزوہ احد میں چونکہ مسلمانوں کو تھوڑی سی شکست ہوئی تھی۔ اس لئے انہوں نے اس موقع پر جواب دیا کہ کبھی ہم غالب آ جاتے ہیں اور کبھی وہ غالب آ جاتے ہیں۔

جھوٹ نہیں بول سکتا تھا

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے کے بعد فرماتے تھے کہ اس وقت تو میں کافر تھا۔ اس لئے اس فکر میں تھا کہ میں کوئی ایسا جملہ کہہ دوں جس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تاثر قائم ہو، لیکن اس بادشاہ نے جتنے سوالات کئے، ان کے جواب میں اس قسم کی کوئی بات کہنے کا موقع نہیں ملا، اس لئے کہ جو سوال وہ کر رہا تھا۔ اس کا جواب تو مجھے دینا تھا۔ اور جھوٹ بول نہیں سکتا تھا۔ اس لئے میں جتنے جوابات دے رہا تھا۔ وہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جا رہے تھے۔ بہر حال! جاہلیت کے لوگ جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے وہ بھی جھوٹ بولنے کو گوارہ نہیں کرتے تھے، چہ جائیکہ مسلمان اسلام لانے کے بعد جھوٹ بولے؟ (صحیح بخاری)

جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ

افسوس کہ اب اس جھوٹ میں عام ابتلاء ہے یہاں تک کہ جو لوگ حرام وحلال اور جائز ناجائز کا اور شریعت پر چلنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان میں بھی یہ بات نظر آتی ہے کہ انہوں نے بھی جھوٹ کی بہت سی قسموں کو جھوٹ سے خارج سمجھ رکھا ہے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ گویا یہ جھوٹ ہی نہیں ہے، حالانکہ جھوٹا کام کر رہے ہیں۔ غلط بیانی کر رہے ہیں، اور اس میں دوہرا جرم ہے۔ ایک جھوٹ بولنے کا جرم، اور دوسرے اس گناہ کو گناہ نہ سمجھنے کا جرم، چنانچہ ایک صاحب جو بڑے نیک تھے، نماز روزے کے پابند، اذکار و اشغال کے پابند، بزرگوں سے تعلق رکھنے والے، پاکستان سے باہر قیام تھا۔ ایک مرتبہ جب پاکستان آئے تو میرے پاس

بھی ملاقات کے لئے آ گئے، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ واپس کب تشریف لے جا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں ابھی آٹھ دس روز اور ٹھہروں گا، میری چھٹیاں تو ختم ہوگئیں۔ البتہ کل ہی میں نے مزید چھٹی لینے کے لئے ایک میڈیکل سرٹیفکیٹ بھجوادیا ہے۔

کیا دین نماز روزے کا نام ہے؟

انہوں نے میڈیکل سرٹیفکیٹ بھجوانے کا ذکر اس انداز سے کیا کہ جس طرح یہ ایک معمول کی بات ہے، اس میں کوئی پریشانی کی بات ہی نہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ میڈیکل سرٹیفکیٹ کیسا؟ انہوں نے جواب دیا کہ مزید چھٹی لینے کے لئے بھیج دیا ہے، ویسے اگر چھٹی لیتا تو چھٹی نہ ملتی، اس کے ذریعہ چھٹیاں مل جائیں گی، میں نے پھر سوال کیا کہ آپ نے اس میڈیکل سرٹیفکیٹ میں کیا لکھا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں یہ لکھا تھا کہ یہ اتنے بیمار ہیں کہ سفر کے لائق نہیں، میں نے کہا کہ کیا دین صرف نماز روزے کا نام ہے؟ ذکر شغل کا نام ہے؟ آپ کا بزرگوں سے تعلق ہے، پھر یہ میڈیکل سرٹیفکیٹ کیسا جارہا ہے؟ چونکہ نیک آدمی تھے۔ اس لئے انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں نے آج پہلی مرتبہ آپ کے منہ سے یہ بات سنی کہ یہ بھی کوئی غلط کام ہے، میں نے کہا کہ جھوٹ بولنا اور کس کو کہتے ہیں؟ انہوں نے پوچھا کہ مزید چھٹی کس طرح لیں؟ میں نے کہا کہ جتنی چھٹیوں کا استحقاق ہے، اتنی چھٹی لو، مزید چھٹی لینی ضروری ہو تو بغیر تنخواہ کے لے لو، لیکن یہ جھوٹا سرٹیفکیٹ بھیجنے کا جواز تو پیدا نہیں ہوتا۔

آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوانا جھوٹ میں داخل ہی نہیں ہے، اور دین صرف ذکر و شغل کا نام رکھ دیا۔ باقی زندگی کے میدان میں جا کر جھوٹ بول رہا ہو تو اس کا کوئی خیال نہیں۔

جھوٹی سفارش

ایک اچھے خاصے پڑھے لکھے نیک اور سمجھدار بزرگ کا میرے پاس سفارشی خط آیا، اس وقت میں جدہ میں تھا، اس خط میں یہ لکھا تھا کہ یہ صاحب جو آپ کے پاس آرہے ہیں

یہ انڈیا کے باشندے ہیں، اب یہ پاکستان جانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا آپ پاکستانی سفارت خانے سے ان کے لئے سفارش کردیں کہ ان کو ایک پاکستانی پاسپورٹ جاری کردیا جائے اس بنیاد پر کہ یہ پاکستانی باشندے ہیں، اور ان کا پاسپورٹ یہاں سعودی عرب میں گم ہوگیا ہے، اور خود انہوں نے پاکستانی سفارت خانے میں درخواست دے رکھی ہے کہ ان کا پاسپورٹ گم ہوگیا ہے۔ لہٰذا آپ ان کی سفارش کردیں۔

اب آپ بتایئے! وہاں عمرے ہورہے ہیں، حج بھی ہورہا ہے، طواف اور سعی بھی ہو رہی ہے، اور ساتھ میں یہ جھوٹ اور فریب بھی ہورہا ہے، گویا کہ یہ دین کا حصہ ہی نہیں ہے۔ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شاید لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جب قصد اور ارادہ کر کے باقاعدہ جھوٹ کو جھوٹ سمجھ کر بولا جائے تب جھوٹ ہوتا ہے، لیکن ڈاکٹر سے جھوٹا سرٹیفکیٹ بنوالینا، جھوٹی سفارش لکھوالینا۔ یا جھوٹے مقدمات دائر کردینا، یہ کوئی جھوٹ نہیں، حالانکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

ما يلفظ من قول الا لديه رقيب عتيد. (سورۃ ق:۱۸)

یعنی زبان سے جو لفظ نکل رہا ہے۔ وہ تمہارے نامہ اعمال میں ریکارڈ ہورہا ہے۔

بچوں کے ساتھ جھوٹ نہ بولو

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک خاتون ایک بچے کو بلا کر گود میں لینا چاہتی تھی، لیکن وہ بچہ قریب نہیں آرہا تھا، ان خاتون نے بچے کو بہلانے کے لئے کہا کہ بیٹا یہاں آؤ، ہم تمہیں چیز دیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات وہ سن لی، اور آپ نے خاتون سے پوچھا کہ تمہارا کوئی چیز دینے کا ارادہ ہے یا ویسے ہی اس کو بلانے اور بہلانے کے لئے کہہ رہی ہو؟ اس خاتون نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرا کھجور دینے کا ارادہ ہے کہ جب وہ میرے پاس آئے گا تو میں اس کو کھجور دوں گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارا کھجور دینے کا ارادہ نہ ہوتا، بلکہ محض بہلانے کے لئے کہتی کہ میں تمہیں کھجور دوں گی، تو تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا۔ (ابوداؤد)

اس حدیث سے یہ سبق دے دیا کہ بچے کے ساتھ بھی جھوٹ نہ بولو، اوراس کے ساتھ بھی وعدہ خلافی نہ کرو، ورنہ شروع ہی سے جھوٹ کی برائی اس کے دل سے نکل جائے گی۔

مذاق میں جھوٹ نہ بولو

ہم لوگ محض مذاق اورتفریح کے لئے زبان سے جھوٹی باتیں نکال دیتے ہیں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاق میں بھی جھوٹی باتیں زبان سے نکالنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ارشادفرمایا کہ افسوس ہے اس شخص پر یا سخت الفاظ میں اس کا صحیح ترجمہ یہ کر سکتے ہیں کہ: اس شخص کے لئے کہ دردناک عذاب ہے، جو محض لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے۔ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق

خوش طبعی کی باتیں اور مذاق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا، لیکن کبھی کوئی ایسا مذاق نہیں کیا جس میں بات غلط ہو، یا واقعہ کے خلاف ہو، آپ نے کیسا مذاق کیا حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک بڑھیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے لئے دعا کر دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں پہنچادیں، آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی، اور وہ بڑھیا رونے لگی کہ یہ تو بڑی خطرناک بات ہوگئی کہ بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی پھر آپ نے وضاحت کر کے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عورت اس حالت میں جنت میں نہیں جائے گی کہ وہ بوڑھی ہو، بلکہ وہ جوان ہو کر جائے گی، تو آپ نے ایسا لطیف مذاق فرمایا کہ اس میں کوئی بات نفس الامر کے خلاف اور جھوٹی نہیں تھی۔ (الشمائل للترمذی)

مذاق کا ایک انوکھا انداز

ایک دیہاتی آپ کی خدمت میں آیا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے ایک اونٹنی دے دیجئے، آپ نے فرمایا کہ ہم تم کو ایک اونٹنی کا بچہ دیں گے، اس نے کہا! یا رسول اللہ! میں بچے کو لے کر کیا کروں گا۔ مجھے تو سواری کے لئے ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ

تمہیں جو بھی اونٹ دیا جائے گا وہ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوگا، یہ آپ نے اس سے مذاق فرمایا، اور ایسا مذاق جس میں خلافِ حقیقت اور غلط بات نہیں کہی۔ تو مذاق کے اندر بھی اس بات کا لحاظ ہے کہ زبان کو سنبھال کر استعمال کریں، اور زبان سے کوئی لفظ غلط نہ نکل جائے، اور آج کل ہمارے اندر سچے جھوٹے قصے پھیل گئے ہیں، اور خوش گپیوں کے اندر ہم ان کو بطور مذاق بیان کر دیتے ہیں۔ یہ سب جھوٹ کے اندر داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ (الشمائل للترمذی)

جھوٹا کیریکٹر سرٹیفکیٹ

آج کل اس کا عام رواج ہو گیا ہے، اچھے خاصے دیندار اور پڑھے لکھے لوگ بھی اس میں مبتلا ہیں۔ کہ جھوٹے سرٹیفکیٹ حاصل کرتے ہیں، یا دوسروں کیلئے جھوٹے سرٹیفکیٹ جاری کرتے ہیں، مثلاً اگر کسی کو کیریکٹر سرٹیفکیٹ کی ضرورت پیش آ گئی، اب وہ کسی کے پاس گیا، اور اس سے کریکٹر سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا، اور جاری کرنے والے نے اس کے اندر یہ لکھ دیا کہ میں ان کو پانچ سال سے جانتا ہوں، یہ بڑے اچھے آدمی ہیں، ان کا اخلاق و کردار بہت اچھا ہے، کسی کے حاشیہ خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ ہم یہ ناجائز کام کر رہے ہیں، بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نیک کام کر رہے ہیں، اس لئے کہ یہ ضرورت مند تھا۔ ہم نے اس کی ضرورت پوری کر دی۔ اس کا کام کر دیا، یہ تو باعث ثواب کام ہے، حالانکہ اگر آپ اس کے کیریکٹر سے واقف نہیں ہیں تو آپ کے لئے ایسا سرٹیفکیٹ جاری کرنا ناجائز ہے، چہ جائیکہ وہ سمجھے کہ میں ایک ثواب کا کام کر رہا ہوں۔ اور کسی ایسے شخص سے کیریکٹر سرٹیفکیٹ حاصل کرنا جو آپ کو نہیں جانتا۔ یہ بھی ناجائز ہے، گویا کہ سرٹیفکیٹ لینے والا بھی گناہ گار ہوگا، اور دینے والا بھی گناہ گار ہوگا۔

کیریکٹر معلوم کرنے کے دو طریقے

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص نے کسی تیسرے شخص کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ حضرت! وہ تو بڑا اچھا آدمی ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا

کہ تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ فلاں شخص بڑے اچھے اخلاق اور کردار کا آدمی ہے، اچھا یہ بتاؤ کہ کیا کبھی تمہارا اس کے ساتھ لین دین کا معاملہ پیش آیا؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، لین دین کا معاملہ تو کبھی پیش نہیں آیا، پھر آپ نے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ کیا تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا؟ اس نے کہا نہیں، میں نے کبھی اس کے ساتھ سفر تو نہیں کیا، آپ نے فرمایا کہ پھر تمہیں کیا معلوم کہ وہ اخلاق و کردار کے اعتبار سے کیسا آدمی ہے، اس لئے کہ اخلاق و کردار کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے، جب انسان اس کے ساتھ لین دین کرے، اور اس میں وہ کھرا ثابت ہو، تب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کردار اچھا ہے، اس کے اخلاق معلوم کرنے کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ سفر کرے۔ اس لئے کہ سفر کے اندر انسان اچھی طرح کھل کر سامنے آ جاتا ہے، اس کے اخلاق، اس کا کردار، اس کے حالات، اس کے جذبات، اس کے خیالات، یہ ساری چیزیں سفر میں ظاہر ہو جاتی ہیں، لہٰذا اگر تم نے اس کے ساتھ کوئی لین دین کا معاملہ کیا ہوتا، یا اس کے ساتھ سفر کیا ہوتا، تب تو بیشک یہ کہنا درست ہوتا کہ وہ اچھا آدمی ہے، لیکن جب تم نے اس کے ساتھ نہ تو معاملہ کیا، نہ اس کے ساتھ سفر کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کو جانتے نہیں ہو، اور جب تم جانتے نہیں تو پھر خاموش رہو، نہ بُرا کہو، اور نہ اچھا کہو، اور اگر کوئی شخص اس کے بارے پوچھے تو تم اس حد تک بتا دو، جتنا تمہیں معلوم ہے، مثلاً یہ کہہ دو کہ بھائی! مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے تو میں نے دیکھا ہے، باقی آگے کے حالات مجھے معلوم نہیں۔

سرٹیفکیٹ ایک گواہی ہے

قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ: **الا من شهد بالحق وهم يعلمون.** (سورۃ الزخرف:۸۶)

یاد رکھئے: یہ سرٹیفکیٹ اور یہ تصدیق نامہ شرعاً ایک گواہی ہے، اور جو شخص اس سرٹیفکیٹ پر دستخط کر رہا ہے، وہ حقیقت میں گواہی دے رہا ہے اور اس آیت کی رو سے گواہی دینا اس وقت جائز ہے جب آدمی کو اس بات کا علم ہو، اور یقین سے جانتا ہو کہ یہ واقع میں ایسا ہے، تب انسان گواہی دے سکتا ہے، اس کے بغیر انسان گواہی نہیں دے سکتا۔ آجکل ہوتا یہ ہے کہ آپ کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، لیکن آپ نے کیریکٹر سرٹیفکیٹ جاری کر دیا، تو یہ

جھوٹی گواہی کا گناہ ہوا، اور جھوٹی گواہی اتنی بُری چیز ہے کہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا:

جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، صحابہ کرام سے فرمایا کہ کیا میں تم کو بتاؤں کہ بڑے بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا کہ بڑے گناہ یہ ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ اس وقت تک آپ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے پھر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، اور پھر فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینا، اور اس جملے کو تین مرتبہ دہرایا۔ (صحیح مسلم)

اب آپ اس سے اس کی شناعت کا اندازہ لگائیں کہ ایک طرف تو آپ نے اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا، دوسرے یہ کہ اس کو تین مرتبہ ان الفاظ کو اس طرح دہرایا کہ پہلے آپ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر اس کے بیان کے وقت سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، اور خود قرآن کریم نے بھی اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

" **فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور** " (سورۃ الحج: ۳۰)

یعنی تم بت پرستی کی گندگی سے بھی بچو، اور جھوٹی بات سے بچو اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی کتنی خطرناک چیز ہے۔

سرٹیفکیٹ جاری کرنے والا گناہ گار ہوگا

جھوٹی گواہی دینا جھوٹ بولنے سے بھی زیادہ شنیع اور خطرناک ہے۔ اس لئے کہ اس میں کئی گناہ مل جاتے ہیں، مثلاً ایک جھوٹ بولنے کا گناہ، اور دوسرا دوسرے شخص کو گمراہ کرنے کا گناہ، اس لئے کہ جب آپ نے غلط سرٹیفکیٹ جاری کر کے جھوٹی گواہی دی۔ اور وہ جھوٹا سرٹیفکیٹ جب دوسرے شخص کے پاس پہنچا تو وہ یہ سمجھے گا کہ یہ آدمی بڑا اچھا ہے، اور اچھا سمجھ کر اس سے کوئی معاملہ کرے گا، اور اگر اس معاملہ کرنے کے نتیجے میں اس کو کوئی

نقصان پہنچے گا تو اس نقصان کی ذمہ داری بھی آپ پر ہوگی یا آپ نے عدالت میں جھوٹی گواہی دی۔ اور اس گواہی کی بنیاد پر فیصلہ ہو گیا، تو اس فیصلے کے نتیجے میں جو کچھ کسی کا نقصان ہوا۔ وہ سب آپ کی گردن پر ہوگا۔ اس لئے یہ جھوٹی گواہی کا گناہ معمولی گناہ نہیں ہے، بڑا سخت گناہ ہے۔

عدالت میں جھوٹ

آج کل تو جھوٹ کا ایسا بازار گرم ہوا کہ کوئی شخص دوسری جگہ جھوٹ بولے یا نہ بولے، لیکن عدالت میں ضرور جھوٹ بولے گا بعض لوگوں کو یہاں تک کہتے ہوئے سنا کہ:

''میاں سچی سچی بات کہہ دو کوئی عدالت میں تھوڑی کھڑے ہو''

مطلب یہ ہے کہ جھوٹ بولنے کی جگہ تو عدالت ہے۔ وہاں پر جا کر جھوٹ بولنا، یہاں آپس میں جب بات چیت ہو رہی ہے تو سچی سچی بات بتادو، حالانکہ عدالت میں جا کر جھوٹی گواہی دینے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے برابر قرار دیا ہے، اور یہ کئی گناہوں کا مجموعہ ہے۔

مدرسہ کی تصدیق گواہی ہے

لہٰذا جتنے سرٹیفکیٹ معلومات کے بغیر جاری کئے جارہے ہیں، اور جاری کرنے والا یہ جانتے ہوئے جاری کر رہا ہے کہ میں یہ غلط سرٹیفکیٹ جاری کر رہا ہوں، مثلاً کسی کے بیمار ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ یا کسی کے پاس ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا، یا کسی کو کیریکٹر سرٹیفکیٹ دے دیا، یہ سب جھوٹی گواہی کے اندر داخل ہیں۔

میرے پاس بہت سے لوگ مدرسوں کی تصدیق کرانے کے لئے آتے ہیں، جس میں اس بات کی تصدیق کرنی ہوتی ہے کہ یہ مدرسہ قائم ہے، اس میں اتنی تعلیم ہوتی ہے۔ اور اس تصدیق کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تاکہ لوگوں کو اطمینان ہو جائے کہ واقعتہً یہ مدرسہ قائم ہے۔ اور امداد کا مستحق ہے، اور اب ان مدرسوں کی تصدیق لکھنے کو دل بھی چاہتا ہے، لیکن میں نے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کو دیکھا کہ جب کبھی ان کے پاس کوئی شخص مدرسہ کی تصدیق لکھوانے کے لئے آتا تھا تو آپ یہ عذر فرماتے ہوئے کہتے

کہ بھائی! یہ ایک گواہی ہے، اور جب تک مجھے مدرسہ کے حالات کا علم نہ ہو، اس وقت تک میں یہ تصدیق نامہ جاری نہیں کر سکتا، اس لئے کہ یہ جھوٹی گواہی ہو جائے گی، البتہ اگر کسی مدرسے کے بارے میں علم ہوتا تو جتنا علم ہوتا اتنا لکھ دیتے۔

کتاب کی تقریظ لکھنا گواہی ہے

بہت سے لوگ کتابوں پر تقریظ لکھوانے آ جاتے ہیں کہ ہم نے یہ کتاب لکھی ہے، آپ اس پر تقریظ لکھ دیجئے کہ یہ اچھی کتاب ہے، اور صحیح کتاب ہے۔ حالانکہ جب تک انسان اس کتاب کو پورا نہ پڑھے، اس کا پورا مطالعہ نہ کرے، اس وقت تک یہ کیسے گواہی دے دے کہ یہ کتاب صحیح ہے، یا غلط ہے۔ بہت سے لوگ اس خیال سے تقریظ لکھ دیتے ہیں کہ اس تقریظ سے اس کا فائدہ اور بھلا ہو جائے گا، حالانکہ تقریظ لکھنا ایک گواہی ہے، اور اس گواہی میں غلط بیانی کو لوگوں نے غلط بیانی سے خارج کر دیا ہے۔ چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہم تو ایک ذرا سا کام لے کر ان کے پاس گئے تھے، اگر ذرا سا قلم ہلا دیتے، اور ایک سرٹیفکیٹ لکھ دیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا، یہ تو بڑے بد اخلاق آدمی ہیں کہ کسی کو سرٹیفکیٹ بھی جاری نہیں کرتے، بھائی، بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک ایک لفظ کے بارے میں سوال ہوگا، جو لفظ زبان سے نکل رہا ہے، جو لفظ قلم سے لکھا جا رہا ہے، سب اللہ تعالیٰ کے یہاں ریکارڈ ہو رہا ہے، اور اس کے بارے میں سوال ہوگا کہ فلاں لفظ تم نے جو زبان سے نکالا تھا۔ وہ کس بنیاد پر نکالا تھا، جان بوجھ کر بولا تھا یا بھول کر بولا تھا۔

جھوٹ سے بچئے

بھائی! ہمارے معاشرے میں جو جھوٹ کی وبا پھیل گئی ہے، اس میں اچھے خاصے دیندار، پڑھے لکھے، نمازی، بزرگوں سے تعلق رکھنے والے، وظائف اور تسبیح پڑھنے والے بھی مبتلا ہیں، وہ بھی اس کو ناجائز اور برا نہیں سمجھتے کہ یہ جھوٹا سرٹیفکیٹ جاری ہو جائے گا تو یہ کوئی گناہ ہوگا، حالانکہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ "اذا حدث کذب" اس میں یہ سب باتیں بھی داخل ہیں، اور یہ سب دین کا حصہ ہیں۔ اور ان کو

دین سے خارج سمجھنا بدترین گمراہی ہے، اس لئے ان سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

جھوٹ کی اجازت کے مواقع

البتہ بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کی بھی اجازت دے دی ہے، لیکن وہ مواقع ایسے ہیں کہ جہاں انسان اپنی جان بچانے کے لئے جھوٹ بولنے پر مجبور ہو جائے، اور جان بچانے کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو، یا کوئی ناقابل برداشت ظلم اور تکلیف کا اندیشہ ہو، کہ اگر وہ جھوٹ نہیں بولے گا تو وہ ایسے ظلم کا شکار ہو جائے گا جو قابل برداشت نہیں ہے، اس صورت میں شریعت نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے۔ البتہ اس میں بھی حکم یہ ہے کہ پہلے اس بات کی کوشش کرو کہ صریح جھوٹ نہ بولنا پڑے، بلکہ کوئی ایسا گول مول لفظ بول دو، جس سے وقتی مصیبت ٹل جائے، جس کو شریعت کی اصطلاح میں ''تعریض اور توریہ'' کہا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا لفظ بول دیا جائے، جس کے ظاہری طور پر کچھ اور معنی سمجھ میں آ رہے ہیں، اور حقیقت میں دل کے اندر آپ نے کچھ اور مراد لیا ہے، ایسا گول مول لفظ بول دو تاکہ صریح جھوٹ نہ بولنا پڑے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا جھوٹ سے اجتناب

ہجرت کے موقع پر جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما رہے تھے۔ تو اس وقت مکہ والوں نے آپ کو پکڑنے کے لئے چاروں طرف اپنے ہرکارے دوڑا رکھے تھے۔ اور یہ اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام کے طور پر دیئے جائیں گے، اب اس وقت سارے مکہ کے لوگ آپ کی تلاش میں سرگرداں تھے، راستے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جاننے والا ایک شخص مل گیا، وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جانتا تھا، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں جانتا تھا، اس شخص نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون صاحب ہیں؟ اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے کہ آپ کے بارے میں کسی کو پتہ نہ چلے اس لئے کہ

کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمنوں تک آپ کے بارے میں اطلاع پہنچ جائے۔ اب اگر اس شخص کے جواب میں صحیح بات بتاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کو خطرہ ہے، اور اگر نہیں بتاتے تو جھوٹ بولنا لازم آتا ہے، اب ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

هذا الرجل يهديني السبيل

یہ میرے رہنما ہیں، جو مجھے راستہ دکھاتے ہیں، اب آپ نے ایسا لفظ ادا کیا جس کو سن کر اس شخص کے دل میں خیال آیا کہ جس طرح عام طور پر سفر کے دوران راستہ بتانے کے لئے کوئی رہنما ساتھ رکھ لیتے ہیں، اس قسم کے رہنما ساتھ جا رہے ہیں، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دل میں یہ مراد لیا کہ یہ دین کا راستہ دکھانے والے ہیں، جنت کا راستہ دکھانے والے ہیں، اللہ کا راستہ دکھانے والے ہیں، اب دیکھئے کہ اس موقع پر انہوں نے صریح جھوٹ بولنے سے پرہیز فرمایا۔ بلکہ ایسا لفظ بول دیا جس سے وقتی کام بھی نکل گیا، اور جھوٹ بھی نہیں بولنا پڑا۔ (صحیح بخاری)

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہ فکر عطا فرما دیتے ہیں کہ زبان سے کوئی کلمہ خلاف واقعہ اور جھوٹ نہ نکلے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی اس طرح مدد بھی فرماتے ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ اور جھوٹ سے پرہیز

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہٗ جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں بڑا حصہ لیا تھا، آپ کے علاوہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی وغیرہ ان سب حضرات نے اس جہاد میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے، اب جو لوگ اس جہاد میں شریک تھے، آخر کار انگریزوں نے ان کو پکڑنا شروع کیا۔ چوراہوں پر پھانسی کے تختے لٹکا دیئے۔

جسے دیکھا حاکم وقت نے   کہا یہ بھی صاحب دار ہے

اور ہر ہر محلے میں مجسٹریٹوں کی مصنوعی عدالتیں قائم کر دی تھیں، جہاں کہیں کسی پر شبہ

ہوا، اس کو مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا گیا، اور اس نے حکم جاری کر دیا کہ اس کو پھانسی پر چڑھا دو، پھانسی پر اسکو لٹکا دیا گیا، اسی دوران ایک مقدمہ میرٹھ میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بھی قائم ہوگیا۔ اور مجسٹریٹ کے یہاں پیشی ہوگئی، جب مجسٹریٹ کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا کہ تمہارے پاس ہتھیار ہیں؟ اس لئے کہ اطلاع یہ ملی تھی کہ ان کے پاس بندوقیں ہیں، اور حقیقت میں حضرت کے پاس بندوقیں تھیں، چنانچہ جس وقت مجسٹریٹ نے یہ سوال کیا، اس وقت حضرت کے ہاتھ میں تسبیح تھی، آپ نے وہ تسبیح اس کو دکھاتے ہوئے فرمایا ہمارا ہتھیار یہ ہے، یہ نہیں فرمایا کہ میرے پاس ہتھیار نہیں ہے، اس لئے کہ یہ جھوٹ ہو جاتا۔ آپ کا حلیہ بھی ایسا تھا کہ بالکل درویش صفت معلوم ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد بھی فرماتے ہیں، ابھی سوال جواب ہو رہا تھا کہ اتنے میں کوئی دیہاتی وہاں آ گیا، اس نے جب دیکھا کہ حضرت سے اس طرح سوال جواب ہو رہے ہیں تو اس نے کہا کہ ارے! اس کو کہاں سے پکڑ لائے، یہ تو ہمارے محلے کا موجن (موذن) ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلاصی عطا فرمائی۔

حضرت نانوتویؒ اور جھوٹ سے پرہیز

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو چکے ہیں۔ چاروں طرف پولیس تلاش کرتی پھر رہی ہے اور آپ چھتہ کی مسجد میں تشریف فرما ہیں، وہاں پولیس پہنچ گئی، مسجد کے اندر آپ اکیلے تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا نام سن کر ذہنوں میں تصور آتا تھا کہ آپ بہت بڑے عالم ہیں تو آپ شاندار قسم کے لباس اور جبہ قبہ پہنے ہونگے، وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ تو ہر وقت ایک معمولی لنگی ایک معمولی کرتہ پہنے ہوئے تھے۔ جب پولیس اندر داخل ہوئی تو یہ سمجھا کہ یہ مسجد کا کوئی خادم ہے۔ چنانچہ پولیس نے پوچھا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کہاں ہیں؟ آپ فوراً اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے، اور ایک قدم پیچھے ہٹ کر کہا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھے، اور اس کے ذریعہ اس کو یہ تاثر دیا کہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں۔ لیکن زبان سے

یہ جھوٹا کلمہ نہیں نکالا کہ یہاں نہیں ہیں، چنانچہ وہ پولیس واپس چلی گئی۔

اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے وقت میں بھی، جب کہ جان پر بنی ہوئی ہو، اس وقت بھی یہ خیال رہتا ہے کہ زبان سے کوئی غلط لفظ نہ نکلے۔ زبان سے صریح جھوٹ نہ نکلے، اور اگر کبھی مشکل وقت آ جائے تو اس وقت بھی توریہ کر کے اور گول مول بات کر کے کام چل جائے، یہ بہتر ہے۔ البتہ اگر جان پر بن جائے، جان جانے کا خطرہ ہو، یا شدید نا قابل برداشت ظلم کا اندیشہ ہو، اور توریہ سے اور گول مول بات کرنے سے بھی بات نہ بنے تو اس وقت شریعت نے جھوٹ بولنے کی بھی اجازت دے دی ہے، لیکن اس اجازت کو اتنی کثرت کے ساتھ استعمال کرنا، جس طرح آج اس کا استعمال ہو رہا ہے، یہ سب حرام ہے، اور اس میں جھوٹی گواہی کا گناہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین!

بچوں کے دلوں میں جھوٹ کی نفرت

بچوں کے دل میں جھوٹ کی نفرت پیدا کریں، خود بھی شروع سے جھوٹ سے بچنے کی عادت ڈالیں۔ اور بچوں سے اس طرح بات کریں کہ ان کے دلوں میں بھی جھوٹ کی نفرت پیدا ہو جائے، اور سچائی کی محبت پیدا ہو، اس لئے بچوں کے سامنے کبھی غلط بات کوئی جھوٹ نہ بولیں، اس لئے کہ جب بچہ یہ دیکھتا ہے کہ باپ جھوٹ بول رہا ہے، ماں جھوٹ بول رہی ہے تو پھر بچے کے دل سے جھوٹ بولنے کی نفرت ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ جھوٹ بولنا تو روزانہ کا معمول ہے، اس لئے بچپن ہی سے بچوں میں اس بات کی عادت ڈالی جائے کہ زبان سے جو بات نکلے، وہ پتھر کی لکیر ہو، اس میں کوئی غلطی نہ ہو، اور نفس الامر کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ دیکھئے، نبوت کے بعد سب سے اونچا مقام ''صدیق'' کا مقام ہے۔ اور ''صدیق'' کے معنی ہیں ''بہت سچا'' جس کے قول میں خلاف واقعہ بات کا شبہ بھی نہ ہو۔

جھوٹ عمل سے بھی ہوتا ہے

جھوٹ جس طرح زبان سے ہوتا ہے، بعض اوقات عمل سے بھی ہوتا ہے، اس لئے کہ بعض اوقات انسان ایسا عمل کرتا ہے، جو درحقیقت جھوٹا عمل ہوتا ہے، حدیث میں نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: **المتشبع بمالم يعط كلابس ثوبي زور** (ابوداؤد)

یعنی جو شخص اپنے عمل سے اپنے آپ کو ایسی چیز کا حامل قرار دے جو اس کے اندر نہیں ہے تو وہ جھوٹ کا لباس پہننے والا ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرے جیسا کہ حقیقت میں نہیں ہے۔ یہ بھی گناہ ہے۔ مثلاً ایک شخص جو حقیقت میں بہت دولت مند نہیں ہے، لیکن وہ اپنے آپ کو اپنی اداؤں سے، اپنی نشست و برخواست سے، اپنے طریق زندگی اپنے آپ کو دولت مند ظاہر کرتا ہے، یہ بھی عملی جھوٹ ہے، یا اس کے برعکس ایک اچھا خاصا کھاتا پیتا انسان ہے۔ لیکن اپنے عمل سے تکلف کر کے اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرتا ہے، تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے، یہ بہت مفلس ہے۔ نادار ہے۔ غریب ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ غریب نہیں ہے۔ اس کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی جھوٹ قرار دیا۔ لہٰذا عملی طور پر کوئی ایسا کام کرنا جس سے دوسرے شخص پر غلط تاثر قائم ہو۔ یہ بھی جھوٹ کے اندر داخل ہے۔

اپنے نام کے ساتھ ''سید'' لکھنا

بہت سے لوگ اپنے ناموں کے ساتھ ایسے الفاظ اور القاب لکھتے ہیں جو واقعہ کے مطابق نہیں ہوتے، چونکہ رواج چل پڑا ہے، اس لئے بلا تحقیق لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص نے اپنے نام کے ساتھ ''سید'' لکھنا شروع کر دیا۔ جب کہ حقیقت میں ''سید'' نہیں ہے، اس لئے کہ حقیقت میں ''سید'' وہ ہے جو باپ کی طرف سے نسب کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ہو، وہ ''سید'' ہے، بعض لوگ ماں کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہوتے ہیں، اور اپنے آپ کو ''سید'' لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ لہٰذا جب تک ''سید'' ہونے کی تحقیق نہ ہو، اس وقت تک ''سید'' لکھنا جائز نہیں، البتہ تحقیق کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ اگر خاندان میں یہ بات مشہور چلی آتی ہے کہ یہ سادات کے خاندان میں ہیں تو پھر ''سید'' لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر ''سید'' ہونا معلوم نہیں ہے۔ اور نہ اس کی دلیل موجود ہے، تو اس میں بھی جھوٹ بولنے کا گناہ ہے۔

لفظ ''پروفیسر'' اور ''مولانا'' لکھنا

بعض لوگ حقیقت میں ''پروفیسر'' نہیں ہیں، لیکن اپنے نام کے ساتھ ''پروفیسر'' لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ''پروفیسر'' تو ایک خاص اصطلاح ہے۔ جو خاص لوگوں کے لئے بولی جاتی ہے۔ یا جیسے ''عالم'' یا ''مولانا'' کا لفظ اس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو درس نظامی کا فارغ التحصیل ہو۔ اور باقاعدہ اس نے کسی سے علم حاصل کیا ہو۔ اس کے لئے ''مولانا'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اب بہت سے لوگ جنہوں نے باقاعدہ علم حاصل نہیں کیا۔ لیکن اپنے نام کے ساتھ ''مولانا'' لکھنا شروع کر دیتے ہیں، یہ بھی خلاف واقعہ ہے، اور جھوٹ ہے ان باتوں کو ہم لوگ جھوٹ نہیں سمجھتے، اور ہم یہ نہیں سمجھتے کہ یہ بھی گناہ کے کام ہیں۔ اس لئے ان سے پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔

(وعظ جھوٹ اور اسکی مروجہ صورتیں از اصلاحی خطبات ج ۳)

ہمدردی یا گناہ؟

حسن سلوک کا ایک انداز

ایک صاحب ایک مرتبہ مجھ سے اپنے ایک پڑوسی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتا رہے تھے کہ ان کے آپس میں کتنے خوشگوار تعلقات ہیں، اور وہ کس طرح ایک دوسرے سے اپنائیت اور ''حسن سلوک'' کا معاملہ کرتے رہتے ہیں، اس ''حسن سلوک'' کی تفصیل بیان کرتے ہوئے وہ کہنے لگے کہ ''میرے پڑوسی جس محکمے میں کام کرتے ہیں وہ اپنے ملازمین کو ان کی ذاتی گاڑی کے لئے بہت سی سہولیات فراہم کرتا ہے، (مثلاً پٹرول کا خرچ، سروس اور مرمت وغیرہ کا خرچ) میرے پڑوسی کے پاس چونکہ اپنی کوئی گاڑی نہیں تھی، اس لئے وہ یہ سہولیات حاصل نہیں کر سکتے تھے، میں نے اپنی گاڑی ان کے نام رجسٹر کرا دی، اور انہوں نے اپنے محکمے میں اسے اپنی گاڑی ظاہر کر کے وہ سہولیات حاصل کر لیں، مدتوں میری گاڑی ان کے نام پر درج رہی اور وہ اسکے نام پر سالہا سال یہ سہولیات حاصل کرتے رہے'' میں نے ان سے پوچھا کہ ''آپ نے ایسا کیوں کیا؟'' وہ فرمانے لگے کہ ''ہمارے درمیان تعلقات ہی ایسے تھے'' مجھے یقین تھا کہ گاڑی ان کے نام رجسٹر ہونے کے باوجود میرے ہی استعمال میں رہے گی، اور کبھی ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہوگا، لہٰذا اگر صرف نام درج کرانے سے کسی کا بھلا ہوتا ہو تو میں کیوں اس میں رکاوٹ بنوں؟''

دوسرا واقعہ

ایک اور صاحب نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کے ساتھ ''حسن سلوک'' کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ''ہمارے درمیان اتنے اچھے تعلقات ہیں کہ جب وہ خود یا ان کے گھر کا کوئی فرد بیمار ہوتا ہے تو میں ڈاکٹر سے اپنے نام کا نسخہ بنوا کر اپنے محکمے کے خرچ پر دوائیں لے

آ تا ہوں، اور اپنے دوست کو فراہم کر دیتا ہوں، اور اس طرح علاج معالجے پر میرے دوست کا کبھی کچھ خرچ نہیں ہوتا''۔

دونوں صاحبان نے اپنا یہ عمل بڑے فخر کے ساتھ اس طرح بیان فرمایا جیسے یہ ان کی کشادہ دلی اور بلند حوصلگی کی علامت ہے، اور اس کے ذریعے انہوں نے بہت بڑی نیکی انجام دی ہے جس پر وہ دنیا میں تعریف اور آخرت میں ثواب کے مستحق ہیں، یہ دونوں میں سے کسی نے نہیں سوچا کہ اس طرح اپنے پڑوسی یا دوست کے ساتھ ''ہمدردی'' کر کے وہ محکمے کے ساتھ کتنی بے وفائی اور بد دیانتی کا معاملہ کر رہے ہیں، اس ''ہمدردی'' کا آغاز تو جھوٹ بولنے سے ہوا، یعنی پہلے صاحب نے اپنی کار خلاف واقعہ اپنے پڑوسی کے نام درج کرا کے غلط بیانی سے کام لیا، بلکہ غلط بیانیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کرا دیا، کیونکہ ہر مہینے وہ صاحب اپنی اس فرضی گاڑی کے لئے پٹرول کے فرضی بل داخل کرتے تھے، جن میں سے ہر فرضی بل ایک مستقل جھوٹ تھا، اسی طرح اس فرضی گاڑی کی سروس اور مرمت کے بھی اسی طرح فرضی بل بنائے جاتے ہونگے، کیونکہ گاڑی تو بدستور پہلے صاحب ہی کے استعمال میں تھی، اس طرح اس ہمدردی کی بدولت وہ سالہا سال تک جھوٹ کا یہ پلندہ اپنے نامہ اعمال میں درج کراتے رہے، اسی طرح دوسرے صاحب اپنے دوست کی بیماری کے موقع پر خود اپنے آپ کو بیمار ظاہر کرنے کے لئے اپنے لئے فرضی نسخے بنواتے رہے، اور ڈاکٹر صاحب کو بھی اس غلط بیانی میں ملوث کرتے رہے۔

دوسری طرف محکمہ نے اگر کوئی سہولت اپنے کسی کارندے کو دے رکھی ہے تو وہ اپنے ملازم کو دی ہے، جو کچھ قواعد وضوابط کی پابند ہے، نہ کسی شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی یہ سہولت کسی اور کو منتقل کر دے، اور نہ یہ جائز ہے کہ قواعد وضوابط کے خلاف جس طرح چاہے وہ سہولت حاصل کر لے، لہٰذا دونوں صاحبان نے جو سہولتیں اپنے پڑوسی یا دوست کو دلوائیں، وہ انکے لئے سراسر حرام اور ناجائز تھیں، لیکن دونوں کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ اس طرح وہ کسی جرم یا گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں، اسکے برعکس وہ اسے اپنی نیکیوں میں شمار کر رہے تھے۔

17 معاشرتی بے اعتدالیاں

یہ دو واقعات تو میں نے مثال کے طور پر ذکر کر دیئے، ورنہ اپنے گرد وپیش میں نظر دوڑا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ہمارا معاشرہ اس قسم کے واقعات سے بھرا ہوا ہے، کوئی سرکاری یا غیر سرکاری محکمہ اپنے ملازمین کو جو سہولیات دیتا ہے، بعض لوگ انہیں ہر قیمت پر اپنے حق میں نچوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، خواہ اس کے لئے جھوٹ سچ ایک کرنا پڑے، یا قواعد و ضوابط توڑنے پڑیں، یا کسی اور بدعنوانی کا ارتکاب کرنا پڑے، مثلاً بعض محکموں میں یہ قاعدہ ہے کہ وہ اپنے ملازمین کو گاڑی میں استعمال کرنے کے لئے ایک خاص حد تک پیٹرول کی قیمت مہیا کرتے ہیں، اب بعض لوگ ہر مہینے اتنے پیٹرول کے بل داخل کر کے یہ رقم ہر حالت میں وصول کرنا ضروری سمجھتے ہیں خواہ واقعۃً اس مہینے میں اتنا پیٹرول استعمال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اسی طرح بعض ملازمین کو محکمے کی طرف سے اجازت ہوتی ہے کہ وہ ایک خاص ماہانہ کرایہ کی حد تک کوئی مکان اپنی رہائش کے لئے لے سکتے ہیں، اب خواہ مکان کم کرائے پر ملا ہو، لیکن وہ زائد کرائے کا بل بنوا کر پوری رقم وصول کرنا ضروری سمجھتے ہیں، اسی طرح بعض مرتبہ مکان کی مرمت یا دیکھ بھال (Maintenance) کا خرچ محکمہ برداشت کرتا ہے، چنانچہ بعض لوگ مرمت کے فرضی بل بنوا کر یہ رقمیں وصول کرتے رہتے ہیں، یہی معاملہ علاج معالجے کے اخراجات کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ خواہ واقعۃً کسی علاج کی ضرورت نہ پڑی ہو، لیکن جعلی بل بنوا کر علاج کا خرچ وصول کر لیا جاتا ہے۔

ایک شرعی اصول کی وضاحت

یہ تمام صورتیں بڑی گھٹیا قسم کی بددیانتی میں شامل ہیں، اس سلسلے میں ایک اہم شرعی اصول کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے، جو بہت کم حضرات کو معلوم ہے، اس لئے بعض اوقات اچھے خاصے دیانتدار حضرات بھی غیر شعوری طور پر اس قسم کی بددیانتی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ اصول یہ ہے کہ کسی چیز کی ملکیت اور چیز ہے، اور استعمال کی اجازت اور چیز، جو چیز اپنی ملکیت میں آ جائے، اسے تو انسان جس طرح چاہے استعمال کر سکتا ہے، خواہ خود

اس سے فائدہ اٹھائے، یا کسی اور کو عارضی یا مستقل استعمال کیلئے دیدے، اس پر کوئی پابندی نہیں لیکن جو چیز اپنی ملکیت میں نہ ہو، بلکہ مالک نے اسے استعمال کرنے کا حق یا اسکی اجازت دی ہو، (جسے اسلامی فقہ میں ''اباحت'' سے تعبیر کیا گیا ہے) اس پر ہر طرح کے مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہوتے۔ اس اجازت کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی ضرورت کی حد تک اسے جس قدر استعمال کرنا چاہے کر لے، لیکن اسے یہ اجازت نہیں ہوتی کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر اپنا یہ حق کسی اور کو منتقل کر دے، یا دوسروں کو دعوت دے کہ اس سے فائدہ اٹھانے میں وہ بھی اس کے ساتھ شریک ہو جائیں، نیز اسے یہ بھی حق نہیں ہوتا کہ اگر کسی وجہ سے وہ خود اس اجازت سے فائدہ نہیں اٹھا سکا تو اسکی قیمت وصول کرے۔

ایک مثال

اسکی ایک سادہ سی مثال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ہمارے گھر کھانا پکا کر بھیج دیا تو یہ کھانا ہماری ملکیت ہے، خواہ ہم اسے خود کھائیں یا کسی اور کو تحفۃً بھیج دیں، یا صدقہ کر دیں، بلکہ جائز یہ بھی ہے کہ کسی کو بیچ کر اسکی قیمت وصول کر لیں، لیکن اگر کسی شخص نے اپنے گھر میں ہماری دعوت کی تو جو کھانا وہاں موجود ہے، وہ ہماری ملکیت نہیں، البتہ مالک کی طرف سے اجازت ہے کہ ہم اپنی ضرورت یا خواہش کے مطابق جتنا چاہیں کھالیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس اجازت کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس کھانے پر اپنے مالکانہ حقوق جتلانے لگیں، لہٰذا یہ جائز نہیں ہے کہ ہم مالک کی مرضی کے بغیر اس پر کسی اور کو دعوت دینے لگیں، اسی طرح اگر کوئی شخص دعوت کا کھانا اپنے ساتھ باندھ کر گھر لے جانے لگے تو اسے کتنا گھٹیا آدمی سمجھا جائیگا، اور اس سے بھی زیادہ گھٹیا اور شرمناک بات یہ ہوگی کہ کوئی شخص اگر خود کسی وجہ سے کھانا نہ کھا سکا تو میزبان سے یہ مطالبہ کرے کہ میرے کھانے کے پیسے ادا کرو۔

ملازمت میں ملنے والی سہولیات سے دوسروں کو فیض یاب کرنا

بالکل یہی صورت ملازمت سے حاصل ہونے والی سہولیات کی بھی ہے، جہاں تک نقد تنخواہ کا تعلق ہے، وہ ملازم کی ملکیت ہے، اسے وہ جس طرح چاہے استعمال کر سکتا ہے، یا جو

الاؤنس کی رقمیں یکمشت محکمے کی طرف سے ادا کردی جاتی ہیں اوران کی وصولیابی کے لئے بل پیش کرنے نہیں پڑتے، ان کا بھی یہی حکم ہے، لیکن جو دوسری سہولیات ملازم کو فراہم کی جاتی ہیں مثلاً پیٹرول، علاج معالجے اور کرائے وغیرہ کے بلوں کی ادائیگی، وہ محکمے کی طرف سے ایک اجازت ہے، لہٰذا اس کا مطالبہ اسی حد تک جائز اور درست ہے جس حد تک اس اجازت سے واقعی فائدہ اٹھایا گیا ہے، اس سے زیادہ نہیں، اس فائدے میں اپنے کسی عزیز، دوست یا پڑوسی کو شریک کرنا بھی جائز نہیں، اسی طرح اگر خود کو اس اجازت سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آئی، یا اسکا موقع نہیں ملا، تو اس کا غلط بل پیش کر کے پیسے وصول کرنا بھی سراسر ناجائز ہے، اور اسکی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ کوئی شخص دعوت میں شریک نہ ہو، اور داعی کے پاس اس وقت کے کھانے کا بل بھیج دے، کہ میں چونکہ دعوت سے فائدہ نہیں اٹھا سکا، اس لئے یہ بل تم ادا کرو۔ ظاہر ہے کہ کوئی گھٹیا سے گھٹیا آدمی بھی ایسی حرکت نہیں کریگا، مذکورہ سہولیات سے فائدہ اٹھائے بغیر ان کا بل محکمے کو بھیج دینا بھی ایسی ہی شرمناک حرکت ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کی برائی عام طور سے محسوس نہیں کی جاتی، بلکہ اسے اپنا حق سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس میں جھوٹ اور فریب کا گناہ بھی ہے، اور دوسرے کا مال ناحق کھانے کا گناہ بھی۔

روحانی اقدار اور حسن کردار کی ضرورت

اس صورت حال کا بنیادی سبب یہ ہے کہ روپیہ پیسہ اور مادی منافع کو زندگی کا وہ بنیادی مقصد قرار دے دیا گیا ہے جس کے آگے دینی، اخلاقی اور روحانی قدریں اور ملک وملت کی اجتماعی فلاح و بہبود کی فکر یا تو بے معنی ہو کر رہ گئی ہے، یا پس منظر میں چلی گئی ہے، یہ درست ہے کہ معاشرے کا عمومی مزاج راتوں رات تبدیل نہیں ہو سکتا، لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ضمیر کی پاکیزگی عطا فرمائی ہو، وہ اس ماحول سے شکست کھا کر بیٹھ جائے، حسن کردار ایک خوشبو ہے جو بالآخر پھیل کر رہتی ہے۔ (ذکر وفکر)

بحث ومباحثہ اور جھوٹ ترک کیجئے

ایمان کامل کی دو علامتیں

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ مذاق میں بھی جھوٹ بولنا نہ چھوڑے، اور بحث ومباحثہ نہ چھوڑے، چاہے وہ حق پر ہو۔ اس حدیث میں دو چیزیں بیان فرمائیں کہ جب تک آدمی ان دو چیزوں کو نہیں چھوڑے گا، اس وقت تک آدمی صحیح طور پر مؤمن نہیں ہوسکتا، ایک یہ کہ مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے، اور دوسرے یہ کہ حق پر ہونے کے باوجود بحث ومباحثہ میں نہ پڑے۔

مذاق میں جھوٹ بولنا

پہلی چیز جس کا اس حدیث میں حکم دیا، وہ ہے جھوٹ چھوڑنا، اور اس میں بھی خاص طور پر مذاق میں جھوٹ بولنے کا ذکر فرمایا، اس لئے کہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جھوٹ اسی وقت ناجائز اور حرام ہے جب وہ سنجیدگی سے بولا جائے اور مذاق میں جھوٹ بولنا جائز ہے، چنانچہ اگر کسی سے کہا جائے کہ تم نے فلاں موقع پر یہ بات کہی تھی، وہ تو ایسی نہیں تھی، تو جواب میں وہ کہتا ہے کہ میں تو مذاق میں یہ بات کہہ رہا تھا۔ گویا کہ مذاق میں جھوٹ بولنا کوئی بُری بات ہی نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن ایسا ہونا چاہئے کہ اس کی زبان سے خلاف واقعہ بات نکلے ہی نہیں، حتیٰ کہ مذاق میں بھی نہ نکلے۔ اگر مذاق اور خوش طبعی حد کے اندر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، شریعت نے خوش طبعی اور مذاق کو جائز قرار دیا ہے، بلکہ اس کی تھوڑی سی ترغیب بھی دی ہے، ہر وقت آدمی خشک اور سنجیدہ ہو کر بیٹھا رہے کہ اس کے منہ پر کبھی تبسم اور مسکراہٹ ہی نہ آئے، یہ بات پسندیدہ نہیں۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کا مذاق کرنا ثابت ہے، لیکن ایسا لطیف مذاق اور ایسی خوش طبعی کی باتیں آپ سے منقول ہیں جو لطیف بھی ہیں اور ان میں کوئی بات خلاف واقعہ بھی نہیں۔

حضور ﷺ کے مذاق کا ایک واقعہ

حدیث شریف میں ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایک اونٹ دے دیجئے۔ اس زمانے میں اونٹ سب سے بڑی دولت ہوتی تھی اور مالداری کی علامت سمجھی جاتی تھی، جس کے پاس جتنے زیادہ اونٹ ہوتے تھے وہ اتنا ہی بڑا مالدار ہوتا تھا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں اونٹنی کا بچہ دونگا، ان صاحب نے کہا یارسول اللہ! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا، مجھے تو اونٹ چاہئے جو مجھے سواری کے کام آسکے۔ آپ نے فرمایا کہ ارے جو بھی اونٹ ہوگا وہ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوگا۔ (مشکوٰۃ)

دیکھئے، آپ نے مزاح فرمایا اور خوش طبعی کی بات فرمائی، لیکن حق بات کہی، کوئی جھوٹ اور خلاف واقعہ بات نہیں کہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذاق کا دوسرا واقعہ

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک خاتون حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمادیں، آپ نے فرمایا کہ کوئی بوڑھی جنت میں نہیں جائے گی، جب آپ نے دیکھا کہ وہ پریشان ہو رہی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میرا مطلب یہ ہے کہ کوئی خاتون بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی بلکہ جوان ہو کر جائے گی۔ (مشکوٰۃ)

دیکھئے، آپ نے مذاق فرمایا اور خوش طبعی کی بات کی، لیکن اس میں کوئی جھوٹ اور غلط بیانی کا پہلو نہیں تھا۔ یہ مذاق کرنا بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے لہٰذا جب کوئی شخص اتباع سنت کی نیت سے مذاق کرے گا تو انشاء اللہ اس پر ثواب کی بھی امید ہے۔ ہمارے جتنے بزرگ گزرے ہیں ان سب کا حال یہ تھا کہ ان میں سے کوئی بھی خشک نہیں تھا، ایسا خشک

کہ بت بنے بیٹھے ہیں اور زبان پر خوش طبعی کی بات ہی نہیں آتی، بلکہ یہ حضرات اپنے ساتھیوں سے خوش طبعی کی اور دل لگی کی باتیں بھی کیا کرتے تھے، اور بعض بزرگ تو اس بارے میں مشہور تھے، لیکن اس خوش طبعی اور مذاق میں جھوٹ نہیں ہوتا تھا، اور جب اللہ تعالیٰ کسی پر اپنا فضل فرماتے ہیں تو اس کی زبان اس طرح کر دیتے ہیں کہ اس زبان پر کبھی جھوٹ کی کوئی بات آتی ہی نہیں، نہ مذاق میں نہ ہی سنجیدگی میں۔

حضرت حافظ ضامن شہیدؒ اور دل لگی

تھانہ بھون کے اقطاب ثلاثہ مشہور ہوئے ہیں، ان میں سے ایک حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ تھے، بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، ان کے بارے میں بعض بزرگوں کا یہ مکاشفہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جو جہاد ہوا تھا، وہ اسی دولہا کی برات سجانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا تھا، لیکن ان کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی ان کی مجلس میں جا کر بیٹھتا تو دیکھتا کہ وہاں تو ہنسی مذاق اور دل لگی ہو رہی ہے۔ جب کوئی شخص ان کے پاس جاتا تو فرماتے کہ بھائی اگر فتویٰ لینا ہو تو دیکھو سامنے مولانا شیخ محمد تھانوی صاحب بیٹھے ہیں، ان کے پاس چلے جاؤ۔ اگر ذکر و اذکار سیکھنا ہو اور بیعت ہونا ہو تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی (رحمۃ اللہ علیہ) تشریف فرما ہیں، ان سے جا کر تعلق قائم کرلو، اور حقہ پینا ہو تو یاروں کے پاس آ جاؤ۔ اس طرح کی دل لگی کی باتیں کیا کرتے تھے، لیکن اس دل لگی کے پردے میں اپنے باطن کے مقام بلند کو چھپایا ہوا تھا۔

حضرت محمد بن سیرینؒ اور قہقہے

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے تابعین میں سے ہیں، ان کے حالات میں ان کے بارے میں کسی نے لکھا ہے کہ **"کنا نسمع ضحکه فی النهار وبکاءہ باللیل"** یعنی دن کے وقت ہم ان کے ہنسنے کی آوازیں سنا کرتے تھے، اور ان کی مجلس میں قہقہے گونجتے تھے اور رات کے وقت ان کے رونے کی آوازیں آیا کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ کے حضور جب سجدہ ریز ہوتے تو روتے رہتے تھے۔

حدیث میں خوش طبعی کی ترغیب

بہرحال، یہ مذاق اپنی ذات میں برا نہیں بشرطیکہ حدود کے اندر ہو، اور آدمی ہر وقت ہی مذاق نہ کرتا رہے، بلکہ کبھی کبھی مذاق اور دل لگی کرنی چاہئے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

روحوا القلوب ساعة فساعة

یعنی "اپنے دلوں کو تھوڑے تھوڑے وقفے سے آرام دیا کرو"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی سنجیدہ کاموں میں لگا ہوا ہے تو تھوڑا وقت وہ ایسا بھی نکالے جس میں آزادی سے خوش طبعی کی باتیں بھی کرلے، گویا کہ یہ بھی مطلوب ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، لیکن اس کا خیال رہے کہ کسی بھی وقت منہ سے غلط بات نہ نکلے۔ بہرحال، جب مذاق میں جھوٹ بولنے کو منع کیا گیا ہے تو سنجیدگی میں جھوٹ بولنا کتنی بُری بات ہوگی، اور مؤمن کی بنیادی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ اس کے منہ سے غلط بات نہیں نکلتی، حتیٰ کہ جان پر مصیبت آجاتی ہے اس وقت بھی مؤمن جھوٹ سے بچتا ہے، حالانکہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے کہ جان بچانے کی خاطر اگر کوئی شخص جھوٹ بولے تو اس کی اجازت ہے، لیکن جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں، اس وقت بھی ان کے منہ پر صریح جھوٹ جاری نہیں ہوتا۔

آج معاشرے میں پھیلے ہوئے جھوٹ

اس لئے حتی الامکان جہاں تک ہوسکے انسان جھوٹ نہ بولے۔ جب شریعت نے سچ بولنے کی اتنی تاکید فرمائی ہے اور جھوٹ بولنے کی ممانعت فرمائی ہے، حتیٰ کہ مذاق میں اور حالت جنگ میں بھی جھوٹ کی ممانعت فرمائی ہے تو عام حالات میں جھوٹ کی اجازت کیسے ہوگی؟ آجکل ہمارا معاشرہ جھوٹ سے بھر گیا ہے، اچھے خاصے پڑھے لکھے دیندار، اور اہل اللہ سے تعلق رکھنے والے صحبت یافتہ لوگ بھی صریح جھوٹ کا ارتکاب کرتے ہیں، مثلاً چھٹی لینے کے لئے جھوٹے میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوا رہے ہیں، اور دل میں ذرا سا یہ خیال بھی نہیں گزرتا

کہ ہم نے جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔ تجارت میں، صنعت میں، کاروبار میں جھوٹے سرٹیفکیٹ، جھوٹے بیانات، جھوٹی گواہیاں ہو رہی ہیں، یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ اب کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ "اس دنیا میں سچ کے ساتھ گزارہ نہیں ہو سکتا"۔ **العیاذ باللہ العلی العظیم**، یعنی سچ بولنے والا زندہ نہیں رہ سکتا، اور جب تک جھوٹ نہیں بولے گا اس وقت تک کام نہیں چلے گا۔ حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ:

الصدق ینجی و الکذب یھلک

"سچائی نجات دینے والی چیز ہے، اور جھوٹ ہلاکت میں ڈالنے والا ہے، برباد کرنے والا ہے"۔

بظاہر وقتی طور پر جھوٹ بولنے سے کوئی نفع حاصل ہو جائے، لیکن انجام کار جھوٹ میں فلاح اور کامیابی نہیں، سچائی میں فلاح ہے، اللہ کا حکم ماننے میں فلاح ہے۔

اس لئے سچائی کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اور پھر اس بارے میں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو ہر ایک جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں آجکل جھوٹ کی ہزاروں قسمیں نکل آئی ہیں، یہ جھوٹے سرٹیفکیٹ، جھوٹے بیانات وغیرہ یہ جھوٹ کی بدترین قسم ہے، اس میں اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ بہرحال، اس حدیث میں ایک بات تو یہ بیان فرمائی کہ بندے کے مکمل مؤمن ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے۔

بحث و مباحثہ سے پرہیز کریں

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ حق پر ہونے کے باوجود بحث و مباحثہ سے پرہیز کرے۔ ہماری زبان کی آفتوں میں سے ایک بڑی آفت "بحث و مباحثہ" بھی ہے، لوگوں کو اس کا بڑا ذوق ہے، جہاں چند افراد کی مجلس جمی اور کوئی موضوع نکلا، بس پھر اس موضوع پر بحث و مباحثہ شروع ہو گیا۔ وہ مباحثہ بھی ایسی فضول باتوں کا جن کا نہ تو دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت میں کوئی فائدہ۔ یاد رکھئے! یہ بحث و مباحثہ ایسی چیز ہے جو انسان کے باطن کو تباہ کر دیتا ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

المراء یذھب بنور العلم ''بحث و مباحثہ علم کے نور کو تباہ کر دیتا ہے''۔

اور بحث و مباحثہ کی عادت عالموں میں زیادہ ہوتی ہے، اس لئے کہ ہر عالم یہ سمجھتا ہے کہ میں زیادہ جانتا ہوں، اگر دوسرے نے کوئی بات کہہ دی تو اس سے بحث مباحثہ کرنے کو تیار، اور اس مباحثہ میں گھنٹوں خرچ ہو رہے ہیں، چاہے وہ مباحثہ زبانی ہو یا تحریری ہو۔ بس اسی میں وقت صرف ہو رہا ہے۔

اپنی رائے بیان کر کے علیحدہ ہو جائیں

سیدھی سی بات یہ ہے کہ اگر تمہاری رائے دوسرے کی رائے سے مختلف ہے تو تم اپنی رائے بیان کر دو کہ میری رائے یہ ہے اور دوسرے کی بات سن لو، اگر سمجھ میں آتی ہے تو قبول کر لو اور اگر سمجھ میں نہیں آتی تو بس یہ کہہ دو کہ تمہاری بات سمجھ میں نہیں آئی، تمہاری سمجھ میں جو آ رہا ہے تم اس پر عمل کر لو اور میری سمجھ میں جو آ رہا ہے میں اس پر عمل کروں گا۔ بحث کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ اس لئے کہ بحث و مباحثہ میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں دوسرے پر غالب آ جاؤں، میری بات اونچی رہے، اور دوسرے کو زیر کرنے کی فکر میں رہتا ہے، اس کے نتیجے میں پھر حق و باطل میں امتیاز باقی نہیں رہتا، بلکہ یہ فکر سوار ہوتی ہے کہ جس طرح بھی ہو بس دوسرے کو زیر کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ فرما دیا کہ اگر تم حق پر ہو اور صحیح بات کہہ رہے ہو اور دوسرا شخص غلط بات کہہ رہا ہے، پھر بھی بحث و مباحثہ مت کرو، بس اپنا صحیح موقف بیان کر دو اور اس سے کہہ دو کہ تمہاری سمجھ میں آئے تو قبول کر لو، اور اگر سمجھ میں نہ آئے تو تم جانو، تمہارا کام جانے۔ تو اس حدیث میں حق بات پر بھی بحث و مباحثہ سے ممانعت فرما دی۔

سورۃ کافرون کے نزول کا مقصد

سورۃ ''**قل یایھا الکافرون**'' جس کو ہم اور آپ نماز میں پڑھتے ہیں، یہ اسی مقصد کو بتانے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ وہ اس طرح کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا توحید کا پیغام کفار مکہ کے سامنے وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا، اس کے دلائل بیان فرما دیئے، لیکن

بیان کرنے کے بعد جب بحث ومباحثہ کی نوبت آ گئی، تو اس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی:

قل یا یھا الکفرون. لا اعبد ما تعبدون. ولا انتم عبدون ما اعبد. ولا انا عابد ما عبدتم. ولا انتم عبدون ما اعبد. لکم دینکم ولی دین. (سورۃ کافرون)

آپ فرما دیجئے کہ اے کافرو! تم جس کی عبادت کرتے ہو، میں اس کی عبادت نہیں کرتا، اور تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں، اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں، جس کی تم عبادت کرتے ہو، اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارا دین تمہارے ساتھ اور میرا دین میرے ساتھ"۔

مطلب یہ ہے کہ میں بحث ومباحثہ کرنا نہیں چاہتا، جو حق کے دلائل تھے وہ واضح کر کے بتا دیئے، سمجھا دیئے، اگر قبول کرنا ہو تو اپنی فلاح اور کامیابی کی خاطر قبول کرلو، آگے فضول بحث ومباحثہ میں وقت ضائع کرنا نہ تمہارے حق میں مفید ہے اور نہ میرے حق میں مفید ہے، لکم دینکم ولی دین۔ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔

دوسرے کی بات قبول کرلو ورنہ چھوڑ دو

دیکھئے، خالص کفر اور اسلام کے معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ یہ کہہ دو کہ میں جھگڑا نہیں کرتا اور بحث ومباحثہ میں نہیں پڑتا۔ جب کفر اور اسلام کے معاملے میں یہ حکم ہے تو اور دوسرے مسائل میں اس سے زیادہ بچنے کی ضرورت ہے، لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہر وقت ہمارے درمیان بحث ومباحثہ کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، یہ باطن کو خراب کرنے والی چیز ہے۔ اگر کسی سے کسی مسئلے پر کوئی بات کرنی ہو تو طلب حق کے ساتھ بات کرو، اور حق پہنچانے کے لئے بات کرو، اپنا موقف بیان کرو، دوسرے کا موقف سن لو، سمجھ میں آئے تو قبول کرلو، سمجھ میں نہ آئے تو چھوڑ دو بس، لیکن بحث نہ کرو۔

ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہو جائے گا

میرے پاس بے شمار لوگ خطوط کے اندر لکھتے رہتے ہیں کہ فلاں صاحب سے اس

مسئلے میں بحث ہوئی، وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں، ہم ان کا کیا جواب دیں؟ اب بتایئے، اگر یہ سلسلہ آگے اسی طرح جاری رہے کہ وہ ایک دلیل پیش کریں اور آپ مجھ سے پوچھ لیں کہ اس کا کیا جواب دیں؟ میں اس کا جواب بتادوں، پھر وہ کوئی دوسری دلیل پیش کریں تو پھر تم مجھ سے پوچھو گے کہ اس دلیل کا کیا جواب دیں، تو اس طرح ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہو جائے گا۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ بحث و مباحثہ ہی مت کرو، بلکہ اپنا مسلک بیان کردو کہ میرے نزدیک یہ حق ہے، میں اس پر کاربند ہوں، سامنے والا قبول کرلے تو ٹھیک، نہیں قبول کرتا تو اس سے یہ کہہ دو کہ تم جانو تمہارا کام جانے، میں جس راستے پر ہوں، اسی راستہ پر قائم رہوں گا۔ اس سے زیادہ آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تو یہی ہے کہ اگر تم سچے اور حق پر ہو، پھر بھی بحث و مباحثہ میں مت پڑو۔

مناظرہ مفید نہیں

آج کل ''مناظرہ'' کرنا اور اس مناظرے میں دوسرے کو شکست دینا ایک ہنر بن گیا ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب نئے نئے دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے تو اس وقت حضرت والا کو باطل فرقوں سے مناظرہ کرنے کا بہت شوق تھا، چنانچہ فارغ ہونے کے بعد کچھ عرصہ تک مناظروں کا یہ سلسلہ جاری رکھا، اور جب بھی کسی سے مناظرہ کرتے تو دوسرے کو زیر ہی کر دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے قوت بیان خوب عطا فرمائی تھی۔ لیکن حضرت خود فرماتے ہیں کہ کچھ دن کے بعد اس مناظرہ کے کام سے ایسا دل ہٹا کر اب میں کسی طرح بھی کسی سے مناظرہ کرنے کو تیار نہیں۔ فرمایا کہ جب میں مناظرہ کرتا تھا تو دل میں ایک ظلمت محسوس ہوتی تھی، پھر بعد میں ساری عمر کبھی مناظرہ نہیں کیا، بلکہ دوسروں کو بھی منع کرتے تھے کہ یہ کچھ فائدہ مند نہیں ہے، کہیں واقعی ضرورت پیش آجائے اور حق کی وضاحت مقصود ہو تو اور بات ہے، ورنہ اس کو اپنا مشغلہ بنانا اچھی بات نہیں۔ جب علماء کرام کے لئے یہ اچھی بات نہیں تو عام آدمی کے لئے دین کے مسائل پر بحث کرنا فضول بات ہے۔

فالتو عقل والے بحث ومباحثہ کرتے ہیں

اکبر الہ آبادی مرحوم جو اردو کے مشہور شاعر ہیں، انہوں نے اس بحث ومباحثہ کے بارے میں بڑا اچھا شعر کہا ہے کہ وہ یہ کہ:

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں　　　　فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

یعنی مذہبی بحث وہ کرے جس میں فالتو عقل ہو۔ ہر آدمی کو اس پر عمل کرنا چاہئے۔ البتہ اگر کوئی مسئلہ معلوم نہیں تو کسی جاننے والے سے پوچھ لو، کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے تو پوچھ لو، طالب حق بن کر معلوم کرلو، لیکن بحث ومباحثہ میں کچھ نہیں رکھا۔

بحث ومباحثہ سے ظلمت پیدا ہوتی ہے

اس حدیث کی تشریح میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحث ومباحثہ سے ظلمت پیدا ہوتی ہے، کیونکہ ایمان کا کامل نہ ہونا ظلمت ہے، اور اسی لئے تم اہل طریقت کو دیکھو گے کہ وہ بحث ومباحثہ سے سخت نفرت کرتے ہیں''۔

یعنی تصوف اور سلوک کے راستے پر چلنے والے، اولیاء اللہ بحث ومباحثہ سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ (وعظ بحث مباحثہ اور جھوٹ ترک کیجئے از اصلاحی خطبات ج ۹)

زبان کو قابو میں رکھنا

زبان اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم نعمت ہے۔ اس کے ذریعے انسان چاہے تو اپنی آخرت کے لئے نیکیوں کے خزانے جمع کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو اپنی آخرت برباد کر سکتا ہے۔ اس لئے حدیث میں زبان کو قابو میں رکھنے اور کم گوئی کی بہت فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے افضل عمل کیا ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا: "اپنے وقت پر نماز پڑھنا" میں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟" آپ ؐ نے فرمایا: أن يَّسْلَمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِکَ یہ بات کہ لوگ تمہاری زبان سے محفوظ رہیں۔ (ترغیب ص۳۰۲ ج۴ بحوالہ طبرانی باسناد صحیح)

یعنی زبان کو دوسروں کی دل آزاری سے، غیبت سے، دھوکہ دہی سے روکو۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "نجات کا طریقہ کیا ہے؟" آپ ؐ نے فرمایا: أَمْسِکْ عَلَيْکَ لِسَانَکَ وَلْيَسَعْکَ بَيْتُکَ وَابْکِ عَلَى خَطِيْئَتِکَ اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور تمہارا گھر تمہارے لئے کافی ہو جائے اور اپنے گناہ پر روؤ۔ (ابوداؤد و ترمذی)

گھر کے کافی ہونے سے مراد یہ ہے کہ بلا ضرورت گھر سے باہر نکل کر فتنے میں مبتلا نہ ہو اور گناہ پر رونے سے مراد گناہ پر اظہار ندامت اور توبہ کرنا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "کیا میں تمہیں دو ایسے عمل نہ بتاؤں جن کا بوجھ انسان پر بہت ہلکا، لیکن میزان عمل میں بہت بھاری ہے؟" حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! ضرور بتایئے۔" آپ ؐ نے فرمایا۔

عَلَيْکَ بِحُسْنِ الْخُلُقِ، وَطُوْلِ الصَّمْتِ

خوش اخلاقی اور کثرت سے خاموش رہنے کی پابندی کرو۔

(ترغیب ص۳۱۲ ج۴ بحوالہ طبرانی و ابو یعلی و رجالہ ثقات)

ایک مرتبہ آپ ؐ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی یہی بات ارشاد فرمائی۔ (ایضا بحوالہ ابوالشیخ)

دوسروں کے حق ادا کرنے میں کوتاہی

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ویل للمطففین، الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون. واذا کالوھم اووزنوھم یخسرون. الا یظن اولئک انھم مبعوثون. لیوم عظیم. یوم یقوم الناس لرب العالمین. (سورۃ المطففین:۱تا۶)

کم تولنا، ایک عظیم گناہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بہت بڑے گناہ اور معصیت کی طرف متوجہ فرمایا ہے، وہ گناہ ہے، "کم ناپنا اور کم تولنا" یعنی جب کوئی چیز کسی کو بیچی جائے تو جتنا اس خریدنے والے کا حق ہے، اس سے کم تول کر دے۔ عربی میں کم ناپنے اور کم تولنے کو "**تطفیف**" کہا جاتا ہے، اور یہ "**تطفیف**" صرف تجارت اور لین دین کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ "**تطفیف**" کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ وہ یہ کہ دوسرے کا جو بھی حق ہمارے ذمے واجب ہے، اس کو اگر اس کا حق کم کر کے دیں تو یہ "**تطفیف**" کے اندر داخل ہے۔

آیات کا ترجمہ

آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ کم ناپنے اور کم تولنے والوں کے لئے افسوس ہے، (اللہ تعالیٰ نے "ویل" کا لفظ استعمال فرمایا، "ویل" کے ایک معنی تو "افسوس" کے آتے ہیں دوسرے معنی اس کے ہیں "دردناک عذاب" اس دوسرے معنی کے لحاظ سے آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ) ان لوگوں پر دردناک عذاب ہے جو دوسروں کا حق کم دیتے ہیں۔ اور کم ناپتے اور کم تولتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب دوسروں سے اپنا حق وصول کرنے کا موقع آتا ہے تو اس وقت اپنا حق پورا پورا لیتے ہیں۔ (اس وقت تو ایک دمڑی بھی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے۔) لیکن جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دینے کا موقع آتا ہے تو اس وقت (ڈنڈی

مار دیتے ہیں) کم کر دیتے ہیں۔ (جتنا حق دینا چاہئے تھا۔ اتنا نہیں دیتے)۔ (آگے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ) ''کیا ان لوگوں کا یہ خیال نہیں کہ ایک عظیم دن میں دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، جس دن سارے انسان رب العالمین کے سامنے پیش ہونگے'' (اوراس وقت انسان کو اپنے چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں ہوگا، اوراس دن ہمارا اعمال نامہ ہمارے سامنے آجائے گا، تو کیا ان لوگوں کو یہ خیال نہیں کہ اس وقت کم ناپ کر اور کم تول کر دنیا کے چند ٹکوں کا جو تھوڑا سا فائدہ اور نفع حاصل کر رہے ہیں، یہ چند ٹکوں کا فائدہ ان کے لئے جہنم کے عذاب کا سبب بن جائے گا۔ اس لئے قرآن کریم نے بار بار کم ناپنے اور کم تولنے کی برائی بیان فرمائی، اوراس سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا واقعہ بھی بیان فرمایا)۔

قوم شعیب علیہ السلام کا جرم

حضرت شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے۔ اس وقت ان کی قوم بہت سی معصیتوں اور نافرمانیوں میں مبتلا تھی، کفر، شرک اور بت پرستی میں تو مبتلا تھی۔ اس کے علاوہ پوری قوم کم ناپنے اور کم تولنے میں مشہور تھی، تجارت کرتے تھے، لیکن اس میں لوگوں کا حق پورا نہیں دیتے تھے، دوسری طرف وہ ایک انسانیت سوز حرکت یہ کرتے تھے کہ مسافروں کو راستے میں ڈرایا کرتے اوران پر حملہ کر کے لوٹ لیا کرتے تھے چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو کفر، شرک اور بت پرستی سے منع کیا۔ اور توحید کی دعوت دی، اور کم ناپنے کم تولنے اور مسافروں کو راستے میں ڈرانے اوران پر حملہ کرنے سے بچنے کا حکم دیا، لیکن وہ قوم اپنی بداعمالیوں میں مست تھی، اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام کی بات ماننے کے بجائے ان سے یہ پوچھا کہ:

'' اصلوتک تامرک ان نترک ما یعبد اباؤنا او ان نفعل فی اموالنا مانشؤا '' (سورۃ ھود: ۸۷)

یعنی کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دے رہی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء واجداد عبادت کرتے تھے، یا ہم اپنے مال میں جس طرح چاہیں، تصرف کرنا چھوڑ دیں۔

یہ ہمارا مال ہے ہم اسے جس طرح چاہیں، حاصل کریں چاہے کم تول کر حاصل کریں یا کم ناپ کر حاصل کریں۔ یا دھوکہ دے کر حاصل کریں۔ تم ہمیں روکنے والے کون ہو؟ ان باتوں کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام ان کو محبت اور شفقت کے ساتھ سمجھاتے رہے۔ اور اللہ کے عذاب سے اور آخرت کے عذاب سے ڈراتے رہے، لیکن یہ لوگ باز نہ آئے۔ اور بالآخر ان کا وہی انجام ہوا جو نبی کی بات نہ ماننے والوں کا ہوتا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عذاب بھیجا جو شاید کسی اور قوم کی طرف نہیں بھیجا گیا۔

قوم شعیب علیہ السلام پر عذاب

وہ عذاب ان پر اس طرح آیا کہ پہلے تین دن متواتر پوری بستی میں سخت گرمی پڑی، اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آسمان سے انگارے برس رہے ہیں اور زمین آگ اُگل رہی ہے، حبس اور تپش نے ساری بستی والوں کو پریشان کر دیا، تین دن کے بعد بستی والوں نے دیکھا کہ اچانک ایک بادل کا ٹکڑا بستی کی طرف آرہا ہے، اور اس بادل کے نیچے ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں، چونکہ بستی کے لوگ تین دن سے سخت گرمی کی وجہ سے بلبلائے ہوئے تھے۔ اس لئے سارے بستی والے بہت اشتیاق کے ساتھ بستی چھوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے، تاکہ یہاں ٹھنڈی ہواؤں کا لطف اٹھائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بادل کے نیچے اس لئے جمع کرنا چاہتے تھے تاکہ سب پر ایک ساتھ عذاب نازل کر دیا جائے، چنانچہ جب وہ سب وہاں جمع ہو گئے تو وہی بادل جس میں سے ٹھنڈی ہوائیں آرہی تھی۔ اس میں سے آگ کے انگارے برسنا شروع ہو گئے۔ اور ساری قوم ان انگاروں کا نشانہ بن کر جھلس کر ختم ہو گئی۔ اسی واقعہ کی طرف قرآن کریم نے ان الفاظ سے اشارہ فرمایا کہ:

" فکذبوہ فاخذھم عذاب یوم الظلة " . (سورۃ الشعراء:۱۸۹)

ترجمہ: یعنی انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا، اس کے نتیجے میں ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔

ایک اور جگہ فرمایا: فتلک مساکنھم لم تسکن من بعدھم الا قلیلا و کنا نحن الوارثین. (سورۃ القصص:۸۵)

18 یعنی یہ ان کی بستیاں دیکھو، جو ان کی ہلاکت کے بعد آباد بھی نہیں ہو سکیں، مگر بہت کم، ہم ہی ان کے سارے مال و دولت اور جائیداد کے وارث بن گئے۔ وہ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ کم ناپ کر، کم تول کر، ملاوٹ کر کے، دھوکہ دے کر ہم اپنے مال و دولت میں اضافہ کریں گے، لیکن وہ ساری دولت دھری کی دھری رہ گئی۔

یہ آگ کے انگارے ہیں

اگر تم نے ڈنڈی مار کر ایک تولہ، یا دو تولہ، ایک چھٹانک یا دو چھٹانک مال خریدار کو کم دے دیا، اور چند پیسے کما لئے، دیکھنے میں تو یہ پیسے ہیں۔ لیکن حقیقت میں آگ کے انگارے ہیں۔ جس کو تم اپنے پیٹ میں ڈال رہے ہو، حرام مال اور حرام کھانے کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا ". (سورۃ النساء:۱۰)

یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں۔ وہ در حقیقت اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، جو لقمے حلق سے نیچے اتر رہے ہیں یہ حقیقت میں آگ کے انگارے ہیں، اگرچہ دیکھنے میں وہ روپیہ پیسہ اور مال و دولت نظر آ رہا ہے۔ کیونکہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے اور اللہ کی معصیت اور نافرمانی کر کے یہ پیسے حاصل کئے گئے ہیں۔ یہ پیسے اور یہ مال و دولت دنیا میں بھی تباہی کا سبب ہے۔ اور آخرت میں بھی تباہی کا ذریعہ ہے۔

اجرت کم دینا گناہ ہے

اور یہ کم ناپنا اور کم تولنا صرف تجارت کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے۔ بلکہ کم ناپنا اور کم تولنا اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما جو امام المفسرین ہیں، سورۃ مطففین کی ابتدائی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" شدة العذاب یومئذ للمطففین من الصلاة والزکاة والصیام وغیر ذلک من العبادات". (تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: سورۃ مطففین)

یعنی قیامت کے روز سخت عذاب ان لوگوں کو بھی ہوگا جو اپنی نماز، زکوٰۃ اور روزے اور دوسری عبادات میں کمی کرتے ہیں۔" اس سے معلوم ہوا کہ عبادات میں کوتاہی کرنا۔ اس کو پورے آداب کے ساتھ ادا نہ کرنا بھی **تطفیف** کے اندر داخل ہے۔

مزدور کو مزدوری فوراً دے دو

یا مثلاً ایک آقا مزدور سے پورا پورا کام لیتا ہے، اس کو ذرا سی بھی سہولت دینے کو تیار نہیں ہے، لیکن تنخواہ دینے کے وقت اس کی جان نکلتی ہے، اور پوری تنخواہ نہیں دیتا، یا صحیح وقت پر نہیں دیتا۔ ٹال مٹول کرتا ہے، یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔ اور تطفیف میں داخل ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ. (ابن ماجہ)

یعنی مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو۔ اس لئے کہ جب تم نے اس سے مزدوری کرالی کام لے لیا تو اب مزدوری دینے میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔

نوکر کو کھانا کیسا دیا جائے؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک نوکر رکھا، اور نوکر سے یہ طے کیا کہ تمہیں ماہانہ اتنی تنخواہ دی جائے گی۔ اور روزانہ دو وقت کا کھانا دیا جائے گا، لیکن جب کھانے کا وقت آیا تو خود تو خوب پلاؤ زردے اڑائے۔ اعلیٰ درجے کا کھانا کھایا، اور بچا کچا کھانا جس کو ایک معقول اور شریف آدمی پسند نہ کرے۔ وہ نوکر کے حوالے کردیا۔ تو یہ بھی "تطفیف" ہے، اس لئے کہ جب تم نے اس کے ساتھ دو وقت کا کھانا طے کرلیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کو اتنی مقدار میں ایسا کھانا دوگے جو ایک معقول آدمی پیٹ بھر کر کھا سکے، لہٰذا اب اس کو بچا کچا کھانا دینا اس کی حق تلفی اور اس کے ساتھ ناانصافی ہے، لہٰذا یہ بھی "تطفیف" کے اندر داخل ہوگی۔

ملازمت کے اوقات میں ڈنڈی مارنا

یا مثلاً ایک شخص کسی محکمے میں، کسی دفتر میں آٹھ گھنٹے کا ملازم ہے، تو گویا کہ اس نے یہ

آٹھ گھنٹے اس محکمے کے ہاتھ فروخت کردیئے ہیں، اور یہ معاہدہ کرلیا ہے کہ میں آٹھ گھنٹے آپ کے پاس کام کروں گا۔ اور اس کے عوض اس کو اجرت اور تنخواہ ملے گی، اب اگر وہ اجرت تو پوری لیتا ہے، لیکن اس آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی میں کمی کرلیتا ہے، اور اس میں سے کچھ وقت اپنے ذاتی کاموں میں صرف کرلیتا ہے تو اس کا یہ عمل بھی ''تطفیف'' کے اندر داخل ہے، حرام ہے۔ گناہ کبیرہ ہے یہ بھی اسی طرح گناہ گار ہے جس طرح کم ناپنے اور کم تولنے والا گناہ گار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے اگر آٹھ گھنٹے کے بجائے سات گھنٹے کام کیا۔ تو ایک گھنٹے کی ڈیوٹی ماردی، گویا کہ اجرت کے وقت اپنا حق اجرت تو پورا لے رہا ہے۔ اور جب دوسروں کے حق دینے کا وقت آیا تو کم دے رہا ہے۔ لہٰذا تنخواہ کا وہ حصہ حرام ہوگا جو اس وقت کے بدلے میں ہوگا جو اس نے اپنے ذاتی کاموں میں صرف کیا۔

ایک ایک منٹ کا حساب ہوگا

کسی زمانے میں تو دفتروں میں ذاتی کام چوری چھپے ہوا کرتے تھے۔ مگر آج کل دفتروں کا یہ حال ہے کہ ذاتی کام چوری چھپے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ کھلم کھلا، علانیہ، ڈنکے کی چوٹ پر کیا جاتا ہے۔ اپنے مطالبات پیش کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں کہ تنخواہیں بڑھاؤ، الاؤنس بڑھاؤ، فلاں فلاں مراعات ہمیں دو، اور اس مقصد کے لئے احتجاج کرنے، جلسے جلوس کرنے اور نعرے لگانے کے لئے، ہڑتال کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے ذمے کیا حقوق عائد ہورہے ہیں؟ ہم ان کو ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟ ہم نے آٹھ گھنٹے کی ملازمت اختیار کی تھی۔ ان آٹھ گھنٹوں کو کتنی دیانت اور امانت کے ساتھ خرچ کیا۔ اس کی طرف بالکل دھیان نہیں جاتا۔ یاد رکھو، ایسے ہی لوگوں کے لئے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ جو دوسرے کے حقوق میں کمی کرتے ہیں۔ اور جب دوسروں سے حق وصول کرنے کا وقت آتا ہے تو اس وقت پورا پورا لیتے ہیں، یاد رکھو، اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک ایک منٹ کا حساب ہوگا۔ اس میں کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔

سرکاری دفاتر کا حال

ایک سرکاری محکمے کے ذمہ دار افسر نے مجھے بتایا کہ میرے ذمے یہ ڈیوٹی ہے کہ میں ملازموں کی حاضری لگاؤں۔ ایک ہفتہ کے بعد ہفتہ بھر کا چٹھہ تیار کر کے افسر بالا کو پیش کرتا ہوں، تاکہ اس کے مطابق تنخواہیں تیار کی جائیں، اور میرے محکمے میں نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو مار پیٹ والے نوجوان ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ اولاً تو دفتر میں آتے ہی نہیں ہیں، اور اگر کبھی آتے بھی ہیں تو ایک دو گھنٹے کے لئے آتے ہیں، اور یہاں آ کر بھی یہ کرتے ہیں کہ دوستوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ کینٹین میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں، اور مشکل سے آدھا گھنٹہ دفتری کام کرتے ہیں، اور چلے جاتے ہیں۔ میں نے حاضری کے رجسٹر میں لکھ دیا کہ یہ حاضر نہیں ہوئے تو وہ لوگ پستول اور ریوالور لے کر مجھے مارنے کے لئے آ گئے، اور کہا کہ ہماری حاضری کیوں نہیں لگائی؟ فوراً ہماری حاضری لگاؤ۔

اب مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ اگر حاضری لگاتا ہوں تو جھوٹ ہوتا ہے، اور اگر نہیں لگاتا ہوں تو ان لوگوں کے غیض و غضب کا نشانہ بنتا ہوں۔ میں کیا کروں؟ آج ہمارے دفتروں کا یہ حال ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی

اور سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے، اس حق کی ادائیگی میں کمی کرنا بھی کم ناپنے اور کم تولنے میں داخل ہے، مثلاً نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور نماز کا طریقہ بتا دیا گیا کہ اس طرح قیام کرو، اس طرح رکوع کرو، اس طرح سجدہ کرو، اس طرح اطمینان کے ساتھ اور اس طرح اطمینان کے ساتھ سارے ارکان ادا کرو، اب آپ نے جلدی جلدی بغیر اطمینان کے ایک منٹ کے اندر نماز پڑھ لی۔ نہ سجدہ اطمینان سے کیا۔ نہ رکوع اطمینان سے کیا۔ تو آپ نے اللہ کے حق میں کوتاہی کر دی، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صاحب نے جلدی جلدی نماز ادا کر لی۔ نہ رکوع اطمینان سے کیا۔ نہ سجدہ اطمینان سے کیا۔ تو ایک صحابی نے ان کی نماز دیکھ کر فرمایا کہ: لقد طففت

تم نے نماز کے اندر تطفیف کی، یعنی اللہ تعالیٰ کا پورا حق ادا نہیں کیا۔

یاد رکھیے، کسی کا بھی حق ہو، چاہے اللہ تعالیٰ کا حق ہو، یا بندے کا حق ہو، اس میں جب کمی اور کوتاہی کی جائے گی تو یہ بھی ناپ تول میں کمی کے حکم میں داخل ہوگی۔ اور اس پر وہ ساری وعیدیں صادق آئیں گی جو قرآن کریم نے ناپ تول کی کمی پر بیان کی ہیں۔

ملاوٹ کرنا حق تلفی ہے

اسی طرح ''تطفیف'' کے وسیع مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جو چیز فروخت کی، وہ خالص فروخت نہیں، بلکہ اس کے اندر ملاوٹ کر دی، یہ ملاوٹ کرنا کم ناپنے اور کم تولنے میں اس لحاظ سے داخل ہے کہ مثلاً آپ نے ایک سیر آٹا فروخت کیا۔ لیکن اس ایک سیر آٹے میں خالص آٹا تو آدھا سیر ہے۔ اور آدھا سیر کوئی اور چیز ملا دی ہے۔ اس ملاوٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ خریدار کا جو حق تھا کہ اس کو ایک سیر آٹا ملتا۔ وہ حق اس کو پورا نہیں ملا اسلئے یہ بھی حق تلفی میں داخل ہے۔

اگر تھوک فروش ملاوٹ کرے؟

بعض لوگ یہ اشکال پیش کرتے ہیں کہ ہم خوردہ فروش ہیں ہمارے پاس تھوک فروشوں کی طرف سے جیسا مال آتا ہے، وہ ہم آگے فروخت کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں ہم ملاوٹ نہیں کرتے، ملاوٹ تو تھوک فروش کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں لامحالہ وہ چیز ویسی ہی آگے فروخت کرنی پڑتی ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک شخص خود مال نہیں بناتا، اور نہ ملاوٹ کرتا ہے، بلکہ دوسرے سے مال لے کر آگے فروخت کرتا ہے تو اس صورت میں خریدار کے سامنے یہ بات واضح کر دے کہ میں اس بات کا ذمہ دار نہیں کہ اس میں کتنی اصلیت ہے، اور کتنی ملاوٹ ہے۔ البتہ میری معلومات کے مطابق اتنی اصلیت ہے، اور اتنی ملاوٹ ہے۔

خریدار کے سامنے وضاحت کر دے

لیکن ہمارے بازاروں میں بعض چیزیں ایسی ہیں۔ جو اصلی اور خالص ملتی ہی نہیں ہیں، بلکہ جہاں سے بھی لوگے، وہ ملاوٹ شدہ ہی ملے گی، اور سب لوگوں کو یہ بات معلوم بھی

ہے کہ یہ چیز اصلی نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ملاوٹ ہے۔ ایسی صورت میں وہ تاجر جو اس چیز کو دوسرے سے خرید کر لایا ہے۔ اس کے ذمے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر ہر شخص کو اس چیز کے بارے میں بتائے۔ اس لئے کہ ہر شخص کو اس کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ خالص نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ خیال ہو کہ خریدنے والا اس چیز کی حقیقت سے بے خبر ہے تو اس صورت میں اس کو بتانا چاہئے کہ یہ چیز خالص نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ملاوٹ ہے۔

عیب کے بارے میں گاہک کو بتا دے

اسی طرح اگر بیچے جانے والے سامان میں کوئی عیب ہو، وہ عیب خریدار کو بتا دینا چاہئے، تاکہ وہ شخص اس عیب کے ساتھ اس کو خریدنا چاہتا ہے تو خرید لے، ورنہ چھوڑ دے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **من باع عیبا لم یبینه لم یزل فی مقت اللہ ، ولم تزل الملائکة تلعنه** " (ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب من باع عیبا فلیبینہ)

یعنی جو شخص عیب دار چیز فروخت کرے، اور اس عیب کے بارے میں وہ خریدار کو نہ بتائے کہ اس کے اندر یہ خرابی ہے تو ایسا شخص مسلسل اللہ کے غضب میں رہے گا، اور ملائکہ ایسے آدمی پر مسلسل لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔"

دھوکہ دینے والا ہم میں سے نہیں

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لے گئے، وہاں آپ نے دیکھا کہ ایک شخص گندم بیچ رہا ہے، آپ اس کے قریب تشریف لے گئے۔ اور گندم کی ڈھیری میں اپنا ہاتھ ڈال کر اس کو اوپر نیچے کیا تو یہ نظر آیا کہ اوپر تو اچھا گندم ہے، اور نیچے بارش اور پانی کے اندر گیلا ہو کر خراب ہو جانے والا گندم ہے، اب دیکھنے والا جب اوپر سے دیکھتا ہے تو اس کو یہ نظر آتا ہے کہ گندم بہت اچھا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ تم نے یہ خراب والا گندم اوپر کیوں نہیں رکھا، تاکہ خریدار کو معلوم ہو جائے کہ یہ گندم ایسا ہے۔ وہ لینا چاہے تو لے لے۔ نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے، اس شخص نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ، بارش کی وجہ سے کچھ گندم خراب ہو گئی تھی۔ اس لئے میں نے اس کو نیچے کر دیا،

آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، بلکہ اس کو اوپر کر دو اور پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

من غش فلیس منا۔ (صحیح مسلم)

جو شخص دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں، یعنی جو شخص ملاوٹ کر کے دھوکہ دے کہ بظاہر تو خالص چیز بیچ رہا ہے لیکن حقیقت میں اس میں کوئی دوسری چیز ملا دی گئی ہے یا بظاہر تو پوری چیز دے رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ اس سے کم دے رہا ہے تو یہ غش اور دھوکہ ہے اور جو شخص یہ کام کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے، یعنی مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ دیکھئے ایسے شخص کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کتنی سخت بات فرما رہے ہیں، لہٰذا جو چیز بیچ رہے ہو، اس کی حقیقت خریدار کو بتا دو کہ اس کی یہ حقیقت ہے، لیکن خریدار کو دھوکے میں اور اندھیرے میں رکھنا منافقت ہے، مسلمان اور مومن کا شیوہ نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دیانتداری

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے ہم اور آپ سب مقلد ہیں، بہت بڑے تاجر تھے، کپڑے کی تجارت کرتے تھے، لیکن بڑے سے بڑے نفع کو اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے قربان کر دیا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ان کے پاس کپڑے کا ایک تھان آیا، جس میں کوئی عیب تھا، چنانچہ آپ نے اپنے ملازموں کو جو دکان پر کام کرتے تھے، کہہ دیا کہ یہ تھان فروخت کرتے وقت گاہک کو بتا دیا جائے کہ اس کے اندر یہ عیب ہے۔ چند روز کے بعد ایک ملازم نے وہ تھان فروخت کر دیا۔ اور عیب بتانا بھول گیا، جب امام صاحب نے پوچھا کہ اس عیب دار تھان کا کیا ہوا؟ اس ملازم نے بتایا کہ حضرت میں نے اس کو فروخت کر دیا۔ اب اگر کوئی اور مالک ہوتا تو وہ ملازم کو شاباش دیتا کہ تم نے عیب دار تھان فروخت کر دیا۔ مگر امام صاحب نے پوچھا کہ کیا تم نے اس کو اس کا عیب بتا دیا تھا؟ ملازم نے جواب دیا کہ میں عیب بتانا تو بھول گیا، آپ نے پورے شہر کے اندر اس گاہک کی تلاش شروع کر دی جو وہ عیب دار تھان خرید کر لے گیا تھا۔ کافی تلاش کے بعد وہ گاہک مل گیا تو آپ نے اس کو بتایا کہ جو تھان آپ میری دکان سے خرید کر لائے ہیں۔ اس میں فلاں عیب ہے، اس لئے آپ وہ تھان

مجھے واپس کر دیں اور اگر اسی عیب کے ساتھ رکھنا چاہیں تو آپ کی خوشی۔

آج ہمارا حال

آج ہم لوگوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ عیب نہیں بتاتے، بلکہ جانتے ہیں کہ یہ عیب دار سامان ہے اس میں فلاں خرابی ہے۔ اس کے باوجود قسمیں کھا کھا کر یہ باور کراتے ہیں کہ یہ بہت اچھی چیز ہے، اعلیٰ درجے کی ہے، اس کو خرید لیں۔

ہمارے اوپر یہ جو اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو رہا ہے کہ پورا معاشرہ عذاب میں مبتلا ہے۔ ہر شخص بدامنی اور بے چینی اور پریشانی میں ہے، کسی شخص کی بھی جان، مال، آبرو محفوظ نہیں ہے۔ یہ عذاب ہمارے انہیں گناہوں کا نتیجہ اور وبال ہے کہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کو چھوڑ دیا۔ سامان فروخت کرتے وقت اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے واضح نہیں کرتے، ملاوٹ، دھوکہ، فریب عام ہو چکا ہے۔

بیوی کے حقوق میں کوتاہی گناہ ہے

اسی طرح آج شوہر بیوی سے تو سارے حقوق وصول کرنے کو تیار ہے۔ وہ ہر بات میں میری اطاعت بھی کرے، کھانا بھی پکائے، گھر کا انتظام بھی کرے، بچوں کی پرورش بھی کرے، ان کی تربیت بھی کرے، اور میرے ماتھے پر شکن بھی نہ آنے دے۔ اور چشم و آبرو کے اشارے کی منتظر رہے، یہ سارے حقوق وصول کرنے کو شوہر تیار ہے۔ لیکن جب بیوی کے حقوق ادا کرنے کا وقت آئے، اس وقت ڈنڈی مار جائے، اور ان کو ادا نہ کرے، حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے شوہروں کو حکم فرما دیا ہے کہ:

وعاشروهن بالمعروف. (سورۃ النساء:۱۹)

یعنی بیویوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **خیارکم خیارکم لنساءھم** (ترمذی)

یعنی تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہو۔

ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

استو صوا بالنساء خیرا۔ (صحیح بخاری)
یعنی عورتوں کے حق میں بھلائی کرنے کی نصیحت کو قبول کرلو یعنی ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو۔
اللہ اور اللہ کے رسول تو ان کے حقوق کی ادائیگی کی اتنی تاکید فرما رہے ہیں۔ لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اپنی عورتوں کے پورے حقوق ادا کرنے کو تیار نہیں، یہ سب کم ناپنے اور کم تولنے کے اندر داخل ہے۔ اور شرعاً حرام ہے۔

مہر معاف کرانا حق تلفی ہے

ساری زندگی میں بے چاری عورت کا ایک ہی مالی حق شوہر کے ذمے واجب ہوتا ہے۔ وہ ہے مہر، وہ بھی شوہر ادا نہیں کرتا۔ ہوتا یہ ہے کہ ساری زندگی تو مہر ادا نہیں کیا۔ جب مرنے کا وقت قریب آیا تو بستر مرگ پر پڑے ہیں۔ دنیا سے جانے والے ہیں۔ رخصتی کا منظر ہے، اس وقت بیوی سے کہتے ہیں کہ مہر معاف کر دو، اب اس موقع پر بیوی کیا کرے؟ کیا رخصت ہونے والے شوہر سے یہ کہہ دے کہ میں معاف نہیں کرتی، چنانچہ اس کو مہر معاف کرنا پڑتا ہے۔ ساری عمر اس سے فائدہ اٹھایا، ساری عمر تو اس سے حقوق طلب کئے۔ لیکن اس کا حق دینے کا وقت آیا تو اس میں ڈنڈی مار گئے۔

نفقہ میں کمی حق تلفی ہے

یہ تو مہر کی بات تھی، نفقہ کے اندر شریعت کا یہ حکم ہے کہ اس کو اتنا نفقہ دیا جائے کہ وہ آزادی اور اطمینان کے ساتھ گزارہ کر سکے، اگر اس میں کمی کرے گا تو یہ بھی کم ناپنے اور کم تولنے کے اندر داخل ہے۔ اور حرام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس کسی کا کوئی حق دوسرے کے ذمے واجب ہو۔ وہ اس کو پورا ادا کرے۔ اس میں کمی نہ کرے، ورنہ اس عذاب کا مستحق ہو گا جس عذاب کی وعید اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمائی ہے۔

یہ ہمارے گناہوں کا وبال ہے

ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب ہم مجلس جما کر بیٹھتے ہیں تو حالات پر تبصرہ کرتے ہیں کہ بہت حالات خراب ہو رہے ہیں۔ بد امنی ہے، بے چینی ہے، ڈاکے پڑ رہے ہیں،

جان محفوظ نہیں، مال محفوظ نہیں، معاشی بدحالی کے اندر مبتلا ہیں۔ یہ سب تبصرے ہوتے ہیں۔ لیکن کوئی شخص ان تمام پریشانیوں کا حل تلاش کر کے اس کا علاج کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ مجلس کے بعد دامن جھاڑ کر اٹھ جاتے ہیں۔

ارے، یہ دیکھو کہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ خود سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ کوئی کرنے والا کر رہا ہے۔ اس کائنات کا کوئی ذرہ اور کوئی پتہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا، لہٰذا اگر بدامنی اور بے چینی آ رہی ہے تو اس کی مشیت سے آ رہی ہے۔ اگر سیاسی بحران پیدا ہو رہا ہے تو وہ بھی اللہ کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ اگر چوریاں اور ڈکیتیاں ہو رہی ہیں تو اسی کی مشیت سے ہو رہی ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر" (سورۃ الشوریٰ:۳۰)

یعنی جو کچھ تمہیں برائی یا مصیبت پہنچ رہی ہے۔ وہ سب تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے ہے، اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، دوسری جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

ولو یواخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علی ظہرھا من دابة. (سورۃ الفاطر:۴۵)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ہر گناہ پر پکڑ کرنے پر آ جائیں تو روئے زمین پر کوئی چلنے والا جانور باقی نہ رہے۔ سب ہلاک و برباد ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور اپنی رحمت سے بہت سے گناہ معاف کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جب تم حد سے بڑھ جاتے ہو، اس وقت اس دنیا کے اندر بھی تم پر عذاب نازل کئے جاتے ہیں۔ تا کہ تم سنبھل جاؤ، اگر اب بھی سنبھل گئے تو تمہاری باقی زندگی بھی درست ہو جائے گی، اور آخرت بھی درست ہو جائے گی، لیکن اگر اب بھی نہ سنبھلے تو یاد رکھو، دنیا کے اندر تو تم پر عذاب آ ہی رہا ہے، اللہ بچائے۔ آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

حرام کے پیسوں کا نتیجہ

آج ہر شخص اس فکر میں ہے کہ کسی طرح دو پیسے جلدی سے ہاتھ آ جائیں، کل کے بجائے آج ہی مل جائیں، چاہے حلال طریقے سے ملیں، یا حرام طریقے سے ملیں، دھوکہ دے کر ملیں، یا

فریب دے کر ملیں، یا دوسرے کی جیب کاٹ کر ملیں۔ لیکن مل جائیں۔ یاد رکھو، اس فکر کے نتیجے میں تمہیں دو پیسے مل جائیں گے، لیکن یہ دو پیسے نہ جانے کتنی بڑی رقم تمہاری جیب سے نکال کر لے جائیں گے، یہ دو پیسے دنیا میں تمہیں کبھی امن اور سکون نہیں دے سکتے، یہ دو پیسے تمہیں چین کی زندگی نہیں دے سکتے، اس لئے کہ یہ دو پیسے تم نے حرام طریقے سے، اور دوسرے کی جیب پر ڈاکہ ڈال کر، دوسرے انسان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر حاصل کئے ہیں۔ لہٰذا گنتی میں تو یہ پیسے شاید اضافہ کر دیں، لیکن تمہیں چین لینے نہیں دیں گے۔ اور کوئی دوسرا شخص تمہاری جیب پر ڈاکہ ڈال دے گا، اور اس سے زیادہ نکال کر لے جائے گا، آج بازاروں میں یہی ہو رہا ہے کہ آپ نے ملاوٹ کر کے دھوکہ دے کر پیسے کمائے۔ دوسری طرف دو مسلح افراد آپ کی دکان میں داخل ہوئے۔ اور اسلحہ کے زور پر آپ کا سارا اثاثہ اٹھا کر لے گئے۔ اب بتایئے، جو پیسے آپ نے حرام طریقے سے کمائے تھے۔ وہ فائدہ مند ثابت ہوئے، یا نقصان دہ ثابت ہوئے؟ لیکن اگر تم حرام طریقہ اختیار نہ کرتے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست رکھتے تو اس صورت میں یہ پیسے اگرچہ گنتی میں کچھ کم ہوتے۔ لیکن تمہارے لئے آرام اور سکون اور چین کا ذریعہ بنتے۔

عذاب کا سبب گناہ ہیں

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو بہت امانت اور دیانت کے ساتھ پیسے کمائے تھے، اس کے باوجود ہماری دکان پر بھی ڈاکو آ گئے، اور لوٹ کر لے گئے۔ بات یہ ہے کہ ذرا غور کرو کہ اگرچہ تم نے امانت اور دیانت سے کمائے تھے۔ لیکن یقین کرو کہ تم سے کوئی نہ کوئی گناہ ضرور سرزد ہوا ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ یہی فرما رہے ہیں کہ جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچ رہی ہے۔ وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے پہنچ رہی ہے، ہوسکتا ہے کہ تم نے کوئی گناہ کیا ہو، لیکن اس کا خیال اور دھیان نہیں کیا، ہوسکتا ہے کہ تم نے زکوٰۃ پوری ادا نہ کی ہو، یا زکوٰۃ کا حساب صحیح نہ کیا ہو۔ یا اور کوئی گناہ کیا ہو۔ اس کے نتیجے میں یہ عذاب تم پر آیا ہو۔

یہ عذاب سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا

دوسرے یہ کہ جب کوئی گناہ معاشرے میں پھیل جاتا ہے، اور اس گناہ سے کوئی

روکنے والا بھی نہیں ہوتا تو اس وقت جب اللہ تعالیٰ کا کوئی عذاب آتا ہے تو عذاب یہ نہیں دیکھتا کہ کس نے اس گناہ کا ارتکاب کیا تھا، اور کس نے نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ عذاب عام ہوتا ہے تمام لوگ اس کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة. (سورۃ الانفال:۲۵)

یعنی اس عذاب سے ڈرو، جو صرف ظالموں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا، بلکہ جو لوگ ظلم سے علیحدہ تھے۔ وہ بھی اس عذاب میں پکڑے جائیں گے، اس لئے کہ اگرچہ یہ لوگ خود تو ظالم نہیں تھے۔ لیکن کبھی ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش نہیں کی۔ کبھی ظلم کو مٹانے کی جدوجہد نہیں کی، اس ظلم کے خلاف ان کی پیشانی پر بل نہیں آیا، اس لئے گویا کہ وہ بھی اس ظلم میں ان کے ساتھ شامل تھے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ہم تو بڑی امانت اور دیانت کے ساتھ تجارت کر رہے تھے، اس کے باوجود ہمارے ہاں چوری ہوگئی۔ اور ڈاکہ پڑ گیا، اتنی بات کہہ دینا کافی نہیں۔ اس لئے کہ اس امانت اور دیانت کو دوسروں تک پہنچانے کا کام تم نے انجام نہیں دیا، اس کو چھوڑ دیا۔ اس لئے اس عذاب میں تم بھی گرفتار ہو گئے۔

غیر مسلموں کی ترقی کا سبب

ایک زمانہ وہ تھا جب مسلمانوں کا یہ شیوہ تھا کہ تجارت بالکل صاف ستھری ہو۔ اس میں دیانت اور امانت ہو۔ دھوکہ اور فریب نہ ہو۔ آج مسلمانوں نے تو ان چیزوں کو چھوڑ دیا، اور انگریزوں اور امریکیوں اور دوسری مغربی اقوام نے ان چیزوں کو اپنی تجارت میں اختیار کر لیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی تجارت کو فروغ ہو رہا ہے۔ دنیا پر چھا گئے ہیں۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یاد رکھو، باطل کے اندر کبھی ابھرنے اور ترقی کرنے کی طاقت ہی نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کریم کا صاف ارشاد ہے: "ان الباطل كان زهوقا"

یعنی باطل تو مٹنے کے لئے آیا ہے، لیکن اگر کبھی تمہیں یہ نظر آئے کہ کوئی باطل ترقی کر رہا ہے، ابھر رہا ہے۔ تو سمجھ لو کہ کوئی حق چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے۔ اور اس حق چیز نے

اس کو ابھار دیا ہے۔ لہٰذا یہ باطل لوگ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے، آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کو دنیا کے اندر بھی ذلیل اور رسوا کر دیا جاتا۔ لیکن کچھ حق چیزیں ان کے ساتھ لگ گئیں، وہ امانت اور دیانت جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی تھی، وہ انہوں نے اختیار کر لی، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت کو ترقی عطا فرمائی، آج وہ پوری دنیا پر چھا گئے۔ اور ہم نے تھوڑے سے نفع کی خاطر امانت اور دیانت کو چھوڑ دیا، اور دھوکہ، فریب کو اختیار کر لیا، اور یہ نہ سوچا کہ یہ دھوکہ، فریب آگے چل کر ہماری اپنی تجارت کو تباہ و برباد کر دے گی۔

مسلمانوں کا طرۂ امتیاز

مسلمانوں کا ایک طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ تجارت میں کبھی دھوکہ اور فریب نہیں دیتا، ناپ تول میں کبھی کمی نہیں کرتا، کبھی ملاوٹ نہیں کرتا، امانت اور دیانت کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے ایسا ہی معاشرہ پیش کیا اور صحابہ کرام کی شکل میں ایسے ہی لوگ تیار کئے، جنہوں نے تجارت میں بڑے سے بڑے نقصان کو گوارہ کر لیا، لیکن دھوکہ اور فریب دینے کو گوارہ نہیں کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت بھی چمکائی، اور ان کی سیاست بھی چمکائی۔ ان کا بول بالا کیا۔ اور انہوں نے دنیا سے اپنی طاقت اور قوت کا لوہا منوایا۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ عام مسلمان نہیں بلکہ وہ مسلمان جو پانچ وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ بازار میں جاتے ہیں تو سب احکام بھول جاتے ہیں، گویا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام صرف مسجد تک کے لئے ہیں۔ بازار کے لئے نہیں۔ خدا کے لئے اس فرق کو ختم کریں۔ اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کے تمام احکامات کو بجالائیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ ''تطفیف'' کے اندر وہ تمام صورتیں داخل ہیں، جس میں ایک شخص اپنا حق تو پورا پورا وصول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے۔ لیکن اپنے ذمے جو دوسروں کے

حقوق واجب ہیں۔ وہ اس کو ادا نہ کرے، ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یومن احدکم حتی یحب لا خیه ما یحب لنفسه. (صحیح بخاری)

یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے'' یہ نہ ہو کہ اپنے لئے تو پیمانہ کچھ اور ہے، اور دوسروں کے لئے پیمانہ کچھ اور ہے۔ جب تم دوسروں کے ساتھ کوئی معاملہ کرو تو اس وقت یہ سوچو کہ اگر یہی معاملہ کوئی دوسرا شخص میرے ساتھ کرتا تو مجھے ناگوار ہوتا، میں اس کو اپنے اوپر ظلم تصور کرتا۔ تو اگر میں بھی یہ معاملہ جب دوسروں کے ساتھ کروں گا تو وہ بھی آخر انسان ہے۔ اس کو بھی اس سے ناگواری اور پریشانی ہوگی۔ اس پر ظلم ہوگا۔ اس لئے مجھے یہ کام نہیں کرنا چاہئے۔

لہٰذا ہم سب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں اور صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کا جائزہ لیں کہ کہاں کہاں ہم سے حق تلفیاں ہو رہی ہیں، کم ناپنا، کم تولنا، دھوکہ دینا، ملاوٹ کرنا، فریب دینا، عیب دار چیز فروخت کرنا، یہ تجارت کے اندر حرام ہیں۔ جس کی وجہ سے تجارت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وبال آ رہا ہے۔ یہ سب حق تلفی اور ''تطفیف'' کے اندر داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حقیقت کا فہم اور ادراک عطا فرمائے، اور حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ''تطفیف'' کے وبال اور عذاب سے ہمیں نجات عطا فرمائے۔ آمین!

(وعظ ناپ تول میں کمی اور دوسروں کے حق ادا کرنے میں کوتاہی از اصلاحی خطبات ج ۶)

حاجی یا مجاہد کے گھر کی خبر گیری

''حج'' اور ''جہاد'' بڑی عظیم عبادتیں ہیں۔لیکن جو لوگ اپنی عدم استطاعت کی وجہ سے یہ عظیم عبادتیں خود انجام نہ دے سکیں ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ان عبادتوں کے ثواب میں حصہ دار بننے کا بہترین راستہ پیدا فرمادیا ہے اور وہ یہ کہ جو شخص کسی مجاہد کو جہاد کی تیاری میں مدد دے' یا کسی حاجی کے سفر حج کی تیاری میں مدد کرے' اللہ تعالیٰ اس کو بھی جہاد اور حج کے ثواب میں حصہ دار بنا دیتے ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص جہاد یا حج پر گیا ہوا ہے تو اس کے پیچھے اس کے گھر والوں کی خبر گیری' ان کی ضروریات پوری کر دینا یہ بھی ایسا عمل ہے جس سے انسان جہاد یا حج کے ثواب میں حصہ دار ہو جاتا ہے۔حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا 'أَوْجَهَّزَ حَاجًا' أَوْخَلَفَهُ فِيْ أَهْلِهِ ، أَوْفَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أُجُوْرِهِمْ مِنْ غَيْرَأَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا. (سنن نسائی)

جو شخص کسی مجاہد کو (جہاد کیلئے) تیار کرے' یا کسی حاجی کو (حج کے لئے) تیار کرے۔ (یعنی اس کے اسباب فراہم کرنے میں مدد دے) یا اس کے پیچھے اس کے گھر کی دیکھ بھال کرے' یا کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کو ان سب لوگوں کے جتنا ثواب ملتا ہے۔بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے ثواب میں کوئی کمی ہو۔''

دوہرے پیمانے

ناپ تول میں انصاف کی تاکید

قرآن کریم نے ناپ تول میں کمی کرنے کو جرم عظیم قرار دیکر جس طرح صحیح صحیح ناپنے اور تولنے کا حکم دیا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ حکم ایک جگہ بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ اسے بار بار مختلف انداز اور اسلوب سے انتہائی تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، مثال کے طور پر مندرجہ ذیل آیات کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''اور انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپو اور تولو'' (سورۂ انعام:۱۵۲)

''پس پورا پورا ناپو اور تولو، اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو'' (سورۃ الاعراف:۸۵)

''اور ناپ تول میں کمی نہ کرو'' (سورۂ ہود:۸۴)

''اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا رکھو'' (سورۂ ھود:۸۵)

''جب کوئی چیز ناپ کر دو تو پورا پورا ناپو، اور ٹھیک ٹھیک ترازو سے تولو'' (سورۂ بنی اسرائیل:۳۵)

''پورا پورا ناپو، اور (دوسروں) کو نقصان پہنچانے والے نہ بنو اور ٹھیک ٹھیک ترازو سے تولو'' (سورۃ الشعراء:۱۸۱)

''اور اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو بنائی، تاکہ تم تولنے میں حد سے تجاوز نہ کرو، اور وزن کو انصاف کے ساتھ قائم رکھو، اور ترازو کو گھٹاؤ نہیں''۔ (سورۃ الرحمٰن:۷)

قرآن کریم نے جس صراحت اور جس تاکید کے ساتھ بار بار ناپ تول میں انصاف سے کام لینے پر زور دیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناپ تول میں بے انصافی قرآن کریم کے نزدیک ان بنیادی بیماریوں میں سے ہے جو معاشرتی خرابیوں کی جڑ کی حیثیت رکھتی ہیں اور جنہیں مٹانے کے لئے انبیاء کرام (علیہم السلام) دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا ناپ تول میں کمی کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو شخص ترازو سے تول

کر یا پیمانے سے ناپ کر کوئی چیز بیچ رہا ہو وہ ڈنڈی مار کر سودا کم دے؟ یقیناً ناپ تول میں کمی کرنے کا براہ راست مفہوم یہی ہے لیکن جس اسلوب و انداز سے قرآن کریم نے اس برائی کا ذکر فرمایا ہے اس پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ برائی صرف اسی ایک صورت میں منحصر نہیں ہے، بلکہ اس میں ہر وہ اقدام شامل ہے. جس کے ذریعے کوئی شخص دوسرے کا کسی بھی قسم کا حق پامال کرے، یا انصاف کے مطابق اس کا حق پورا پورا نہ دے۔

دراصل قرآن کریم نے ''ترازو'' کا لفظ عدل و انصاف اور ایفائے حقوق کی ایک علامت (Symbol) کے طور پر استعمال فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ سورۂ شوریٰ اور سورۂ حدید میں ''ترازو'' کو ''آسمانی کتاب'' کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے، سورۂ شوریٰ میں ہے:

''اللہ وہ ہے. جس نے حق پر مشتمل کتاب اتاری، اور ترازو (نازل کی)'' (سورۃ الشوریٰ: ۱۷)

اور سورۂ حدید میں اسی بات کو مزید واضح کر کے فرمایا گیا:

''اور ہم نے ان (پیغمبروں) کیساتھ کتاب اور ترازو اتاری تا کہ لوگ انصاف قائم کریں''
(سورۃ الحدید: ۲۵)

اب ظاہر ہے کہ کوئی بھی پیغمبر اپنے ہاتھ میں وہ ترازو لیکر نہیں آئے جس سے سودا تولا جاتا ہے لہٰذا یہاں ''ترازو'' کا واضح مطلب ''عدل و انصاف'' اور ''اداء حقوق'' کی معنوی ترازو ہے۔ اور ''کتاب'' کے ساتھ ملا کر ''ترازو'' کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر آسمانی کتاب نظریاتی ہدایت فراہم کرتی ہے تو پیغمبر کا قول و فعل لوگوں کے سامنے وہ جچا تُلا پیمانہ پیش کرتا ہے جو حق اور ناحق کے درمیان واضح خط امتیاز کھینچ دیتا ہے، اور جس کی روشنی میں حقوق کی رتی رتی کا حساب رکھا جا سکتا ہے۔

ہر شخص اپنے حقوق ادا کرنے کی فکر کرے

اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ناپ تول میں کمی کا لفظ ایک بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے جس میں ہر قسم کی حق تلفی داخل ہے، جب بھی کوئی شخص دوسرے کا کوئی حق ٹھیک ٹھیک ادا نہ کرے تو وہ ''ناپ تول'' میں کمی کا مرتکب ہے، اور اسکا یہ فعل اتنا ہی قابل نفرت و ملامت ہے جتنا سودا بیچتے وقت ڈنڈی مارنے کا عمل، جسے ہر شخص ذلالت اور کمینگی کی

علامت سمجھتا ہے، لہٰذا ''ناپ تول'' کے سلسلے میں قرآن کریم کے جو ارشادات اوپر بیان کئے گئے ہیں ان کا مخاطب ہر وہ شخص ہے جس کے ذمے دوسرے کا کوئی حق ہو، شوہر کیلئے ان ارشادات کا مطلب یہ ہے کہ ''بیوی کا حق پورا پورا ادا کرو'' اور بیوی کے لئے ان کا مطلب یہ ہے کہ ''شوہر کا حق پورا پورا ادا کرو'' حکومت کے لئے ان کا مطلب یہ ہے کہ ''عوام کا حق پورا پورا دو'' اور عوام کے لئے ان کا تقاضا یہ ہے کہ ''حکومت کا حق پورا پورا ادا کرو'' ملازم کے لئے ان ارشادات میں یہ ہدایت ہے کہ ''انتظامیہ کی طرف سے جو فرائض تمہارے سپرد کئے گئے ہیں اور جن کے معاوضے میں تمہیں تنخواہ یا اجرت دی جارہی ہے، وہ ٹھیک ٹھیک دیانت داری کے ساتھ بجالاؤ، اور انتظامیہ کے لئے ان ارشادات میں یہ تاکید ہے کہ ''ملازم کے وہ تمام حقوق اسے پورے پورے پہنچاؤ جن کے معاوضے میں تم اسکی محنت سے استفادہ کر رہے ہو، غرض دنیا میں دو طرفہ تعلقات کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے لئے ان آیات کریمہ میں جامع رہنمائی موجود نہ ہو۔

دکھانے کے اور کھانے کے اور

پھر قرآن کریم ہی نے مزید آگے بڑھ کر یہ بھی واضح کیا ہے کہ ''ناپ تول میں کمی'' کی بدترین شکل یہ ہے کہ انسان اپنے اور دوسرے کے لئے الگ الگ پیمانے بنالے، یعنی جب کسی کو دینے کا وقت آئے تو ناپ تول میں ڈنڈی مار جائے، لیکن جب خود اپنا حق وصول کرنے کا وقت آئے تو ایک رتی چھوڑنے کو تیار نہ ہو، ایسے لوگوں کے لئے قرآن کریم نے انتہائی مؤثر انداز میں یہ وعید بیان فرمائی ہے کہ:

وَيلٌ لِّلمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ اِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَستَوفُونَ وَاِذَا كَالُوهُم اَ وَّزَنُوهُم يُخسِرُونَ اَلاَ يَظُنُّ اُولٰئِكَ اَنَّهُم مَّبعُوثُونَ لِيَومٍ عَظِيمٍ يَّومَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ العَالَمِينَ

بُرا ہو ان ناپ تول میں کمی کرنے والوں کا جو لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کمی کرتے ہیں، کیا ایسے لوگوں کو ذرا خیال نہیں کہ وہ ایک زبردست دن میں اٹھائے جائینگے اس دن جب تمام انسان رب

العالمین کے حضور کھڑے ہونگے؟ (سورۂ التطفیف: ۱۔۳)

یہاں پھر اگرچہ لفظ "ناپ تول" میں کمی کا استعمال کیا گیا ہے، لیکن اس کے وسیع مفہوم میں ہر قسم کی حق تلفی داخل ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

"پورا تولنا اور کم تولنا ہر کام میں ہوسکتا ہے"۔

لہٰذا اس آیت میں اصولی مذمت ان لوگوں کی بیان کی گئی ہے جنہوں نے زندگی کے معاملات میں دوہرے پیمانے بنا رکھے ہیں، جن کے لینے کا پیمانے کچھ اور ہے اور دینے کا کچھ اور، جو اپنا مفاد حاصل کرنے میں بڑے تیز طرار اور دوسرے کا حق دینے میں بڑے بخیل اور خسیس ہیں اور جو دن رات عدل و انصاف کا خون کر کے اپنی دولت کی گنتی میں اضافہ کرتے ہیں، لیکن اس بات کی ذرا پرواہ نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کے وقت دولت کا یہ ظاہری اضافہ ان کے لئے کس ذلت و رسوائی اور کس عذاب کا سبب بنے گا؟

مقام حسرت ہے کہ آج ہم نے حقوق و فرائض کی ناپ تول میں اللہ کی اتاری ہوئی ترازو کے بجائے زندگی کے تقریباً ہر شعبے میں ان خود ساختہ "دوہرے پیمانوں" کو اختیار کیا ہوا ہے، اور اپنے آپ کو قرآن کریم کی اس سنگین وعید کا مستحق بنا رکھا ہے۔

اگر ایک آجر اپنے مزدور سے اس کی آزادی مرضی کے بغیر مقررہ وقت سے زیادہ کام لیتا ہے، اور اس اضافی محنت کا اسے الگ معاوضہ دینے کو تیار نہیں ہوتا تو وہ اپنے اس "دوہرے پیمانے" کی وجہ سے قرآن کریم کی اس وعید میں داخل ہے، اور اس طرح اس نے مزدور سے زائد خدمت لیکر جو فائدہ حاصل کیا ہے وہ اس کے لئے حرام ہے۔

چند مثالیں

اسی طرح اگر ایک مزدور یا ملازم اپنی ڈیوٹی کے مقررہ اوقات میں اپنے فرائض انجام دینے کے بجائے کام چوری کا مظاہرہ کرتا ہے، یا اس وقت میں کوئی ذاتی کام انجام دیتا ہے، لیکن تنخواہ پوری وصول کرتا ہے تو وہ بھی اس قرآنی وعید کا مصداق ہے، اور اسکی تنخواہ کا وہ حصہ حرام ہے، جو ذاتی کام میں خرچ کئے ہوئے وقت کے مقابل ہو، یہاں تک کہ ایک

ملازم کے لئے اپنی ڈیوٹی کے اوقات میں جبکہ اسکے پاس اپنی ڈیوٹی سے متعلق کرنے کا کام موجود ہو، کوئی نفلی عبادت، مثلاً نفلی نماز، یا تلاوت وغیرہ بھی جائز نہیں، اس کے ذمے اس وقت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی تندہی اور دیانت داری سے ادا کرے۔

یہ بات قلم پر آئی تو یہ بھی ذکر کردینا مناسب ہے کہ اس معاملے میں بھی ہمارے یہاں افراد و تفریط پائی جاتی ہے بعض ملازمین ڈیوٹی کے اوقات میں نفلی عبادتیں شروع کردیتے ہیں حالانکہ ان کے ذمے کام پڑا ہوا ہوتا ہے، لیکن دوسری طرف انتظامیہ کے بعض افراد اپنے ملازمین کو پانچ وقت کی فرض نمازوں کی ادائیگی کا بھی موقع نہیں دیتے، حالانکہ فرض نماز کی ادائیگی بہر صورت ضروری ہے، اور انتظامیہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ملازمین کے لئے اس کا انتظام کرے، یہ درست ہے کہ ملازم آٹھ گھنٹے ڈیوٹی دینے کا پابند ہے، لیکن طبعی ضروریات کی انجام دہی خود بخود اس مدت سے مستثنیٰ ہے، فرض نماز بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی انسان کی طبعی ضروریات، لہٰذا اسکی ادائیگی کا وقت بھی ڈیوٹی سے خود بخود مستثنیٰ ہوگا، البتہ ملازم کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اعتدال کے ساتھ نماز فرض (سنتوں سمیت) ادا کرنے پر اکتفا کرے، اور اس میں ناواجبی دیر نہ لگائے، نہ کسی اور نفلی عبادت میں مشغول ہو۔

جائزہ اور محاسبہ کی ضرورت

یہ بات تو ضمنی طور پر بیچ میں آ گئی، کہنا یہ تھا کہ ہم میں سے ہر شخص کو اپنے حالات کا جائزہ لیکر یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم اپنا حق پورا لیکر دوسرے کے حق میں کوتاہی کرنے کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟ ہم نے اپنے اور دوسروں کے لئے الگ الگ پیمانے تو نہیں بنا رکھے؟ ہم دوسروں سے اس چیز کا مطالبہ تو نہیں کر رہے جو انکی جگہ ہونے کی صورت میں انہیں دینے کے لئے تیار نہ ہوتے؟ جب تک یہ فکر ہمارے دلوں میں پیدا نہیں ہوگی، اور ہم قرآن کریم کی اس وعید میں داخل ہونے سے ڈرنے نہیں لگیں گے، اس وقت تک ان حق تلفیوں اور بدعنوانیوں میں کمی نہیں آئیگی جنہوں نے زندگی کو اجیرن بنا رکھا ہے، اور جنکی وجہ سے ہر انسان خوف و ہراس، تشویش اور بے چینی کا شکار ہے، کیونکہ جب معاشرے میں حق تلفیوں کا بازار گرم ہوتا ہے تو اسکا صاف نتیجہ (Net result) سب کی پریشانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا، ایک شخص اگر دس آدمیوں کی حق تلفی کرتا ہے تو دوسرے دس آدمی اسکا حق اڑا لے جاتے ہیں، اور آخر میں فتح صرف شیطان کی ہوتی ہے۔ (ذکر و فکر)

دوسروں کی چیزوں کا استعمال

معاشرہ میں مروجہ ایسی چوریوں کی نشاندہی جن کی
طرف عام طور پر توجہ ہی نہیں جاتی۔
بجلی کے استعمال میں افراط و تفریط اور دیگر سرکاری
سہولیات سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے اور اس طرح کی
دوسروں کی کوتاہیوں کی نشاندھی

دوسروں کی چیزوں کا استعمال

دوسروں کو تکلیف دیکر اپنا مفاد حاصل کرنا:

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کے ذریعہ کوئی لقمہ کھائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کی حق تلفی کر کے یا کسی مسلمان کو تکلیف پہنچا کر یا کسی مسلمان کو بدنام کر کے اپنا کوئی مفاد حاصل کرے، جیسے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی معیشت کا دارومدار اس پر ہے کہ دوسروں کو تکلیف پہنچا کر اپنے کھانے کا سامان کرتے ہیں، مثلاً رشوت لیکر کھانا کھایا، اب اس نے درحقیقت ایک مسلمان کو ناحق تکلیف پہنچا کر کھانا کھایا۔ اس طرح اگر کسی کو دھوکہ دیکر اس سے پیسے حاصل کر لئے تو اس نے بھی ایک مسلمان کو تکلیف پہنچا کر کھانا کھایا۔

اسی طرح اگر کسی مسلمان کو بدنام کر کے پیسے حاصل کر لئے، جیسے آج کل نشر و اشاعت اور پبلسٹی کا زمانہ ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے نشر و اشاعت کے ذریعہ لوگوں کی بلیک میلنگ کو اپنا پیشہ اور ذریعہ آمدنی بنا کر رکھا ہے، اب ایسا شخص دوسرے کو بدنام کر کے پیسے حاصل کرتا ہے اور کھانا کھاتا ہے۔ یہ تمام صورتیں اس حدیث کے مفہوم کے اندر داخل ہیں کہ جو شخص کسی مسلمان کو تکلیف پہنچا کر کھانا کھائے تو جتنا کھانا اس نے اس طریقے سے حاصل کر کے کھایا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کھانے کے وزن کے برابر جہنم کے انگارے کھلائیں گے۔

دوسروں کو تکلیف دے کر لباس یا شہرت حاصل کرنا

اسی طرح جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچا کر اور اس کی حق تلفی کر کے پیسے کمائے گا اور پھر ان پیسوں سے لباس بنائے گا تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کا اتنا ہی لباس پہنائیں گے یعنی آگ کے انگاروں کا لباس پہنائیں گے۔

اسی طرح جو شخص دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچا کر شہرت کے مقام تک پہنچے، جیسے

بعض لوگ دوسروں کی برائی کر کے اپنی اچھائی ثابت کرتے ہیں، چنانچہ الیکشن کے دوران لوگ یہ کام کرتے ہیں کہ انتخابی جلسوں میں دوسروں کی خرابی بیان کر کے اپنی اچھائی بیان کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بدنامی کے مقام پر کھڑا کریں گے۔ یہاں دنیا میں تو اس نے نیک شہرت حاصل کر لی، لیکن اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ وہاں اس کو بُری شہرت عطا فرمائیں گے، اور برسرِ عام اس کو رسوا کریں گے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے مسلمان کو تکلیف پہنچا کر شہرت کا مقام حاصل کیا تھا۔

اس حدیث سے آپ اندازہ لگائیں کہ کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا اور اس کے حق کو پامال کرنا کتنا خطرناک کام ہے اور یہ کتنی بُری بلا ہے۔ اس لئے میں بار بار یہ عرض کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنے برتاؤ اور اپنے طرزِ عمل میں اس بات کو مدنظر رکھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے کا حق پامال ہو جائے اور پھر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کا حساب ہم سے لے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

دوسرے کی چیز لینا

ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے کسی ساتھی یا دوست کا سامان نہ مذاق میں لے اور نہ سنجیدگی میں لے۔ ایک چیز دوسرے کی ملکیت ہے تو آپ کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس کی اجازت بلکہ اس کی خوشدلی کے بغیر وہ چیز استعمال کریں یا اس کو قبضہ میں لیں، نہ تو سنجیدگی میں ایسا کرنا جائز ہے اور نہ ہی مذاق میں ایسا کرنا جائز ہے، چاہے وہ دوسرا شخص تمہارا قریبی دوست اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کی چیز کو اس کی اجازت اور اس کی خوشدلی کے بغیر استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں۔

خوش دلی کے بغیر دوسرے کی چیز حلال نہیں

ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" لا یحل مال امری ٔ مسلم الا بطیب نفس منه ".

کسی بھی مسلمان کا کوئی مال اس کی خوش دلی کے بغیر دوسرے کے لئے حلال نہیں۔

اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت کا لفظ استعمال نہیں فرمایا بلکہ خوش

دلی کا لفظ استعمال فرمایا، مثلاً آپ نے کسی شخص سے ایسی چیز مانگ لی کہ اس کا دل تو نہیں چاہ رہا ہے لیکن مروت کے دباؤ میں آکر اس نے وہ چیز دیدی اور اندر سے اس کا دل خوش نہیں ہے، اس صورت میں اگر آپ اس کی چیز استعمال کریں گے تو آپ کے لئے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ آپ نے اس کا مال اس کی خوشدلی کے بغیر لے لیا۔

''مولویت'' بیچنے کی چیز نہیں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے کسی استاذ یا شیخ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ کسی دکان پر کوئی چیز خریدنے گئے، اور انہوں نے اس چیز کی قیمت پوچھی، دکاندار نے قیمت بتادی، جس وقت قیمت ادا کرنے لگے تو اس وقت ایک اور صاحب وہاں پہنچ گئے جو ان کے جاننے والے تھے، وہ دکاندار ان کو نہیں جانتا تھا کہ یہ فلاں مولانا صاحب ہیں، چنانچہ ان صاحب نے دکاندار سے کہا کہ یہ فلاں مولانا صاحب ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ رعایت کریں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ:

میں اپنے مولوی ہونے کی قیمت نہیں لینا چاہتا، اس چیز کی جو اصل قیمت ہے وہی مجھ سے لے لو۔ اس لئے کہ پہلے جو قیمت تم نے بتائی تھی، اس قیمت پر تم خوشدلی سے یہ چیز دینے کے لئے تیار تھے، اب اگر دوسرے آدمی کے کہنے سے تم نے رعایت کر دی اور دل اندر سے مطمئن نہیں ہے تو اس صورت میں وہ خوشدلی سے دینا نہیں ہوگا، اور پھر میرے لئے اس چیز میں برکت نہیں ہوگی اور اس کا لینا بھی میرے لئے حلال نہیں ہوگا، لہٰذا جتنی قیمت تم نے لگائی ہے اتنی قیمت لے لو''۔

اس واقعہ سے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ ''یہ ''مولویت'' بیچنے کی چیز نہیں'' کہ بازار میں اس کو بیچا جائے کہ لوگ اس کی وجہ سے اشیاء کی قیمت کم کر دیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی وصیت

بلکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جن کے ہم سب مقلد ہیں، اپنے شاگرد حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو یہ وصیت فرمائی کہ:

جب تم کوئی چیز خرید و یا کرایہ پر لو تو جتنا کرایہ اور جتنی قیمت عام لوگ دیتے ہیں، تم اس سے کچھ زیادہ دیدو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے کم دینے کی وجہ سے علم اور دین کی بے عزتی اور بے توقیری ہو۔

جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے احتیاط کا یہ مقام عطا فرمایا ہے وہ اس حد تک رعایت فرماتے ہیں کہ دوسرے کی چیز کہیں اس کی خوش دلی کے بغیر ہمارے پاس نہ آ جائے۔ مثلاً آپ نے کسی سے کوئی چیز مانگ لی تو مانگنے سے پہلے ذرا یہ سوچو کہ اگر تم سے کوئی دوسرا شخص یہ چیز مانگتا تو کیا تم خوش دلی سے اس کو دینے پر راضی ہو جاتے؟ اگر تم خوش دلی سے راضی نہ ہوتے تو پھر وہ چیز دوسرے سے بھی مت مانگو۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ مروت کے دباؤ میں آ کر وہ شخص تمہیں وہ چیز دیدے لیکن اس کا دل اندر سے راضی نہ ہو، اور اس کے نتیجے میں تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق بن جاؤ کہ کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط کا ایک واقعہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عالی مقام تھا کہ آپ نے اس حد تک احتیاط فرمائی کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو محل جنت میں بنایا ہے، وہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، اور وہ محل اتنا شاندار تھا کہ میرا دل چاہا کہ میں اس محل کے اندر چلا جاؤں، لیکن جب میں نے اندر جانے کا ارادہ کیا تو مجھے تمہاری غیرت یاد آ گئی، مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بڑی غیرت بخشی ہے، اگر کوئی دوسرا شخص تمہارے گھر کے اندر اجازت کے بغیر داخل ہو تو تمہیں غیرت آتی ہے، اس لئے میں نے یہ سوچا کہ تمہارے بغیر اس میں داخل نہیں ہونا چاہئے، لہٰذا میں داخل نہ ہوا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر رو پڑے اور فرمایا: اَوَ عَلَیکَ اَغَارُ یا رَسُولَ اللہِ ؟ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا میں آپ سے غیرت کروں گا؟

امت کے لئے سبق

اب آپ اندازہ لگائیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ فاروق اعظم

جیسا انسان وہ اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت و آبرو، اپنا سب کچھ آپ پر قربان کرنے کے لئے تیار ہیں، ان کے پاس اگر کوئی بڑی سے بڑی نعمت ہو اور وہ نعمت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال میں آ جائے تو وہ اس کو اپنے لئے باعث فخر سمجھیں گے، لیکن اس کے باوجود آپ ان کے محل میں داخل نہیں ہوئے، جب کہ وہ جگہ بھی جنت کی جگہ تھی جو تکلیف کی جگہ نہیں ہوتی۔ لیکن علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے درحقیقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم امت کو یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ دیکھو! میں بھی اپنے ایسے فداکار اور جانثار صحابی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوا، تو تم لوگوں کے لئے عام حالات میں دوسروں کی چیز اس کی خوشدلی اور اجازت کے بغیر استعمال کرنا کیسے جائز ہوگا۔

سلام کے جواب کے لئے تیمّم کرنا

اللہ تعالیٰ ہمارے محدثین عظام اور فقہاء کرام رحمہم اللہ کی قبروں کو نور سے بھر دے، آمین۔ یہ حضرات ہمارے لئے عجیب ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں۔ چنانچہ ایک صحابی نے ایک حدیث بیان فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک راستے میں گزر رہے تھے، ایک صحابی نے آپ کو دیکھ کر آپ کو سلام کیا۔ یہ ابتداء اسلام کا زمانہ تھا، اور اس وقت اللہ تعالیٰ کا نام وضو کے بغیر لینا مکروہ تھا، اور ''سلام'' بھی اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو سے نہیں تھے، اب اگر اس حالت میں ''وعلیکم السلام'' فرماتے تو اللہ تعالیٰ کا نام وضو کے بغیر لینا ہو جاتا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے بغیر نام لینے سے بچنے کے لئے یہ کیا کہ قریب میں جو مکان تھا، اس کی دیوار سے تیمّم فرمایا اور پھر آپ نے ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہہ کر جواب دیا۔

علماء کا احادیث سے مسائل کا نکالنا

ان صحابی نے یہ حدیث بیان فرما دی، لیکن فقہاء کرام کا معاملہ ایسا ہے کہ ایک ایک حدیث سے امت کے لئے کیا کیا ہدایات نکل رہی ہیں، ان کے نکالنے میں لگ جاتے ہیں۔ احادیث سے احکام نکالنے کا جب میں تصور کرتا ہوں تو میرے سامنے یہ منظر آ جاتا

ہے کہ جب کوئی ہوائی جہاز کسی ایئر پورٹ پر اترتا ہے تو جیسے ہی وہ اترتا ہے فوراً تمام لوگ اپنی اپنی ڈیوٹیاں انجام دینا شروع کر دیتے ہیں، کوئی اس کی صفائی کر رہا ہے، کوئی اس میں پٹرول بھر رہا ہے، کوئی مسافروں کو اتار رہا ہے، کوئی کھانا چڑھا رہا ہے، سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سامنے آتی ہے تو امت کے علماء بھی مختلف جہتوں سے اس حدیث پر کام کرنے میں لگ جاتے ہیں، کوئی اس حدیث کی سند کی چھان بین کر رہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے یا نہیں؟ کوئی راویوں کی جانچ پڑتال کر رہا ہے، کوئی اس حدیث سے نکلنے والے احکام بتا رہا ہے کہ اس حدیث سے کیا کیا احکام نکل رہے ہیں، کیا کیا رہنمائی اس سے حاصل ہو رہی ہے۔ تو حضرات فقہاء کرام کا کام یہ ہے کہ جب کوئی حدیث ان کے سامنے آتی ہے تو اس حدیث کے ایک ایک جز کی بال کی کھال نکال کر احکام مستنبط فرماتے ہیں۔

بُلبل والی حدیث سے ۱۱۰ مسائل کا استنباط

یاد آیا کہ شمائل ترمذی میں حدیث ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک چھوٹے بھائی تھے جو بچے تھے، انہوں نے ایک بلبل پال رکھا تھا، وہ بلبل مر گیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ان کے پاس تشریف لے گئے تو اس بچے سے آپ نے پوچھا:

یا أبا عُمیر ما فعل النُغیر؟

اے ابو عمیر! تم نے وہ جو بلبل پال رکھا تھا، اس کا کیا ہوا؟ صرف ایک اس حدیث سے حضرات فقہاء کرام نے ایک سو دس (۱۱۰) فقہی مسائل نکالے ہیں۔ اور ایک محدث نے اس ایک حدیث کی تشریح اور اس سے نکلنے والے احکام پر مستقل کتاب لکھی ہے۔

سلام کے جواب کے لئے تیمّم کرنا جائز ہے

بہر حال، ان صحابی کے سلام کے جواب کے لئے آپ نے پہلے تیمّم فرمایا پھر سلام کا جواب دیا۔ اس حدیث سے بھی فقہاء کرام نے بہت سے مسائل نکالے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث سے فقہاء نے ایک مسئلہ یہ نکالا ہے کہ جس کام کے لئے وضو کرنا واجب نہیں بلکہ

مستحب ہے تو اس کام کے لئے وضو کے بجائے تیمّم کرنا جائز ہے۔ مثلاً دعا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وضو کو ضروری اور واجب قرار نہیں دیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دروازہ کھٹکھٹانے اور دعا کرنے کو آسان کر دیا کہ اس کے لئے وضو کی شرط نہیں رکھی بلکہ پاکی کی شرط بھی نہیں رکھی، لہٰذا اگر کوئی شخص جنابت اور ناپاکی کی حالت میں بھی دعا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ آدمی دعا کرتے وقت باوضو ہو اور اگر وضو کا موقع نہ ہو تو تیمّم کر لے، کیونکہ تیمّم کر کے دعا کرنا بے وضو دعا کرنے سے بہتر ہے۔ اگرچہ اس تیمّم سے نماز پڑھنا اور ایسے کام کرنا جائز نہیں ہوگا جن کے لئے وضو کرنا واجب ہے، لیکن اس تیمّم سے دعا کر سکتا ہے۔

ذکر کے لئے تیمّم کرنا

مثلاً کوئی شخص ذکر کرنا چاہتا ہے یا تسبیح پڑھنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنا نام لینا اتنا آسان فرما دیا ہے کہ اس کے لئے وضو کی شرط نہیں، البتہ باوضو ہو کر ذکر کرنا مستحب ہے، لہٰذا اگر وضو کرنے کا موقع نہیں ہے اور ذکر کرنا چاہتا ہے تو کم از کم یہ کرے کہ تیمّم کر کے ذکر کر لے، کیونکہ تیمّم کر کے ذکر کرنا بے وضو ذکر کرنے سے بہتر ہے۔ البتہ اس تیمّم سے کسی قسم کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔

دوسرے کی دیوار سے تیمّم کرنا

فقہاء کرام نے اس حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ نکالا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوار سے تیمّم فرمایا اور وہ کسی دوسرے شخص کے گھر کی دیوار تھی، تو اب سوال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے شخص کے گھر کی دیوار کو اس کی اجازت کے بغیر تیمّم کے لئے کیسے استعمال فرمایا؟ اس لئے کہ دوسرے کی چیز اس کی اجازت اور اس کی خوشدلی کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ فقہاء کرام نے یہ سوال اٹھایا، وہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اٹھایا کہ آپ نے وہ دیوار کس طرح استعمال فرمائی۔

پھر فقہاء کرام نے اس کا جواب بھی خود دیا، کہ بات دراصل یہ تھی کہ مکان کے باہر کی دیوار سے تیمّم کرنے کی صورت میں یہ بات سو فیصد یقینی تھی کہ کوئی بھی آپ کو اس عمل سے منع

نہ کرتا، اس لئے آپ کے لئے اس دیوار سے تیمّم کرنا جائز تھا۔ لہٰذا جہاں اس بات کا سو فیصد مکمل یقین ہو کہ دوسرا شخص نہ صرف یہ کہ اِس کو استعمال کرنے کی اجازت دیگا بلکہ وہ خوش ہوگا تو اس صورت میں اس چیز کا استعمال کر لینا جائز ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ فقہاء کرام نے کتنی باریک بات کو پکڑ لیا۔

کسی قوم کی کوڑی کو استعمال کرنا

فقہاء کرام نے یہی سوال ایک اور حدیث پر بھی اٹھایا ہے، وہ حدیث شریف یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے، آپ کو پیشاب کرنے کی حاجت ہوئی، ایک جگہ پر کسی قوم کی ''کوڑی'' تھی، جہاں لوگ اپنا کچرا ڈالتے تھے، اس ''کوڑی'' پر آپ نے پیشاب کیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ''اتیٰ سُبَاطَۃَ قَومٍ ''یعنی کسی قوم کے کوڑا ڈالنے کی جگہ پر آپ پہنچے۔ اب فقہاء نے اس پر سوال اٹھایا ہے کہ وہ کوڑا ڈالنے کی جگہ کسی قوم کی ملکیت تھی تو آپ نے اس کو ان کی اجازت کے بغیر کیسے استعمال فرمالیا؟

پھر خود ہی فقہاء نے اس کا جواب بھی دیا کہ دراصل وہ عام استعمال کی جگہ تھی اور اسی مقصد کے لئے وہ جگہ چھوڑی گئی تھی، لہٰذا کسی شخص کی ملکیت میں کوئی خلل ڈالنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

میزبان کے گھر کی چیز استعمال کرنا

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ شریعت میں کسی دوسرے شخص کی چیز کو استعمال کرنے کے بارے میں کتنی حساسیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ہم دوسرے شخص کے گھر مہمان بن کر گئے، اب اگر اس کے گھر کی کوئی چیز آپ کو استعمال کرنی ہے تو استعمال کرنے سے پہلے ذرا یہ سوچو کہ میرے لئے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ سوچو کہ میرے استعمال کرنے سے میزبان خوش ہوگا یا اس کے دل میں تنگی پیدا ہوگی؟ اگر اس کے دل میں تنگی پیدا ہونے کا ذرا بھی اندیشہ ہو تو اس صورت میں اس چیز کو آپ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔

ہمارے معاشرے میں اس بارے میں بہت بے احتیاطی پائی جاتی ہے، چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ دوست کے گھر میں چلے گئے اور سوچا کہ یہ تو ہمارا بے تکلف دوست ہے، اب دوستی اور

بے تکلفی کی مد میں اس کو لوٹنا شروع کر دیا اور اس کی چیزوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ یہ جائز نہیں، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرما دیا کہ مذاق میں بھی دوسرے کی چیز اٹھا کر استعمال کرنا جائز نہیں، تو پھر سنجیدگی میں کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم بے تکلفی کی آڑ میں کہاں کہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

بیٹے کے کمرے میں داخل ہونے کیلئے اجازت

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ساری عمر یہ معمول ہم نے دیکھا کہ جب کبھی آپ کسی کام سے اپنی اولاد کے کمرے میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو داخل ہونے سے پہلے اجازت لیتے، حالانکہ وہ کمرہ ہماری ملکیت نہیں ہوتا تھا، انہی کی ملکیت ہوتا تھا، اس کے باوجود پہلے اجازت لیتے کہ اندر آ جائیں۔ اور اگر کبھی حضرت والد صاحب کو وہ چیز استعمال کرنے کی ضرورت پیش آتی جو ہمارے استعمال میں ہے، تو ہمیشہ پہلے پوچھ لیتے کہ یہ تمہاری چیز میں استعمال کر لوں؟ اب آپ اندازہ لگائیں کہ ایک باپ اپنے بیٹے سے پوچھ رہا ہے کہ میں تمہاری چیز استعمال کر لوں؟ حالانکہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنتَ وَمَا لُکَ لِاَبِیکَ ''یعنی تم خود اور تمہارا مال سب تمہارے باپ کا ہے، لیکن اس کے باوجود اس درجہ احتیاط تھی کہ بیٹے سے پوچھ کر اس کی چیز استعمال فرما رہے ہیں، تو جب اپنی اولاد کی چیز استعمال کرنے میں یہ احتیاط ہونی چاہئے تو جن کے ساتھ یہ رشتہ نہیں ہے، ان کی چیزوں کو ان کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا کتنی سنگین بات ہے۔

اطلاع کے بغیر دوسرے کے گھر جانا

یہ تمام چیزیں ہم نے اپنے دین سے خارج کر دی ہیں، بس آج کل تو عبادات کا اور نماز روزے کا نام دین سمجھ لیا ہے، اور اس سے آگے جو معاملات ہیں ان کو ہم نے دین سے خارج کر دیا ہے۔ مثلاً کسی دوسرے کے گھر میں اطلاع کے بغیر کھانے کے وقت پہنچ جانا دین کے خلاف ہے۔ جیسے آج کل ہوتا ہے کہ پیر صاحب اپنے مریدوں کا لشکر لے کر کسی

مرید پر حملہ آور ہو گئے، اور پیر صاحب کے ذہن میں یہ ہے کہ یہ تو ہمارا مرید ہے۔ لہٰذا اس کو تو ہر حال میں ہماری خاطر تواضع کرنی ہی کرنی ہے۔ یہ میں آپ کو آنکھوں دیکھا واقعہ بتا رہا ہوں۔ اب وہ مرید بیچارہ پریشان کہ عین وقت پر میں کیا انتظام کروں، اتنی بڑی فوج آ گئی ہے اس کے لئے کہاں سے تواضع کا انتظام کروں؟۔ اب دیکھئے! نمازیں بھی ہو رہی ہیں، تہجد، اشراق، چاشت، ذکر واذکار، سب عبادات ہو رہی ہیں، اور پیر صاحب بنے ہوئے ہیں۔ لیکن بغیر اطلاع کے مرید کے گھر پہنچ گئے۔ یاد رکھئے! یہ اس حدیث کے اندر داخل ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه** ''لیکن پیر صاحب کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس سے مرید کو تکلیف ہو رہی ہے یا پریشانی ہو رہی ہے، یا اس کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حاصل کیا جا رہا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں یہ باتیں پھیل گئی ہیں اور اس کو دین کا حصہ ہی نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح فہم عطا فرمائے اور ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھنے کا ذوق عطا فرمائے کہ جس چیز کا جو مقام ہے اسی کے مطابق اس پر عمل ہو۔

عاریت کی چیز جلدی واپس نہ کرنا

پھر حدیث میں ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ: ''**فاذا اخذ احدکم عصی صاحبه فلیردھا الیه** ''یعنی اگر تم نے کسی وقت دوسرے کی لاٹھی بھی لے لی ہے تو اس کو واپس کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے کوئی چیز عاریتاً استعمال کے لئے لے لی ہے اور اس نے خوش دلی سے تمہیں دیدی ہے، خوش دلی سے اس نے وہ چیز دیکر کوئی جرم نہیں کیا، لہٰذا جب تمہاری وہ ضرورت پوری ہو جائے جس ضرورت کے لئے تم نے وہ چیز لی تھی تو پھر اس چیز کو جلد از جلد واپس لوٹاؤ۔ اس بارے میں بھی ہمارے یہاں کوتاہیاں اور غفلتیں ہوتی ہیں۔ ایک چیز کسی ضرورت کی وجہ سے کسی سے لے لی تھی، اب وہ گھر میں پڑی ہے، واپس کرنے کی فکر نہیں۔ ارے بھائی! جب تمہاری ضرورت پوری ہو گئی تو اب واپس کرو، اب جس شخص کی وہ چیز ہے ہو سکتا ہے کہ اس کو استعمال کرنے کی ضرورت ہو، لیکن وہ مانگتے ہوئے شرماتا

ہو کہ اس کے پاس جا کر وہ چیز کیا مانگوں۔ اب اگر تم اس چیز کو استعمال کرو گے تو تم اس کی خوشِ دلی کے بغیر استعمال کرو گے، لہٰذا یہ استعمال کرنا تمہارے لئے حرام ہے۔

کتاب لے کر واپس نہ کرنا

اسی طرح ہمارے معاشرے میں یہ مسئلہ باقاعدہ گھڑ لیا گیا ہے کہ کتاب کی چوری، یہ کوئی چوری نہیں ہوتی یعنی اگر کسی دوسرے سے کتاب پڑھنے کے لئے لے لی تو اب اس کتاب کو واپس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لہٰذا مطالعے کے بعد کتاب گھر میں پڑی ہے، اس کی واپسی کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جب تم نے دوسرے کی کوئی چیز لی ہو تو اس کو واپس کرنے کی فکر کرو اور جلد از جلد اس کو اصل مالک تک واپس پہنچاؤ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(وعظ دوسروں کی چیزوں کا استعمال از اصلاحی خطبات ج ۱۱)

20

چوری یہ بھی ہے

حکیم الامت کا ایک واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ سہارنپور سے کانپور جارہے تھے، جب ریل میں سوار ہونے کیلئے اسٹیشن پہنچے تو محسوس کیا کہ ان کے ساتھ سامان اس مقررہ حد سے زیادہ ہے جو ایک مسافر کو بک کرائے بغیر اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت ہوتی ہے، چنانچہ وہ اس کھڑکی پر پہنچے جہاں سامان کا وزن کر کے زائد سامان کا کرایہ وصول کیا جاتا ہے تاکہ سامان بک کراسکیں، کھڑکی پر ریلوے کا جو اہلکار موجود تھا، وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود حضرت مولاناؒ کو جانتا تھا، اور ان کی بڑی عزت کرتا تھا، جب حضرتؒ نے سامان بک کرنے کی فرمائش کی تو اس نے کہا کہ ''مولانا! رہنے بھی دیجئے، آپ سے سامان کا کیا کرایہ وصول کیا جائے؟ آپ کو سامان بک کرانے کی ضرورت نہیں، میں ابھی گارڈ سے کہہ دیتا ہوں، وہ آپ کو زائد سامان کی وجہ سے کچھ نہیں کہے گا''۔

مولانا نے فرمایا: ''یہ گارڈ میرے ساتھ کہاں تک جائیگا؟

''غازی آباد تک'' ریلوے افسر نے جواب دیا۔

''پھر غازی آباد کے بعد کیا ہوگا؟'' مولاناؒ نے پوچھا۔

''یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے بھی کہدیگا'' اس نے کہا

مولاناؒ نے پوچھا ''وہ دوسرا گارڈ کہاں تک جائیگا؟''

افسر نے کہا ''وہ کانپور تک آپ کے ساتھ جائے گا''

''پھر کانپور کے بعد کیا ہوگا؟'' مولانا نے پوچھا۔

افسر نے کہا ''کانپور کے بعد کیا ہونا ہے؟ وہاں تو آپ کا سفر ختم ہو جائیگا''

حضرتؒ نے فرمایا ''نہیں، میرا سفر تو بہت لمبا ہے، کانپور پر ختم نہیں ہوگا، اس لمبے سفر کی انتہا تو آخرت میں ہوگی، یہ بتایئے کہ جب اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ اپنا سامان تم

کرایہ دیئے بغیر کیوں اور کس طرح لے گئے؟ تو یہ گارڈ صاحبان میری کیا مدد کر سکیں گے؟''

پھر مولاناؒ نے ان کو سمجھایا کہ یہ ریل آپ کی یا گارڈ صاحب کی ملکیت نہیں ہے، اور جہاں تک مجھے معلوم ہے، ریلوے کے محکمے کی طرف سے آپ کو یا گارڈ صاحب کو یہ اختیار بھی نہیں دیا گیا کہ وہ جس مسافر کو چاہیں ٹکٹ کے بغیر یا اس کے سامان کو کرائے کے بغیر ریل میں سوار کر دیا کریں، لہٰذا اگر میں آپ کی رعایت سے فائدہ اٹھا کر بغیر کرائے کے سامان لے بھی جاؤں تو یہ میرے دین کے لحاظ سے چوری میں داخل ہوگا، اور مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اس گناہ کا جواب دینا پڑیگا، اور آپ کی یہ رعایت مجھے بہت مہنگی پڑ یگی، لہٰذا براہ کرم مجھ سے پورا پورا کرایہ وصول کر لیجئے۔

ریلوے کا وہ اہل کار مولاناؒ کو دیکھتا رہ گیا، لیکن پھر اس نے تسلیم کیا کہ بات آپ ہی کی درست ہے۔

ایک اور واقعہ

اسی طرح کا ایک واقعہ میرے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ پیش آیا، وہ ایک مرتبہ ریل میں سوار ہونے کے لئے اسٹیشن پہنچے، لیکن دیکھا کہ جس درجے کا ٹکٹ لیا ہوا ہے، اس میں تل دھرنے کی جگہ نہیں، گاڑی روانہ ہونے والی تھی، اور اتنا وقت بھی نہ تھا کہ جا کر ٹکٹ تبدیل کروالیں، مجبوراً اوپر کے درجے کے ایک ڈبے میں سوار ہو گئے، خیال یہ تھا کہ ٹکٹ چیک کرنے والے آئیگا تو ٹکٹ تبدیل کرالینگے، لیکن اتفاق سے پورے راستے کوئی ٹکٹ چیک کرنے والا نہ آیا، یہاں تک کہ منزل آ گئی، منزل پر اتر کر وہ سیدھے ٹکٹ گھر پہنچے، وہاں جا کر معلومات کیں کہ دونوں درجوں کے کرائے میں کتنا فرق ہے؟ پھر اتنی ہی قیمت کا ایک ٹکٹ وہاں سے خرید لیا، اور وہیں پر پھاڑ کر پھینک دیا، ریلوے کے جس ہندو افسر نے ٹکٹ دیا تھا، جب اس نے دیکھا کہ انہوں نے ٹکٹ پھاڑ کر پھینک دیا ہے تو اسے سخت حیرانی ہوئی، بلکہ ہوسکتا ہے کہ والد صاحبؒ کی دماغی حالت پر بھی شبہ ہوا ہو، اس لئے اس نے باہر آ کر ان سے پوچھ گچھ شروع کر دی کہ آپ نے ٹکٹ کیوں پھاڑا؟ والد صاحبؒ نے اسے پورا واقعہ بتایا اور کہا کہ اوپر کے درجے میں سفر کرنے کی وجہ سے یہ پیسے میرے ذمے رہ گئے تھے، ٹکٹ خرید کر میں نے یہ پیسے ریلوے کو پہنچا دیئے، اب یہ ٹکٹ بیکار تھا، اس لئے پھاڑ دیا، وہ شخص کہنے

لگا کہ ''مگر آپ تو اسٹیشن سے نکل آئے تھے، اب آپ سے کون زائد کرائے کا مطالبہ کر سکتا تھا''
والد صاحبؒ نے جواب دیا کہ ''جی ہاں، انسانوں میں تو اب کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں تھا، لیکن
جس حق دار کے حق کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہو، اسکا مطالبہ اللہ تعالیٰ ضرور کرتے ہیں، مجھے
ایک دن ان کو منہ دکھانا ہے، اس لئے یہ کام ضروری تھا''۔

یہ دونوں واقعات قیام پاکستان سے پہلے اس دور کے ہیں جب برصغیر پر انگریزوں
کی حکومت تھی، اور مسلمانوں کے دل میں اس حکومت کے خلاف جو نفرت تھی وہ محتاج بیان
نہیں، چنانچہ ملک کو انگریزی حکومت سے آزاد کرانے کی تحریکیں شروع ہو چکی تھیں، خود
حضرت مولانا تھانویؒ برملا اس خواہش کا اظہار فرما چکے تھے کہ مسلمانوں کی کوئی الگ حکومت
ہونی چاہئے جس میں وہ غیر مسلموں کے تسلط سے آزاد ہو کر شریعت کے مطابق اپنا کاروبار
زندگی چلا سکیں، لیکن انگریزی کی حکومت سے متنفر ہونے کے باوجود اس کے قائم کئے ہوئے
محکمے سے تھوڑا سا فائدہ بھی معاوضہ ادا کئے بغیر حاصل کرنا انہیں منظور نہ تھا۔

دوسروں کی اشیاء استعمال کرنے میں اسلامی تعلیمات

بات دراصل یہ ہے کہ چوری کی قانونی تعریف خواہ کچھ ہو، لیکن گناہ وثواب کے نقطہ
نظر سے کسی دوسرے کی چیز اس کی آزاد مرضی کے بغیر استعمال کرنا چوری ہی میں داخل ہے،
آنحضرت ﷺ نے دسیوں احادیث میں مختلف انداز سے یہ حقیقت بیان فرمائی ہے، چند
ارشادات ملاحظہ فرمایئے، ارشاد ہے کہ:

" حُرمَةُ مَالِ المُسلِمِ كَحُرمَةِ دَمِهٖ "

''مسلمان کے مال کی حرمت بھی ایسی ہی ہے جیسے اس کے خون کی حرمت''

(مجمع الزوائد، ص:۱۷۲۔ ج:۴)

واضح رہے کہ حدیث میں اگرچہ ''مسلمان'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، لیکن دوسری
احادیث کی روشنی میں مسلمان حکومت کے غیر مسلم باشندے، جو امن کے معاہدے کے ساتھ
رہتے ہوں، یا اس غیر مسلم حکومت کے غیر مسلم باشندے جس کے تحت مسلمان پرامن طور پر رہتے
ہوں، ان کے جان و مال کا احترام بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا مسلمان کے جان و مال کا احترام، لہٰذا

اس لفظ سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ غیر مسلموں کی جان و مال قابل احترام نہیں ہے۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

" لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه "

کسی مسلمان شخص کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں ہے، (مجمع الزوائد ص:۱۷۲۔ ج:۴)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں جو خطبہ دیا، اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

" لاَ یَحِلُّ امرِئٍ مِّن مَّالِ اَخِیهِ اِلَّا مَا طَابَت بِهِ نَفسُهُ "

کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا کوئی مال حلال نہیں ہے سوائے اس مال کے جو اس نے خوش دلی سے دیا ہو، (مجمع الزوائد ص:۱۷۱۔ ج:۴)

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" لاَ یَحِلُّ لِمُسلِمٍ اَن یَّاخُذَ مَالَ اَخِیهِ بِغَیرِ حَقٍّ، وَذٰلِکَ لِمَا حَرَّمَ اللّٰهُ مَالَ المُسلِمِ عَلَی المُسلِمِ، وَاَن یَّاخُذَ عَصَا اَخِیهِ بِغَیرِ طِیبِ نَفسٍ "

کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کا کوئی مال ناحق طور پر لے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا مال مسلمان پر حرام کیا ہے، اور اسکو بھی حرام قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی لاٹھی بھی اسکی خوش دلی کے بغیر لے۔ (مجمع الزوائد ص:۱۷۱۔ ج:۴)

ان تمام احادیث میں آنحضرت ﷺ نے یہ بات بھی واضح فرمادی ہے کہ دوسرے کی کوئی چیز لینے یا استعمال کرنے کے لئے اس کا خوشی سے راضی ہونا ضروری ہے، لہٰذا اگر کسی وقت حالات سے یہ معلوم ہو جائے کہ کسی شخص نے اپنی ملکیت استعمال کرنے کی اجازت کسی دباؤ کے تحت یا شرما شرمی میں دیدی ہے، اور وہ دل سے اس پر راضی نہیں ہے، تو ایسی اجازت کو اجازت نہیں سمجھا جائیگا، بلکہ اسکا استعمال بھی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

دعوت فکر

آنحضرت ﷺ کے ان ارشادات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں تو نظر آئیگا کہ نہ جانے کتنے شعبوں میں ہم شعوری یا غیر شعوری طور پر ان احکام کی خلاف ورزی کر

رہے ہیں، ہم چوری اور غصب بس یہی سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں چھپ کر داخل ہو اور اس کا سامان چرائے، یا طاقت کا باقاعدہ استعمال کر کے اس کا مال چھینے، حالانکہ کسی کی مرضی کے خلاف اسکی ملکیت کا استعمال، کسی بھی صورت میں ہو، وہ چوری یا غصب کے گناہ میں داخل ہے۔

چوری کی مروجہ صورتیں

اس قسم کی چوری اور غصب کی جو مختلف صورتیں ہمارے معاشرے میں عام ہو گئی ہیں، اور اچھے خاصے پڑھے لکھے اور بظاہر مہذب افراد بھی ان میں مبتلا ہیں، ان کا شمار مشکل ہے، تاہم مثال کے طور پر اسکی چند صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱) ایک صورت تو وہی ہے کہ جس کی طرف حضرت مولانا تھانویؒ کے مذکورہ واقعے میں اشارہ کیا گیا ہے، آج یہ بات بڑے فخر سے بیان کی جاتی ہے کہ ہم اپنا سامان ریل یا جہاز میں کرایہ دیئے بغیر نکال لائے، حالانکہ اگر یہ کام متعلقہ افسروں کو آنکھ بچا کر کیا گیا تو اس میں اور چوری میں کوئی فرق نہیں، اور اگر ان کی رضامندی سے کیا گیا، جبکہ وہ اجازت دینے کے مجاز نہ تھے، تو ان کا بھی اس گناہ میں شریک ہونا لازم آیا، ہاں اگر کسی افسر کو ریلوے یا ائیر لائنز کی طرف سے یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ زیادہ سامان بغیر کرائے کے چھوڑ دے، تو بات دوسری ہے۔

(۲) ٹیلی فون ایکسچینج کے کسی ملازم سے دوستی گانٹھ کر دوسرے شہروں میں فون پر مفت بات چیت نہ صرف یہ کہ کوئی عیب نہیں سمجھی جاتی، بلکہ اسے اپنے وسیع تعلقات کا ثبوت قرار دیکر فخریہ بیان کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ بھی ایک گھٹیا درجے کی چوری ہے، اور اس کے گناہ عظیم ہونے میں کوئی شک نہیں۔

(۳) بجلی کے سرکاری کھمبے سے کنکشن لے کر مفت بجلی کا استعمال چوری کی ایک قسم ہے، جس کا رواج بھی عام ہوتا جا رہا ہے، اور یہ گناہ بھی ڈنکے کی چوٹ کیا جاتا ہے۔

(۴) اگر ہم کسی شخص سے اسکی کوئی چیز مانگتے ہیں جبکہ ہمیں غالب گمان یہ ہے کہ وہ زبان سے تو انکار نہیں کر سکے گا، لیکن دینے پر دل سے راضی بھی نہ ہو گا، اور دیگا تو محض شرما شرمی اور بادل ناخواستہ دیگا، تو یہ بھی غصب میں داخل ہے، اور ایسی چیز کا استعمال حلال نہیں، کیونکہ دینے والے نے خوش دلی کے بجائے وہ چیز دباؤ میں آ کر دی ہے۔

(۵) اگر کسی شخص سے کوئی چیز عارضی استعمال کے لئے مستعار لی گئی اور وعدہ کر لیا گیا کہ

فلاں وقت لوٹا دی جائیگی، لیکن وقت پر لوٹانے کے بجائے اسے کسی عذر کے بغیر اپنے استعمال میں باقی رکھا تو اس میں وعدہ خلافی کا بھی گناہ ہے، اور اگر وہ مقررہ وقت کے بعد اسکے استعمال پر دل سے راضی نہ ہو تو غصب کا گناہ بھی ہے۔ یہی حال قرض کا ہے کہ واپسی کی مقررہ تاریخ کے بعد قرض واپس نہ کرنا (جبکہ کوئی شدید عذر نہ ہو) وعدہ خلافی اور غصب دونوں گناہوں کا مجموعہ ہے۔

(۶) اگر کسی شخص سے کوئی مکان، زمین یا دوکان ایک خاص وقت تک کے لئے کرائے پر لی گئی، تو وقت گذر جانے کے بعد مالک کی اجازت کے بغیر اسے اپنے استعمال میں رکھنا بھی اسی وعدہ خلافی اور غصب میں داخل ہے۔

(۷) اگر مستعار لی ہوئی چیز کو ایسی بے دردی سے استعمال کیا جائے جس پر مالک راضی نہ ہو، تو یہ بھی غصب کی مذکورہ تعریف میں داخل ہے، مثلاً کسی بھلے مانس نے اگر اپنی گاڑی دوسرے کو استعمال کرنے کی اجازت دیدی ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اسکے ساتھ ''مال مفت دل بے رحم'' کا معاملہ کرے، اور اسے خراب راستوں پر اس طرح دوڑائے پھرے کہ اس کے کل پرزے پناہ مانگنے لگیں، اگر کسی نے اپنا فون استعمال کرنے کی اجازت دی ہے تو اس کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اس پر طویل فاصلے کی کالیں دیر دیر تک کرتے رہنا یقیناً غصب میں داخل اور حرام ہے۔

(۸) بک اسٹالوں میں کتابیں، رسالے اور اخبارات اس لئے رکھے جاتے ہیں کہ ان میں سے جو پسند ہوں، لوگ انہیں خرید سکیں، پسند کے تعین کے لئے انکی معمولی ورق گردانی کی بھی عام طور سے اجازت ہوتی ہے، لیکن اگر بک اسٹال پر کھڑے ہو کر کتابوں، اخبارات یا رسالوں کا باقاعدہ مطالعہ شروع کر دیا جائے، جبکہ خریدنے کی نیت نہ ہو، تو یہ بھی ان کا غاصبانہ استعمال ہے، جس کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

یہ چند سرسری مثالیں ہیں جو بے ساختہ قلم پر آ گئیں، مقصد یہ ہے کہ ہم سب مل کر سوچیں کہ ہم کہاں کہاں چوری اور غصب کے گھٹیا جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں؟ (از ذکر و فکر)

چوری اور سینہ زوری

پچھلے دنوں ایک محفل میں یہ سوال زیر گفتگو تھا کہ مجرموں کو سخت اور عبرتناک سزائیں دینا انسانی عظمت کے کس حد تک مطابق ہے؟ بعض مغربی ملکوں میں سزاء موت (Capital Punishment) مکمل طور پر ختم کر دی گئی ہے۔ لہٰذا بعض حضرات کا خیال یہ تھا کہ یہی طریقہ زیادہ مناسب ہے۔ اس پر مجھے چار سال پہلے کا ایک واقعہ یاد آ گیا جو میں نے خود اپنی آنکھوں سے ایک معتبر اخبار میں باوثوق طریقے پر نہ پڑھا ہوتا تو شاید اس پر یقین کرنا مشکل ہوتا۔

مغربی معاشرہ کی حالت زار

یہ اکتوبر ۱۹۸۹ء کی بات ہے۔ میں ان دنوں امریکہ اور کینیڈا کے دورے پر گیا ہوا تھا۔ اور ٹورنٹو سے نیویارک جا رہا تھا، جہاز میں کینیڈا کا مشہور ہفت روزہ اخبار "National Enquirer" ہاتھ میں آ گیا جس کی پیشانی پر یہ جملہ درج ہوتا ہے کہ "یہ شمالی امریکہ کا سب سے زیادہ چھپنے والا غت روزہ ہے"۔ یہ اس اخبار کی ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء کی اشاعت تھی، اور اس کے صفحہ نمبر ۵۰ پر ایک خبر شہ سرخیوں اور تصویروں کے ساتھ شائع کی گئی تھی، خبر کا خلاصہ یہ تھا کہ کینیڈا کے علاقے برٹش کولمبیا میں ایک وحشت ناک مجرم کلفرڈ اولسن (Clifford Olson) کو قتل، زنا بالجبر اور غیر فطری عمل کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ یہ شخص نو عمر لڑکوں اور لڑکیوں کو روزگار دلانے کے بہانے اپنے ساتھ لے جاتا، ان کو نشہ آور گولیاں کھلاتا، ان کے ساتھ زبردستی جنسی عمل کرتا، اور بالآخر انہیں قتل کر کے ان کی لاشیں دور دراز کے مقامات پر دفن کر دیتا تھا۔ گرفتاری کے بعد اس شخص نے یہ اعتراف کیا کہ اس نے گیارہ نو عمر بچوں اور بچیوں کے ساتھ زیادتی کر کے انہیں قتل کیا ہے، اور انکی لاشیں مختلف مقامات پر چھپا دی ہیں۔ اور قتل بھی اس بربریت کے ساتھ کہ جب

ایک بچے کی لاش برآمد ہوئی تو اس کے سر میں لوہے کی ایک میخ ٹھکی ہوئی پائی گئی۔

جب یہ اقبالی مجرم گرفتار ہوا تو پولیس نے اس سے مطالبہ کیا کہ جن گیارہ بچوں کو اس نے بربریت کا نشانہ بنایا ہے، ان کی لاشوں کی نشان دہی کرے، اس ستم ظریف نے اس مطالبے کا جو جواب دیا، شاید اس سے پہلے وہ کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ آیا ہو۔ اس نے کہا کہ "مجھے وہ سارے مقامات یاد ہیں جہاں میں نے ان بچوں کی لاشیں دفن کی ہیں، لیکن میں ان مقامات کا پتہ مفت نہیں بتا سکتا۔ میری شرط یہ ہے کہ آپ مجھے فی لاش دس ہزار ڈالر معاوضہ ادا کریں"۔

ایک مجرم کی طرف سے یہ ریکارڈ مطالبہ تو جیسا کچھ بھی تھا، دلچسپ بات یہ ہے کہ پولیس نے بھی اس کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا۔ اخبار کا کہنا ہے کہ کوئی ایسا قانون نہیں تھا جس کی بناء پر اسے لاشیں برآمد کرنے پر مجبور کیا جا سکے، اس لئے پولیس کو اس کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے، البتہ پولیس نے ملزم کی خوشامد درآمد کے بعد زیادہ سے زیادہ جو "رعایت" اس مجرم سے حاصل کی وہ یہ تھی کہ "اگر دس لاشوں کی برآمدگی کا معاوضہ یعنی ایک لاکھ ڈالر پولیس مجھے ادا کرے تو گیارھویں بچے کی لاش میں رعایۃً مفت برآمد کردونگا"۔

انسانی قانون کی بے بسی

پولیس نے اس "رعایت" سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اولسن کو ایک لاکھ ڈالر معاوضہ ادا کیا، اس کے بعد اس نے کنیڈا کے مختلف شہروں سے گیارہ بچوں کی لاشیں پولیس کے حوالے کیں۔ ان گیارہ بچوں کی تصویریں بھی اخبار نے شائع کی تھیں، اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بچے بارہ سے اٹھارہ سال تک کی عمر کے ہونگے۔

اس "تفتیش"، "اعتراف" اور ایک لاکھ ڈالر کے نفع بخش سودے کے بعد مجرم پر مقدمہ چلایا گیا۔ چونکہ کنیڈا میں سزائے موت "وحشیانہ" قرار دیکر ختم کر دی گئی ہے، اس لئے عدالت کلفرڈ اولسن کو جو زیادہ سے زیادہ سزا دے سکی وہ عمر قید کی سزا تھی۔ البتہ عدالت نے جرم کی سنگینی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ "سفارش" ضرور کر دی کہ اس مجرم کو کبھی پیرول پر رہا نہیں کیا جا سکے گا۔ اخبار نے "سفارش" کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ شاید عدالت کو ایسا "حکم" دینے کا اختیار نہیں تھا، وہ صرف "سفارش" ہی کر سکتی تھی۔

ان گیارہ بچوں کے ستم رسیدہ ماں باپ کو جب یہ پتہ چلا کہ جس درندے نے ان کے کمسن بچوں کی عزت لوٹ کر انہیں موت کے گھاٹ اتارا، اسے ایک لاکھ ڈالر کا معاوضہ ادا کیا گیا ہے، تو قدرتی طور پر ان میں اضطراب اور اشتعال کی لہر دوڑ گئی، اور انہوں نے اولسن پرا یک ہرجانے کا مقدمہ دائر کیا، جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ کینیڈا کے ٹیکس دھندگان کے جو ایک لاکھ ڈالر اس درندہ صفت مجرم کی جیب میں گئے ہیں، کم از کم وہ اس سے واپس لے کر مرنے والے بچوں کے ورثاء کو دلوائے جائیں۔ لیکن ان کو اس مقدمے میں شکست ہوگئی، اپیل کورٹ نے بھی ان کا مقدمہ خارج کر دیا، اور سپریم کورٹ نے یہ کیس سننے سے انکار کر دیا۔

دوسری طرف مجرم اولسن نے ہائی کورٹ میں ایک درخواست دی ہے جس میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ اسے جیل میں بہتر رہائشی سہولیات (Better prison accommodation) فراہم کی جائیں، ہائی کورٹ نے یہ درخواست سماعت کے لئے منظور کر لی۔

گردش ایام

جن لوگوں کے بچے اس بربریت کا نشانہ بنے، انہوں نے اس صورت حال کے نتیجے میں ایک انجمن بنائی جس کا نام ''نشانہ ہائے تشدد'' (Victims of Violence) ہے، اس انجمن نے پارلیمنٹ کے ارکان سے مطالبہ کیا ہے کہ کینیڈا میں سزائے موت کا قانون واپس لایا جائے۔ اس انجمن کے ایک ترجمان نے اخبار کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ:

''ہم نے ہار نہیں مانی ہے۔ ہم نے ایک گروپ بنایا ہے، اور ہم نے کینیڈا کی پارلیمنٹ کے ارکان سے مطالبہ کیا ہے کہ کینیڈا میں سزائے موت کو واپس لایا جائے۔ اولسن جیسے جنسی درندوں کو سیدھے جہنم میں بھیجنا چاہئے جہاں کے وہ واقعۃً مستحق ہیں۔''

انسانی عظمت کی تذلیل

اس واقعہ پر کسی لمبے چوڑے تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب کبھی انسان مسئلے کے صرف کسی ایک پہلو پر زور دیکر یک رخے پن کا مظاہرہ کریگا۔ اس قسم کے ستم ظریفانہ

لطیفے وجود میں آتے رہیں گے۔ انسان کی عظمت (Dignity) اپنی جگہ، لیکن جس شخص نے اپنی انسانی عظمت کا لبادہ خود ہی نوچ کر پھینک دیا ہو، اس کے گلے سڑے وجود کو کب تک معاشرے میں شیطنت کا کوڑھ پھیلانے کی اجازت دی جائے گی؟ اور سینکڑوں حقیقی انسانی عظمتوں کو کب تک اس کی متعفن خواہشات کی بھینٹ چڑھایا جائے گا؟

رحمدلی بہت اچھی صفت ہے، لیکن ہر صفت کے اظہار کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے، اور اگر اس صفت کو بے موقع استعمال کیا جائے تو اسکا نتیجہ کسی نہ کسی پر ظلم کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ سانپوں اور بچھوؤں پر رحم کرنے کا مطلب ان معصوم جانوں پر ظلم ہے، جنہیں وہ ڈس چکے ہوں، یا ڈسنے والے ہوں، اور ان موذی افراد کے ساتھ سختی کا مطلب ان بے گناہوں کی انسانی عظمت کا تحفظ ہے جو ان کے ظلم کا شکار ہو سکتے ہوں۔ کلفر ڈاولسن کا مذکورہ بالا واقعہ پڑھیے، اور قرآن کریم کے اس بلیغ ارشاد پر غور فرمایئے کہ:

﴿ وَلَكُم فِي القِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا اُولِي الاَلبَابِ ﴾

اور اے عقل والو! تمہارے لئے قصاص (کے قانون) میں زندگی کا سامان ہے۔

یہ درست ہے کہ تنہا سزائیں معاشرے کو جرم سے پاک کرنے کے لئے کافی نہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ جرائم کے انسداد کا پہلا قدم تعلیم و تربیت اور خوف خدا اور فکر آخرت کی آبیاری ہے، لیکن یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ بہت سے افراد کے لئے تعلیم و تربیت سے لیکر وعظ و نصیحت تک کوئی چیز کارگر نہیں ہوتی۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے عربی زبان کے مشہور شاعر متنبی نے کہا تھا کہ ؎

والسیف ابلغ وعاظ علی امم

بہت سے لوگوں کے لئے سب سے فصیح و بلیغ واعظ تلوار ہوتی ہے۔ (از ذکر و فکر)

اندھیرا ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

نعمتوں کی ناقدری

ہمارے معاشرے میں کھانے پینے کی اشیاء کو جس بے دردی سے ضائع کیا جاتا ہے، وہ رزق کی بے حرمتی کے علاوہ بھوکوں کے منہ سے نوالہ چھیننے کے مترادف ہے۔

رزق خداوندی کے بارے میں ہماری یہ لاپروائی صرف کھانے پینے کے اشیاء کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ دوسری اشیاء ضرورت کو ضائع کرنا بھی ہمارا ایک اجتماعی روگ بن چکا ہے، اور اسکی وجہ سے بھی ہم طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے وضو کرتے وقت پانی احتیاط کے ساتھ خرچ کرنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ:

عن عبداللہ بن عمرو ان رسول اللہ ﷺ مر بسعدٍ وھو یتوضا فقال: ما ھذا السرف؟ فقال: افی الوضوء اسراف؟ قال: نعم، وان کنت علی نھر جار، (سنن ابن ماجہ)

"پانی کو فضول خرچ کرنے سے بچو، خواہ تم کسی بہتے ہوئے دریا کے پاس کھڑے ہو"۔

مزاج کی حفاظت

ظاہر ہے کہ جو شخص کسی بہتے ہوئے دریا سے وضو کر رہا ہو، اسے پانی کی کمی کا کوئی اندیشہ نہیں ہوسکتا، لیکن آنحضرت ﷺ نے اسے بھی پانی احتیاط کے ساتھ استعمال کرنے کی تاکید فرمائی، اس لئے کہ اول تو جب ایک شخص کو پانی فضول بہانے کی عادت پڑ جاتی ہے تو وہ پانی کی کمی کے مواقع پر بھی اس فضول خرچی سے باز نہیں رہ سکتا، دوسرے جب کسی قوم کا مزاج یہ بن جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بے دریغ بلا ضرورت استعمال کرے تو ایسی قوم کیلئے بہتے

ہوئے دریا بھی کافی نہیں ہو سکتے۔

ہمارے ملک کو اللہ تعالیٰ نے جو قدرتی وسائل عطا فرمائے ہیں وہ دنیا کے دوسرے بہت سے ملکوں کے مقابلے میں قابل رشک ہیں، لیکن ہم نے اپنی لاپروائی، فضول خرچی، خود غرضی اور بددیانتی کی وجہ سے انہیں اپنے لئے اس طرح ناکافی بنایا ہوا ہے کہ دوسروں کے سامنے ہماری بھیک کا پیالہ ہر وقت پھیلا رہتا ہے۔

بجلی کی نعمت

آج ہمارا ملک بجلی کی قلت کی وجہ سے شدید مسائل سے دوچار ہے، ملک کا بیشتر حصہ لوڈشیڈنگ کی زد میں ہے، روزانہ کئی کئی گھنٹے بجلی غائب رہتی ہے، اور اسکی وجہ سے لوگ سخت مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں۔ پنجاب کے متعلق حکام نے اعلان کیا ہے کہ اس سال گرمی کے موسم میں پچھلے تمام سالوں سے زیادہ لوڈشیڈنگ کرنی پڑیگی، اور جوں جوں گرمی میں اضافہ ہوگا، اسی نسبت سے لوڈشیڈنگ کا دورانیہ بھی بڑھتا چلا جائیگا۔

ہمارے ملک میں پڑنے والی شدید گرمی کے عالم میں بجلی کا میسر نہ ہونا گرمی کی تکلیف کو دس گنا بڑھا دینے کے مترادف ہے، لیکن بات صرف اس تکلیف کی نہیں، بعض مرتبہ بجلی بعض انسانوں کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتی ہے، نہ جانے کتنے مریض ہیں جو بجلی کی نایابی کی وجہ سے مناسب علاج کی سہولت سے محروم رہتے ہیں، اور ظاہری اسباب کے لحاظ سے اسی وجہ سے جان دیدیتے ہیں۔

دوسرا رخ

ایک طرف بجلی کی قلت کا تو یہ عالم ہے، اور دوسری طرف جب کہیں بجلی میسر ہو تو وہاں اس کے بے محابا اور بے دریغ استعمال کا حال یہ ہے کہ اس میں کہیں کمی نظر نہیں آتی، خالی کمروں میں بلب روشن ہیں، پنکھے چل رہے ہیں، اور بسا اوقات ائیر کنڈیشنر بھی پوری قوت کے ساتھ برسرکار ہیں، دن کے وقت بلاضرورت پردے ڈال کر سورج کی روشنی کو داخلے سے روک دیا گیا ہے، اور بجلی کی روشنی میں کام ہو رہا ہے، معمولی معمولی بات پر گھروں اور دیواروں

پر چراغاں کا شوق پورا کیا جا رہا ہے، جہاں لوگ بجلی کو ترس ترس کر مر رہے ہیں، وہاں رات کے وقت ہاکی اور فٹ بال کھیلنے کیلئے میدانوں میں انتہائی طاقت کی سرچ لائٹیں روشن ہیں، اور بعض میدان تو کھیل کے بغیر بھی انکی روشنی سے بقعہ نور بنے ہوئے ہیں، اور سڑکوں پر روشن اشتہارات (نیون سائنز) روشنی کی کسی حد کے پابند نہیں ہیں۔

بالخصوص جن مقامات پر بجلی کا بل خرچ کرنے والے کو خود ادا نہیں کرنا پڑتا، وہاں تو بجلی کا استعمال اتنی بے دردی سے ہوتا ہے کہ الامان! سرکاری دفتروں میں دن کے وقت بسا اوقات بالکل بلاضرورت لائٹیں روشن ہوتی ہیں، اور پنکھے اور ائیر کنڈیشنر اس طرح چل رہے ہوتے ہیں کہ ان کا خرچ بہت آسانی سے کم کیا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ بعض سرکاری ملازمین اور بہت سے نجی کمپنیوں کے ملازمین کو گھروں پر بھی بجلی کے مفت استعمال کی سہولت حاصل ہوتی ہے وہاں تو "مال مفت، دل بے رحم، کی مثال پوری آب وتاب کے ساتھ صادق آتی ہے۔

بجلی کا استعمال اور چینی قوم

چند سال پہلے مجھے چین جانے کا اتفاق ہوا، چین اس وقت دنیا کی ایک ابھرتی ہوئی طاقت ہے، اور رفتہ رفتہ اقتصادی ترقی میں بھی وہ عالمی برادری میں اپنا نمایاں مقام بنا رہی ہے، لیکن بیجنگ ائیر پورٹ سے شہر کی طرف جاتے ہوئے سڑکوں پر روشنی کی کمی نمایاں طور پر محسوس ہوئی، شروع میں خیال ہوا کہ یہ بیرون شہر کا علاقہ ہے، اس لئے معمولی روشنی پر اکتفا کیا گیا ہے، لیکن جب گاڑی شہر میں داخل ہوئی تو وہاں کا منظر بھی کچھ مختلف نظر نہ آیا، سوچا کہ یہ بھی شہر کا کوئی پسماندہ علاقہ ہوگا، لیکن جب ہم شہر کے اس حصے میں پہنچے جسے بیجنگ کا دل کہنا چاہئے تو بھی روشنیوں کا معیار دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی، حد تو یہ ہے کہ چانگ ین اسٹریٹ جو دنیا کی سب سے کشادہ شاہراہ سمجھی جاتی ہے، اسکے دونوں طرف بھی بہت معمولی لائٹیں لگی ہوئی تھیں، اس کے بعد میں ایک ہفتے سے زیادہ چین میں رہا، اور اسکے مختلف صوبوں اور شہروں میں جانے کا اتفاق ہوا، ہر جگہ صورت حال یہی نظر آئی، اشتہارات اور نیون سائن تو خیر سرمایہ دار ملکوں کی خصوصیت ہیں کسی اشتراکی ملک میں ان کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی لیکن

پورے ملک میں مجھے کوئی بھی آرائشی روشنی دکھائی نہیں دی۔

ہم چونکہ کراچی کی جگمگ کرتی ہوئی روشنیوں کے عادی تھے، اس لئے رات کے وقت پورا ملک اندھیرا اندھیرا معلوم ہوتا تھا، ہم نے اپنے میزبانوں سے اپنے اس تاثر کا ذکر کیا تو انہوں نے بڑا معقول جواب دیا، ان کا کہنا تھا کہ ہمارا ملک بہت بڑا ہے، اور آبادی کے لحاظ سے ہمارے یہاں بجلی کی قلت ہے، لہٰذا ہم اسی قدر بجلی استعمال کرتے ہیں جتنی ہمارے ضروری کاموں کے لئے ناگزیر ہے، جب تک ہمارے ملک میں بجلی کی پیداوار وافر مقدار تک نہ پہنچ جائے، ہم آرائشی روشنیوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

یہ جواب ایک ایسے ملک کے باشندوں کا تھا جو ہم سے کہیں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے، اور جس کے پاس سرکار دو عالم ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی بھی موجود نہیں ہے کہ:

''پانی کو فضول خرچ کرنے سے بچو، چاہے تم کسی بہتے ہوئے دریا کے پاس کھڑے ہو''۔

لیکن اس ارشاد نبوی ﷺ کی روشنی سے مالا مال ہونے کے باوجود ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں لوڈ شیڈنگ بھی گوارا ہے، اپنے دیہات کو بجلی سے بالکلیہ محروم رکھنا بھی منظور ہے، سسکتے ہوئے مریضوں کو مناسب تشخیص اور علاج کے لئے ترسانا بھی قبول ہے، لیکن نہ ہم چراغاں اور دوسری آرائشی روشنیوں سے دستبردار ہو سکتے ہیں، اور نہ بجلی کے عام استعمال میں کفایت اور بچت کا لحاظ رکھ سکتے ہیں۔

بے رحمی کی انتہا

ہماری خود غرضی اور قدرتی وسائل کے ساتھ بے رحمی تو اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ میں نے کئی گھروں میں یہ دیکھا کہ باورچی خانے میں گیس کے چولھے چوبیس گھنٹے مسلسل جلتے رہتے ہیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی بند نہیں ہوتے شروع میں میں نے اسے گھر والوں کی بے پروائی پر محمول کیا لیکن جب ذرا اہمیت کے ساتھ تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ چولھے اس لئے بند نہیں کئے جاتے کہ انہیں دوبارہ روشن کرنے کے لئے ماچس کی ایک تیلی خرچ نہ کرنی پڑے، چونکہ گیس کا

بل ہر چولھے پر یکساں آتا تھا، خواہ گیس کم خرچ ہوئی ہو یا زیادہ، اسلئے اس کے مسلسل استعمال سے چولھے کے مالک کا ایک پیسہ بھی زیادہ خرچ نہیں ہوتا تھا، لیکن اگر چولھے کو بند کر کے ضرورت کے وقت دوبارہ جلایا جائے تو اس پر ماچس کی ایک تیلی خرچ ہو جاتی تھی۔

جب میں نے پہلی بار چولھوں کے مسلسل جلنے کی یہ وجہ سنی تو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا، لیکن جب کئی گھرانوں میں یہ منظر آنکھوں سے دیکھا، اور بعض حضرات نے بے جھجک اس صورت حال کی یہ وجہ بیان بھی کی تو اندازہ ہوا کہ ہماری خود غرضی کتنی پستی تک پہنچ چکی ہے، اور اپنی ماچس کی ایک تیلی بچانے کے لئے پوری قوم کی دولت کو کس طرح لٹایا جا رہا ہے۔

جن حضرات کو کسی وجہ سے بجلی، گیس یا دوسرے مسائل مفت میسر آتے ہیں، اور ان کے فضول استعمال سے ان کی جیب پر کوئی بار نہیں پڑتا، وہ صرف اتنا دیکھتے ہیں کہ فوری طور پر ان کا کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوا، لیکن اتنی گہرائی میں جانے کی فرصت کسے ہے کہ آخر وہ اسی ملک کے باشندے ہیں جس میں وسائل کی قلت کا رونا رویا جا رہا ہے، اور بالآخر اس فضول خرچی کا نقصان دوسروں کے ساتھ انہیں بھی اٹھانا پڑے گا۔

اجتماعی وانفرادی کوشش کی ضرورت

بجلی اور گیس کا ذکر تو مثال کے طور پر آ گیا، ورنہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کے ساتھ ہماری ناقدری، بے دردی اور خود غرضی کا یہی عالم ہے، پیداوار میں اضافے کی کوششیں اپنی جگہ ہیں، اور یہ کوششیں ضرور جاری رہنی چاہئیں، لیکن ان کوششوں کی صحیح منصوبہ بندی حکومت کا کام ہے اور اگر اسے سیاسی جھمیلوں سے فرصت ملے تو وہی یہ کام ٹھیک ٹھیک انجام دے سکتی ہے، یہ کام ایک ایک شخص کی انفرادی طاقت سے باہر ہے، لیکن ہر شخص کے اپنے بس میں یہ ضرور ہے کہ وہ حاصل شدہ وسائل کو ٹھیک ٹھیک خرچ کرنے کا اہتمام کرے، اور اپنے خرچ پر قابو پا کر قومی دولت کے ضیاع سے پرہیز کرے۔

انفرادی اصلاح

بجلی ہی کے معاملے کو لے لیجئے، میرے بس میں براہ راست یہ نہیں ہے کہ میں ملک

میں بجلی کی پیداوار میں اضافہ کردوں، لیکن یہ ضرور میرے بس میں ہے کہ جہاں ایک بلب سے کام چل سکتا ہے، وہاں میں دو بلب نہ جلاؤں، جہاں سورج کی روشنی میسر ہو وہاں کوئی بلب روشن نہ کروں، جہاں ایک پنکھا کارآمد ہوسکتا ہے، وہاں دو پنکھے نہ چلاؤں، جہاں ائیرکنڈیشنر کے بغیر گذارا ہوسکتا ہے، وہاں ائیرکنڈیشنر استعمال نہ کروں، جس کسی کمرے میں بلاوجہ روشنی، پنکھا یا بجلی کا کوئی اور آلہ چلتا ہوا دیکھوں، اسے بند کردوں، جہاں چند روشنیوں سے ضرورت پوری ہوجاتی ہو، وہاں دیواروں اور گھروں پر چراغاں نہ کروں، کیا بعید ہے کہ اس طرح جس بجلی کا خرچ میں بچا رہا ہوں، وہ کسی ضرورت مند کے کام آجائے، اس سے کسی مریض کو راحت مل جائے، یا کسی غریب کے ظلمت کدے میں اجالا ہوجائے۔

اگر ہم میں سے ہر فرد اپنے دائرے میں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کر لے کہ "بہتے ہوئے دریا کے پاس بھی پانی کے فضول خرچ سے بچو" تو نہ جانے کتنے انسانوں کے دکھ دور ہوجائیں! (از ذکر وفکر)

21

دھوکے کی تاویلیں

انگلینڈ سے ایک خط

مجھے برطانیہ سے ایک خط موصول ہوا ہے جس میں مکتوب نگار لکھتے ہیں:

''راقم آپ کی کتابوں کا قاری ہے، آپ کے مضامین بھی ''جنگ'' کے توسط سے گاہے بہ گاہے میسر آجاتے ہیں، آج کے اخبار میں آپ کا مضمون تھا، ''یہ بھی چوری ہے'' اسے پڑھ کر دل چاہا کہ آپ کی خدمت میں ایک مسئلہ لکھوں جو یہاں درپیش ہے، اگر اسکا جواب اخبار ''جنگ'' ہی میں تحریر فرمائیں تو پورے مغرب کے لئے مفید ہوگا، کیونکہ یہ مسئلہ صرف برطانیہ ہی میں نہیں، بلکہ پورے یورپ میں درپیش ہے۔

یورپ کے بہت سے ممالک میں یہ قانون ہے کہ بے روزگار افراد کو حکومت کی طرف سے ''بے روزگاری الاؤنس'' دیا جاتا ہے، یہ الاؤنس ہفتہ وار دیا جاتا ہے، اور ایسے افراد کو ہر دو ہفتے بعد محکمہ بے روزگاری میں یہ رپورٹ دینی ہوتی ہے کہ وہ تاحال بے روزگار ہیں، اس رپورٹ کی بنیاد پر ان کے پاس گھر ہی پر چیک پہنچ جاتا ہے، جو ان کے کھانے اور رہائش وغیرہ کے اخراجات ہوتے ہیں۔

حکومت کی دی ہوئی اس سہولت سے بعض لوگ یہ فائدہ اٹھاتے ہیں کہ روزگار مل جانے کے باوجود وہ اپنے آپ کو بے روزگار ظاہر کرتے رہتے ہیں، اور گھر بیٹھے یہ الاؤنس وصول کرتے رہتے ہیں، ان لوگوں میں ہمارے بعض مسلمان بھائی بھی شامل ہیں، وہ ایک طرف حکومت سے بے روزگاری الاؤنس وصول کرتے ہیں اور دوسری طرف کسی دوکان یا ہوٹل میں کام کرتے ہیں یا ٹیکسی چلاتے ہیں، یا ٹیوشن پڑھا کر آمدنی حاصل کرتے رہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا یہ بھی چوری ہے؟ کیا ایسا کرنا حرام ہے؟ کیا اس کمائی سے حج کرنا جائز ہے؟ اس سے مسجد، مدرسے یا کسی اور فلاحی ادارے کو چندہ دیا جاسکتا ہے؟ اور اگر چندہ لینے والوں کو معلوم ہو

کہ یہ رقم اس طرح حاصل کی گئی ہے، تو کیا ان کے لئے چندہ وصول کرنا جائز ہے؟

اس سوال کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض لوگ اس عمل کی حمایت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یورپ کے یہ ممالک دارالکفر ہیں، یورپ کی حکومتیں اسلام دشمن ہیں اور مسلمانوں پر ظلم کرنے والوں کی مدد کرتی ہیں، فلسطین، بوسنیا، کشمیر اور دوسرے مقامات پر مسلمان جس ظلم وستم کا شکار ہیں، اس میں یہ حکومتیں بالواسطہ ملوث ہیں، لہٰذا ہم بالواسطہ یورپ کی ان حکومتوں سے برسر جنگ ہیں اور جنگ کی حالت میں ان کا مال اس طرح حاصل کرنا جائز ہے۔

یہی استدلال ٹیلی فون کے محکمے اور دوسرے پبلک محکموں کو فریب دینے کے بارے میں بھی پیش کیا جاتا ہے، بعض لوگ بینک سے قرض لے کر واپس نہیں کرتے، اور یہی دلیل استعمال کرتے ہیں، براہ کرام ان سوالات کا جواب قدرے تفصیل سے دلائل کے ساتھ دیجئے، کیونکہ مغربی ممالک کے مسلمانوں میں یہ باتیں اب خاصے بڑے پیمانے پر پھیل رہی ہیں، آپ کی مصروفیت کا مجھے اندازہ ہے، لیکن امید ہے کہ آپ مایوس نہیں فرمائیں گے۔ (عبدالمجید۔انگلینڈ)

خط آپ نے ملاحظہ فرمالیا، یہ خبر میرے لئے نئی نہیں ہے۔ مغربی ممالک کے سفروں کے دوران اس قسم کی بہت سی مثالیں میرے علم میں آتی رہی ہیں کہ ہمارے بعض مسلمان بھائی بہت چھوٹے چھوٹے مفادات کی خاطر ان دوسرے ملکوں میں بعض ایسے شرمناک کام کرتے ہیں جو ملک وملت کی بدنامی کا سبب ہوتے ہیں۔ لیکن جو بات نئی ہے وہ یہ کہ اب اس افسوس ناک طرز عمل کے جواز میں باقاعدہ دلائل بھی پیش کئے جارہے ہیں، اور نہ صرف یہ کہ اسے جائز قرار دیا جارہا ہے، بلکہ مستحسن قرار دے کر اسکی تبلیغ بھی کی جارہی ہے، اور ''برسرجنگ'' ہونے کی جو دلیل پیش کی گئی ہے، اس کے پیش نظر بعید نہیں کہ اسے ''جہاد'' کا ایک حصہ قرار دیا جانے لگا ہو۔

سیرت نبوی سے ایک واقعہ

اگر اس سلسلے میں واقعی کسی صاحب کو کوئی غلط فہمی ہے تو ان کی اطلاع کے لئے آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ سے ایک واقعہ عرض کرتا ہوں، خیبر مدینہ طیبہ کے شمال میں ایک بڑا شہر تھا، یہاں آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں یہودی آباد تھے، اور مدینہ طیبہ

کی نوخیز اسلامی ریاست کے خلاف مسلسل سازشوں کے جال بنتے رہتے تھے، ۷ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان پر ایک فیصلہ کن حملے کا فیصلہ کیا، اور خیبر کا محاصرہ فرمالیا، یہ محاصرہ کئی روز جاری رہا، اور خیبر کے یہودی باشندے قلعہ بند ہو کر مسلمانوں سے لڑتے رہے، خیبر میں ایک سیاہ فام چرواہا یہودی باشندوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اپنی سیاہ رنگت کی وجہ سے اسکا نام ''اسود راعی'' مشہور ہے، اسی محاصرے کے دوران وہ بکریاں چرانے کے لئے شہر سے باہر نکلا، بکریوں کو چراتے چراتے اسے سامنے مسلمانوں کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے نظر آیا، اس کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ وہ مسلمانوں اور ان کے امیر لشکر ﷺ کو خود جا کر دیکھے، اور ان سے ان کے دین و مذہب کے بارے میں معلومات کرے، چنانچہ وہ بکریوں کو ہنکاتا ہوا مسلمانوں کے پڑاؤ کے پاس پہنچ گیا، اور لوگوں سے پوچھنے لگا کہ آپ کے ''بادشاہ'' کا خیمہ کونسا ہے؟ مسلمانوں نے بتایا کہ ہمارے یہاں ''بادشاہ'' تو کوئی نہیں ہوتا، البتہ ہمارے قائد اللہ کے آخری پیغمبر ہیں، اور وہ اس معمولی سے خیمے میں مقیم ہیں، اگر آپ ان سے ملاقات کرنا چاہیں تو اندر چلے جائیں، چرواہے کو نہ اپنی آنکھوں پر اعتبار آیا نہ کانوں پر، اول تو جس خیمے کا پتہ بتایا جارہا تھا، اسے خیمے کے بجائے چھپر کہنا زیادہ موزوں تھا، اور اس کے لئے یہ تصور کرنا مشکل تھا کہ عرب کی اس ابھرتی ہوئی طاقت کا سربراہ اعلیٰ اس چھپر میں رہ رہا ہوگا، دوسرے یہ بات اسے مذاق معلوم ہوتی تھی کہ ایک معمولی سے انجان چرواہے کو اس سربراہ اعلیٰ سے اتنی آسانی کے ساتھ ملاقات کی دعوت دی جارہی ہے، لیکن بالآخر اس نے دیکھ لیا کہ جو بات کہی گئی تھی وہ مذاق نہیں، حقیقت تھی، چنانچہ چند ہی لمحوں کے بعد وہ خواب کے سے عالم میں عرب ہی کے نہیں دونوں جہانوں کے سردار (ﷺ) کے سامنے کھڑا تھا، آنحضرت ﷺ سے اس چرواہے کی جو باتیں ہوئیں، وہ بڑی دلچسپ اور طویل ہیں جو سیرت کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں، (میری کتاب ''جہان دیدہ'' میں بھی اس اسکی تفصیل موجود ہے) لیکن مختصر یہ کہ آپ ﷺ کی زیارت کرکے اور آپ ﷺ کی باتیں سن کر اسے یوں محسوس ہوا جیسے سالہا سال تک زندگی کی دھوپ میں جھلسنے کے بعد یکایک اس انجانی سی منزل کی چھاؤں میسر آگئی ہے، جس کی تلاش میں اسکی روح سرگرداں تھی، چنانچہ

اس نے اس چھاؤں کی آغوش تک پہنچنے میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں کی، اور مسلمان ہو گیا۔

بکریاں مالکوں کو لوٹا آؤ۔

مسلمان ہونے کے بعد اس چرواہے نے آنحضرت ﷺ سے آپ ﷺ کے ساتھ خیبر کے جہاد میں حصہ لینے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے اسے نہ صرف اجازت دی، بلکہ بشارت بھی دی، لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ جہاد میں شامل ہونے سے پہلے ایک کام ضروری ہے، اور وہ یہ کہ تمہارے ساتھ بکریوں کا جو ریوڑ ہے وہ تمہارے پاس ان یہودیوں کی امانت ہے، جہاد کی فضیلت حاصل کرنے سے پہلے تمہارا فرض یہ ہے کہ یہ بکریاں مالکوں کو لوٹا کر آؤ، چنانچہ اسود راعی (رضی اللہ عنہ) یہ بکریاں لے کر گئے، اور انہیں قلعے کے اندر پہنچا کر واپس آئے، پھر جنگ میں شامل ہوئے، جنگ کے خاتمے پر جب آنحضرت ﷺ شہداء کی نعشوں کے معائنے کے لئے تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ شہداء کی قطار میں اس نومسلم چرواہے کی نعش بھی شامل تھی۔

یہ واقعہ تو اختصار کی کوشش کے باوجود قدرے طویل ہو گیا (پھر بھی اسکے بعض بڑے ایمان افروز حصے باقی رہ گئے) لیکن اس وقت اس واقعے کے اس آخری حصے کی طرف توجہ دلانا مقصود تھا جس میں آپ ﷺ نے بکریاں خیبر کے یہودی باشندوں کو واپس کرنے کا حکم دیا۔ خیبر کے ان یہودیوں کے ساتھ آپ ﷺ کی بالواسطہ نہیں براہ راست جنگ تھی، یہ وہی یہودی تھے جن کی سازشوں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو مدینہ منورہ میں چین سے بیٹھنے نہیں دیا، جن کی معاندانہ کارروائیوں سے مسلمانوں کے دل چھلنی تھے، اور اب ان کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ کر کے ان کا محاصرہ کیا گیا تھا، کھلی کھلی جنگ کی اس حالت میں بلاشبہ ان کی جان و مال کے خلاف ہر کارروائی جائز تھی، دوسری طرف مسلمانوں کے پاس غذائی سامان کی قلت تھی، اور بکریوں کا یہ ریوڑ جو بہت آسانی سے ہاتھ آ گیا تھا مسلمانوں کے لشکر کی بہت سی ضروریات پوری کر سکتا تھا، لیکن اس حالت میں بھی آنحضرت ﷺ نے یہ گوارا نہیں فرمایا کہ ان بکریوں پر قبضہ کر لیا جائے، اسود راعی رضی اللہ عنہ یہ بکریاں یہودیوں سے ایک معاہدے کے تحت قلعے سے باہر لائے تھے، اور اگر انہیں واپس نہ کیا جاتا،

تو معاہدے کی خلاف ورزی لازم آتی، جنگ کی حالت میں یہ تو جائز ہے کہ کھلم کھلا طاقت استعمال کر کے دشمن کے مال پر قبضہ کر لیا جائے، لیکن جھوٹا معاہدہ کر کے دھوکا دینے اور معاہدے کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں، آنحضرت ﷺ نے بکریاں لوٹانے کا حکم دے کر شریعت کے اس حکم کو واضح فرمایا جو رہتی دنیا تک مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

غیر مسلم ممالک میں مقیم حضرات کی خدمت میں

جو مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں رہتے ہیں، خواہ وہاں کی شہریت اختیار کر کے یا عارضی اقامت کے طور پر، وہ وہاں کی حکومت سے ایک باقاعدہ معاہدے کے تحت رہتے ہیں، اس معاہدے کی پاسداری ان کے ذمے شرعاً لازم ہے، اور اس کی خلاف ورزی شرعی اعتبار سے بھی سخت گناہ ہے، جہاد کے ذریعے کفر اور اسلام دشمنی کی شوکت توڑنے کا جذبہ اپنی جگہ بڑا قابل تعریف ہے، لیکن اس کے لئے اپنا کردار اور اپنے بازو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، عہد شکنی، چوری اور دھوکہ فریب کے ذریعہ دوسرے مذہب والوں کو زک پہنچانا کفر کا شیوہ ہے، اسلام اور مسلمانوں کا نہیں، اسلام نے جہاں جہاد کی فضیلت بیان کی ہے، وہاں اس کے مفصل احکام اور آداب بھی بتائے ہیں، بلکہ دنیا کی تاریخ میں اسلام نے سب سے پہلے جنگ کو ان قواعد و آداب کا پابند بنایا جو شرافت اور بہادری کا حسین امتزاج ہیں، ورنہ اس سے پہلے جنگ، قتل و غارت گری کا دوسرا نام تھا، جو کسی قسم کی حدود و قیود کی پابند نہیں تھی، اسی طرح یہ اسلام ہی تھا جس نے بین الاقوامی تعلقات کے مفصل احکام وضع کئے جو امن اور جنگ دونوں حالتوں پر حاوی ہیں اگر ہم ان احکام و آداب کو نظر انداز کر کے من مانی کارروائیاں کرینگے تو ایک طرف شریعت کی خلاف ورزی کا شدید گناہ اپنے سر لینگے، دوسرے اپنے طرز عمل کے ذریعہ لوگوں کو اسلام اور مسلمانوں سے متنفر کر کے اسلام کی پیش قدمی میں رکاوٹ ڈالنے کے مجرم ہونگے۔

غیر مسلم ممالک میں اپنی سیرت وصورت سے تبلیغ اسلام

جو مسلمان بھائی اپنے روزگار کے حصول یا کسی اور جائز مقصد کے لئے غیر مسلم ملکوں

میں جا کر آباد ہوئے ہیں، انہیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ ان کا اچھا یا برا طرز عمل ان کی ذات کی حد تک محدود نہیں، ان ملکوں کے لوگ انہیں اسلام کا نمائندہ سمجھتے ہیں، اور ان کے کردار کو دیکھ کر ان کے دین اور ان کے وطن کے بارے میں اچھی یا بری رائے قائم کرتے ہیں، اسلام کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ دنیا کے بیشتر حصوں میں اسلام کی نشر و اشاعت زیادہ تر تاجروں کے ذریعے ہوئی جو ان علاقوں میں تجارت اور کسب معاش کے لئے گئے تھے، لیکن ان کا پاکیزہ کردار، ان کی سچائی اور ان کی امانت و دیانت مجسم تبلیغ ثابت ہوئی، انہوں نے اپنی سیرت کی مقناطیسی طاقت سے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف کھینچا، اور بالآخر اسلام کی روشنی سے پورے خطے کو جگمگا دیا۔

اگر ہم غیر مسلموں کے سامنے جھوٹ، عہد شکنی، دھوکہ فریب اور خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں تو صرف اپنی ذات پر نہیں، اپنے دین پر، اپنی قوم پر اور اپنے وطن پر وہ داغ لگاتے ہیں جسے مٹانا آسان نہیں، اور قرآن کریم کی یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والی وعید اس طرز عمل پر صادق آتی ہے کہ "جو لوگ اللہ کے راستے سے دوسروں کو روکتے ہیں انہیں ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو"۔

پھر اس طرز عمل پر شرمندہ ہونے کے بجائے اسکی تاویلیں کر کے اسے جائز ثابت کرنے کی کوشش "عذر گناہ بدتر از گناہ" کے مترادف ہے۔

دھوکہ سے حاصل کی گئی رقم حرام

جو سوالات مکتوب نگار نے کئے ہیں ان کا جواب بالکل واضح ہے اس طرح جھوٹ اور دھوکے سے حاصل کی ہوئی رقمیں یقیناً حرام ہیں، اور اس حرام پیسے کو حج یا مسجد یا مدرسے وغیرہ میں لگانا بھی ناجائز ہے، اور جس شخص کو معلوم ہو کہ یہ رقم حرام طریقے سے حاصل کی گئی ہے، اس کے لئے اس کا قبول کرنا بھی جائز نہیں۔ (از ذکر و فکر)

چھ جامع نیکیاں

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ ایسے اعمال بتائے، جن کی پابندی کرنے والے کے لئے آپؐ نے جنت کی ضمانت لی ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَضْمَنُوْالِیْ سِتًّا مِنْ اَنْفُسِکُمْ أَضْمَنْ لَکُمُ الْجَنَّةَ :أَدُّوْا إِذَا ائْتُمِنْتُمْ وَاَوْفُوْا إِذَا عَاهَدْتُمْ وَاصْدَقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاحْفِظُوْا فُرُوْجَکُمْ وَغُضُّوْاأَبْصَارَکُمْ وَکُفُّوْاأَیْدِیَکُمْ

مجھے اپنی طرف سے چھ باتوں کی ضمانت دے دو،

میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں جب تمہارے پاس امانت رکھوائی جائے تو اسے ادا کرو۔

جب کسی سے کوئی معاہدہ کرو تو اس کو پورا کرو۔

جب بات کرو تو سچ بولو،

اور اپنی شرم گاہوں کی (ناجائز کاموں سے) حفاظت کرو۔

اور اپنی نگاہیں نیچی رکھو۔

اور اپنے ہاتھوں کو (دوسروں کو تکلیف پہنچانے اور گناہ کرنے سے) روکو۔

(شعب الایمان للبیہقی ص ۳۲۰ و ۳۲۱ ج ۴ حدیث ۵۲۵۶)